قرآن مجید کا اسلوب تبشیر و انذار

(منتخب تفاسیر کی روشنی میں موضوعاتی مطالعہ)

مقالہ نگار

نائلہ اجمل

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد

جون، 2023

قرآن مجید کا اسلوب تبشیر وانذار

(منتخب تفاسیر کی روشنی میں موضوعاتی مطالعہ)

مقالہ نگار

نائلہ اجمل

مقالہ برائے پی ایچ ڈی علومِ اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز- ایچ نائن، اسلام آباد

©نائلہ اجمل، 2023

بسم الله الرحمن الرحيم
Sidi

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، فیکلٹی آف سوشل سائنسز

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مقالہ ہذا پڑھا اور اس کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: قرآن مجید کا اسلوب تبشیر و انذار (منتخب تفاسیر کی روشنی میں موضوعاتی مطالعہ)

Tabsheer(Motivation through Good News)and Inzaar (Warning Cautions)in Quran:The Stylistic Study in the light of Selected Tafaseer

نام مقالہ نگار: نائلہ اجمل

رجسٹریشن نمبر: 740-PhD/IS/S18

نام ڈگری: ڈاکٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی:

(نگران مقالہ) ______________ دستخط نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی:

(صدر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت) ______________ دستخط صدر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان:

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) ______________ دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنس

میجر جنرل (ر) محمد جعفر:

(ریکٹر نمل) ______________ دستخط ریکٹر نمل

تاریخ ______________

حلف نامہ (Declaration)

میں: **نائلہ اجمل** ولد: **اجمل حسین خان**

رول نمبر PD-IS-AS18-ID007 رجسٹریشن نمبر: 740-PhD/IS/S18

طالبہ، پی ایچ ڈی، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتی ہوں کہ مقالہ بعنوان: **قرآن مجید کا اسلوب تبشیر و انذار (منتخب تفاسیر کی روشنی میں موضوعاتی مطالعہ)**

Tabsheer(Motivation through Good News)and Inzaar (Warning Cautions)in Quran:The Stylistic Study in the light of Selected Tafaseer

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی ڈگری کی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے اور پروفیسر **ڈاکٹر مستفیض احمد علوی** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقمہ الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لیے دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: نائلہ اجمل

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

تلخیص مقالہ(Abstract)

The Holy Qur'an is the eternal guidance ordained for all human beings, by the Creator Almighty and revealed to the last of the Prophets (PBUH). Its directives are as diverse and comprehensive as human life. It is inherent in human psychology to be motivated by good news about the future and feels demotivated on the basis of fear and warning of bad consequences. Therefore, the Holy Qur'an has used the same fact in its invitation to the human beings for the Way leading them to their Lord. The significance of this is evident from the fact that every prophet came and informed his people about the good tidings associated with doing good-deeds and warned against the evil end of avoiding the right path.

The following research focusses Qur'anic principle of *Tabsheer* (Good Tidings as consequence of good deeds) and *Inzar* (Warnings against bad deeds as negative consequences) along-with its implications. The first chapter deals with the introductory analysis of *Tabsheer o Inzar*, as a term and phenomenon of Qur'anic communications. The second chapter discusses Prophets as being messengers of good news about good deeds and the bad news about bad deeds, as a consequence of human doings, in the life-hereafter. The third and fourth chapters focusses all verses of Qur'an, directly related to the topic and concludes the research on all possible connotations, implications and wisdom of this communication.

One of the major purposes in this study of Qur'an has been to discover and present Qur'anic narratives on this subject, in a coherent form, from different aspects so that the desire for good deeds and deterrence of bad deeds may be established in the hearts.

اظہار تشکر (A Word of Thanks)

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے زندگی کے ہر مرحلے میں حق کی راہنمائی نصیب فرمائی، اور اپنی لازوال نعمتوں سے بہرہ ور فرمایا اور اسی کی توفیق سے تحقیقی مقالہ کو آخری مراحل تک پہنچایا۔ اور مبشر و نذیر، ھادی عالم، نبی رحمت سیدنا محمد ﷺ کو درود پاک کا ہدیہ پیش کرتی ہوں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔

﴿وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ (الاسراء:۱۰۵)

(اس قرآن کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور حق ہی کے ساتھ یہ نازل ہوا ہے، اور اے ہمارے نبی ﷺ تمہیں ہم نے اس کے سوا اور کسی کام کے لئے نہیں بھیجا کہ بشارت دے دو اور متنبہ کر دو)

اپنے نگران مقالہ پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی کی بے حد شکر گزار ہوں جنھوں نے مقالے کی تکمیل میں قدم قدم پر راہنمائی اور خصوصی شفقت فرمائی اور ہر ممکن تعاون کیا۔ اس کے علاوہ میرے تمام استاد صاحبان جنھوں نے کورس ورک کے دوران ہماری راہنمائی کی خصوصاً ڈاکٹر نور حیات، ڈاکٹر عبد الغفار بخاری، ڈاکٹر شاہد ترمذی، ڈاکٹر امجد حیات، اور میڈم سمعیہ صاحبہ اور دیگر تمام اساتذہ کرام کی بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے راہنمائی فرمائی۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ میری ادنیٰ سی کوشش کو قبول فرمائے اور میرے اس عمل کو شرف قبولیت سے نوازے اور دنیا و آخرت کی بھلائی عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

مقالہ نگار: نائلہ اجمل

تاریخ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

انتساب (Dedication)

ہر اس محقق کے نام جو میری اس چھوٹی سی کاوش سے
مستفید ہو کر نیکیوں کی طرف رغبت کرے، اور برائیوں سے بچے۔

﴿وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَـــقِيم﴾ (النور:۴۶)

فہرست موضوعات

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
1.	مقالہ اور دفاع کی منظوری کا فارم(Thesis Acceptance Form)	IV
2.	حلف نامہ	V
3.	تلخیص مقالہ(Abstract)	VI
4.	اظہار تشکر	VII
5.	انتساب	VIII
6.	فہرست موضوعات	IX-X
7.	مقدمہ	1
8.	**باب اول: قرآن مجید کا اسلوب تبشیر وانذار: تعارفی مباحث**	9
9.	فصل اول: تبشیر انذار کا تعارفی مطالعہ	10
10.	فصل دوم: الہامی تعلیمات میں تبشیر وانذار	24
11.	فصل سوم: تبشیر وانذار بطور اسلوب دعوت	46
12.	**باب دوم: قرآن مجید میں تبشیر وانذار کے مخاطبین اور حکمتیں**	62
13.	فصل اول: قرآن میں مذکور انبیاء کرام کا اسلوب دعوت	63
14.	فصل دوم: تبشیر وانذار کے مخاطبین	111
15.	فصل سوم :تبشیر وانذار کی حکمتیں	145
16.	**باب سوم :ایمانیات وعبادات سے متعلق آیات میں تبشیر وانذار کا پہلو**	173
17.	فصل اول: ایمانیات سے متعلق آیات میں تبشیر	174
18.	فصل دوم: ایمانیات سے متعلق آیات میں انذار	199
19.	فصل سوم: عبادات سے متعلق آیات میں تبشیر وانذار	215
20.	**باب چہارم: اخلاق ومعاشرت سے متعلق آیات میں تبشیر وانذار کا پہلو**	242
21.	فصل اول: اخلاق ومعاشرت سے متعلق آیات میں تبشیر	243
22.	فصل دوم: اخلاق ومعاشرت سے متعلق آیات میں انذار	262

.23	خلاصہ بحث	294
.24	نتائج البحث	298
.25	تجاویز وسفارشات	299
.26	فہرست آیات	301
.27	فہرست احادیث	324
.28	فہرست اماکن	327
.29	مصادر ومراجع	328

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ، ونستفرہ ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات أعمالنا ، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، ومن یضلل فلا ھادی لہ، وأشھد ان لا الہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ، وأشھد أن محمدا عبدہ ورسولہ۔أما بعد:

ا۔ موضوع کا تعارف(Introduction)

قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے خالق کائنات کا ودیعت کردہ وہ دائمی دستورِ حیات ہے جس کے قوانین و ضوابط اتنے ہی متنوع اور ہمہ جہت ہیں جس قدر انسان کی اپنی زندگی۔ قرآنی آیات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ دنیا عارضی طور پر امتحان کے لیے بنائی گئی ہے اور آخرکار دو انجام انسان کے منتظر ہوں گے۔ ایک جنت کی شکل میں ابدی طور پر خدا کی نعمت وعطا کا مقام اور دوسرا جہنم کی شکل میں اس کی پکڑ اور سزا کا انجام اور ان انجاموں سے آگاہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جسے قرآن مجید کی اصطلاح میں تبشیر و انذار کہا گیا جو دعوت اور عبادت کے بعد نبیوں کا سب سے اہم اور بنیادی کام رہا ہے۔

آیات تبشیر سے مراد وہ آیات ہیں جن میں نیک اعمال پر اجر وثواب اور جنت کی خوشخبری دی گئی ہے جب کہ آیات انذار سے مراد وہ آیات قرآنی ہیں جن میں برے اعمال کے انجام بد سے تنبیہ کی گئی ہے اور آخرت کی زندگی کے خسارے سے خبردار کیا گیا ہے۔ تبشیروانذار کے اسلوب دعوت کے حامل انبیاء ورسل کا منصب، بشیر ونذیر بھی ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت اہم ہے۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی عالمگیریت کو واضح کیا گیا وہاں تبشیروانذار کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ﴾(سباء:۲۸)

(ہم نے تو آپ کو خوش خبری سنانے والا اور ڈرسنانے والا نبی بنا کر بھیجا ہے)

نبی پاک ﷺ نے ، منصب رسالت کے اس خاص حصے کے مطابق ، عالم انسانیت کو حسن عمل کے خوبصورت انجام کی خوش خبری سنائی اور برے کاموں کے انجام بد سے ڈرایا بھی۔ اسی طرح قرآن مجید میں ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعمال صالحہ اور اخلاق محمودہ پر بشارت دی گئی ہے اور ان تمام اعمال مذمومہ اور اخلاق رزیلہ کی مذمت کے ساتھ ساتھ، فساد فی الارض، کفر، شرک، اور ظلم وناانصافی کے ارتکاب پر آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔

۲۔ دراسات تحقیق(Sources Review)

موضوع تبشیر و انذار پر اردو اور عربی زبان میں جزوی طور پر چند مقالہ جات، کتب اور آرٹیکلز لکھے جا چکے ہیں جن کی تفصیل ذیل میں بیان کی گئی ہے

مقالہ جات

۱۔ اسلام کا تصور تبشیر، مختلف تفاسیر کی روشنی میں: مقالہ نگار، شازیہ شہزادی، ۲۰۱۹ء میں پنجاب یونیورسٹی میں ایم فل کی ڈگری کے لئے لکھا گیا۔ اس مقالے میں تفاسیر کی روشنی میں آیات بشارت کو بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ مقالہ ہذا میں اسلوب تبشیر و انذار دونوں کو بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ آیات تبشیر کا تفسیر معارف القرآن اور تفسیر تبیان القرآن کی روشنی میں تقابلی مطالعہ: مقالہ نگار، خالد حسین ،لاہور یونیورسٹی سے ایم فل ڈگری کے لئے یہ مقالہ پیش کیا گیا ہے اس مقالے میں بشارت پر مبنی آیات کا دو تفاسیر کی روشنی میں تقابل کیا گیا ہے۔ مقالہ ہذا میں اسلوب تبشیر کے ساتھ ساتھ اسلوب انذار کا موضوعاتی مطالہ کیا گیا۔

۳۔ قرآن کا قانون انذار معاصر تفسیری ادب کا مطالعہ: مقالہ نگار، ریحانہ اسلم ۲۰۱۲ء میں پنجاب یونیورسٹی میں ایم فل ڈگری کے حصول کے لئے یہ مقالہ لکھا گیا ہے اس مقالے میں انذار کو تفاسیر کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے جبکہ مقالہ ہذا میں اسکے مخاطب اور حکمتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

۴۔ آیات انذار کا عصری تفاسیر کی روشنی میں تقابلی جائزہ: یہ تحقیقی مقالہ ہے جو اسمہ لطیف نے، ۲۰۰۴ء میں جی سی یونیورسٹی فیصل آباد میں ایم اے کی ڈگری کی تکمیل کے لیے پیش کیا۔ اس مقالے میں مختلف تفاسیر کی روشنی میں آیات انذار کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔ آیات انذار کی لغوی اور اصطلاحی بحث کے بعد ، آیات انذار پر تفسیری نکات کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔

۵۔ قرآن پاک کی آیات تبشیر کا معارف القرآن اور بیان القرآن کی روشنی میں تقابلی جائزہ: مقالہ نگار فوزیہ تبسم نے، ۲۰۰۴ میں یہ مقالہ جی سی یونیورسٹی فیصل آباد میں ایم اے کی ڈگری کے لیے لکھا۔ اس مقالے میں لغوی اور اصطلاحی مفہوم اور آیات تبشیر کو دو تفاسیر معارف القرآن اور بیان القرآن کے تناظر میں تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔

۶۔ قرآن اور بائبل میں تصور انذار و سزا: ایک تقابلی مطالعہ: مقالہ نگار عائشہ سجاد نے ۲۰۲۱ میں ایم فل ڈگری کے لئے لکھا۔ اس مقالے میں اسلوب انذار کو قرآن اور بائبل کے تناظر میں لیا گیا ہے اور ان کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے

۷۔ التبشیر فی القرآن الکریم: خلیل ابراہیم عبد الرحمٰن، جامعۃ النجاح الوطنیۃ فی نابلس (فلسطین)، ۲۰۱۲، میں عربی زبان میں یہ مقالہ تحریر کیا گیا۔ اس میں قرآن مجید میں دی گئی بشارتوں کی اقسام، اسباب اور المبشرون کو بیان کیا گیا

ہے۔ جبکہ مقالہ ہذا میں مبشرون کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔

۸۔الترغیب والترھیب و دورھافی استقامتہ الانسان: احمد مصباح رزق، الجامعۃ الاسلامیہ غزہ، ۲۰۰۹ء میں عربی زبان میں لکھے گئے اس مقالے میں آیات ترغیب و ترہیب کی وضاحت کی گئی ہے اور یہ کہ انسان کس طرح ان پر استقامت کا رویہ اختیار کر سکتا ہے۔

کتب

۱۔ الوعد والوعید فی القرآن المجید: مؤلف الشیخ عارف ھندیجانی فرد، جمعیۃ القرآن الکریم، البیروت، ۲۰۱۴ عربی میں لکھی جانے والی اس کتاب میں ایک فصل آیات وعید کے بارے میں ہے جس میں آیت وعید اور انذار کی انواع بیان کی گئی ہیں۔ جبکہ مقالہ ہذا میں اسلوب تبشیر وانذار دونوں پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ الانذار الالھی فی القرآن الکریم: تحقیق کار مثنیٰ علوٰن الزیدی، مکتبہ عین الجامعۃ القرآن والتفسیر۔ ۲۰۰۸ میں عربی زبان میں لکھی جانے والی اس کتاب میں آیات انذار کی دنیا اور آخرت میں انواع، اس کے فوائد اور انبیاء کرام کی طرف سے کیے گئے انذار کو بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ مقالہ ہذا میں تفصیل کے ساتھ ان لوگوں کا ذکر کیا گیا جن کو قرآن میں انذار کیا گیا ہے اور اس موضوع پر ایک مکمل فصل مخاطبین منذرین کے حوالے سے لکھی گئی ہے

۳۔۔ المبشرون بالخیر فی القرآن الکریم: تحقیق کار: حسن محمد علی، بکلیۃ الشرعیۃ واصول الدین بجامعۃ الملک خالد، عربی زبان میں لکھی گئی مختصر سی کتاب جس میں ان لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کو قرآن مجید کی رو سے نیک اعمال کی بنا پر بشارتیں دی گئی ہیں۔ لیکن اس موضوع کا مکمل احاطہ نہیں کیا گیا جبکہ مقالہ ہذا میں اس فصل کو مفصلاً بیان کیا گیا ہے

۴۔ البشارۃ والانذار فی دعوۃ الرسول ﷺ : تحقیق کار محمد جمعۃ الحلبوسی، الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ۔ عربی زبان میں لکھی گئی اس کتاب میں صرف ان آیات مبارکہ کو لیا گیا ہے جس میں آپ ﷺ کو بشیر اور نذیر سے مخاطب کیا گیا ہے یا جن آیات مبارکہ میں آپ ﷺ کا وصف بشیر ونذیر بیان کیا گیا ہے اس میں ایک بحث یہ بنائی گئی ہے کہ قرآن مجید کی بیشتر آیات میں تبشیر کو انذار سے مقدم لایا گیا ہے۔ جبکہ مقالہ ہذا میں اس موضوع کو قرآن کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے

۵۔ البشیر والنذیر: الترغیب والترھیب کا اردو ترجمہ مولانا محمد عثمان نے کیا اس میں تبشیر وانذار اور وعد و وعید کے حوالے سے احادیث جمع کی گئی ہیں جن کا مقصد اعمال صالحہ کا شوق اور اعمال سیئہ کی نفرت دل میں قائم ہو۔ اسی مقصد کے تحت اس اسلوب کو قرآن کے تناظر میں بیان کیا گیا ہے۔

آرٹیکلز

۱۔ تبلیغ دین میں قرآن کا انداز تبشیر اور اس کے اثرات: تحقیق کار، طالب علی اعوان، مجلہ الاعجاز، ۲۰۱۹ میں لکھے گئے اس آرٹیکل میں دعوت و تبلیغ میں قرآن مجید کے انداز تبشیر اور قرآن کس طرح انسانی زندگی پر اثرانداز ہوتا ہے، کو بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ الدعوۃ الی اللہ والتبشیر والانذار: محمد تقی الدین الھلالی کی طرف سے مجلۃ التمدن الاسلامی، ۲۰۱۳ میں عربی زبان میں لکھے گئے اس آرٹیکل میں سورۃ النحل آیت نمبر ۱۲۵ کی روشنی میں اسلوب تبشیر و انذار کو بیان کیا گیا ہے اور پھر دعوت دین میں آپ ﷺ کا اسلوب تبشیر اور انذار مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ اہم قرآنی اسالیب دعوت کا فلسفہ قدیم و جدید مفسرین کا نقطہ نظر: تحقیق کار، ڈاکٹر محمد اسرائیل فاروقی، القلم، جون ۲۰۱۹ میں لکھے گئے اس آرٹیکل میں قرآن کریم کے اسالیب دعوت کو بیان کرتے ہوئے ایک فصل تبشیر و انذار کے بارے میں بیان کی گئی ہے۔

۵۔ قرآن الکریم کے تناظر میں سیرت طیبہ کے دعوتی و ابلاغی مناہج اور عصر حاضر میں اس کی معنویت: تحقیق کار، امان اللہ، فہم اسلام، تحقیقی مجلہ علوم اسلامیہ، جنوری ۲۰۱۰ میں لکھے گئے اس آرٹیکل میں از روئے قرآن نبی پاک ﷺ کے دعوتی اسلوب کو بیان کیا گیا ہے۔

۶۔ اسلوب الترغیب والترھیب فی القرآن الکریم والسنۃ النبویۃ: تحقیق کار، الدکتورۃ ساھرۃ عبداللہ ضاحی، مجلہ کلیۃ التربیۃ للبنات۔ ۲۰۰۷ میں عربی زبان میں لکھے گئے اس آرٹیکل میں قرآن مجید کی رو سے ترغیب اور ترھیب کے اسلوب اور پھر تعلیم و تعلم میں اس اسلوب کی اہمیت اور استعمال کو، قرآن اور سنت نبوی ﷺ کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

۷۔ قرآنی تنبیہات میں اصلاح عقیدہ، توحید و رسالت کے تناظر میں تحقیقی مطالعہ: تحقیق کار ڈاکٹر نسیم محمود، الوفاق علوم اسلامیہ کا علمی و تحقیقی مجلہ، جون ۲۰۱۹، جلد ۲، شمارہ ۱، اس آرٹیکل میں توحید و رسالت کا انکار کرنے والوں کے لئے قرانی تنبیہات آئی ہیں اور ان کو انذار کیا گیا ہے۔

۸۔ الترغیب والترھیب فی القرآن الکریم واھمیتھا فی الدعوۃ الیٰ اللہ: کیلان خلیل حیدر کا یہ آرٹیکل مجلہ کلیۃ العلوم الاسلامیۃ ۲۰۱۳ء میں لکھا گیا اس میں قرآن کی رو سے آیات ترغیب و ترھیب کو بیان کیا گیا اور ساتھ دعوت دین میں اس اسلوب کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔

۹۔ الترغیب والترھیب فی السیاق القرآنی: تحقیق کار ڈاکٹر کفایت اللہ ہمدانی، مجلہ قسم العربی جامعۃ

پنجاب، لاھور، ۲۰۱۵ میں یہ آرٹیکل شائع ہوا جس میں اخلاق حسنہ اور عبادات کی ترغیب اور اخلاق رزیلہ پر ترھیب کی گئی ہے۔

اسلوب تبشیر و انذار پر عربی اور اردو زبان میں کتب، مقالہ جات اور آرٹیکل کے تحقیقی مطالعے سے معلوم ہوا کہ اس موضوع پر پی ایچ ڈی میں کوئی کام منظر عام پر نہیں آیا جو اس موضوع کا مکمل احاطہ کرتا ہو اور اس موضوع کے حوالے سے جو کام کیا گیا وہ صرف اسکے تعارف، اور آیات تبشیر و انذار اور تفاسیر کی روشنی میں تقابلی مطالعہ پر ہے۔ جبکہ مقالہ ہذا میں تجزیاتی اسلوب اپناتے ہوئے قدیم وجدید دعوتی اسلوب اور تفسیر بالماثور تفاسیر (تفسیر القرآن العظیم، تفسیر فی ظلال القرآن، تفسیر ماجدی اور تفسیر تبیان القرآن) کی روشنی میں اس اسلوب کے مختلف پہلو اس کے مخاطبین، اس کی حکمتیں، ایمانیات، عبادات اور اخلاق و معاشرت پر آیات تبشیر و انذار کو بیان کیا گیا ہے۔ جس پر پہلے سے کام موجود نہیں ہے۔

۴۔ موضوع تحقیق کی ضرورت واہمیت (Significance of the study)

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کائنات کو بے کار پیدا نہیں کیا بلکہ ایک عظیم مقصد اور حکمت کے تحت پیدا کیا۔ انسانی تخلیق کے حوالے سے سورۃ الملک میں واضح کیا گیا ہے کہ زندگی اور موت کی تخلیق اس لیے ہے کہ انسانوں کو حسن عمل کے پیمانے پر جانچا جائے۔ یہ جانچ پرکھ اس حکمت کے ساتھ ہے کہ انسان کو زندگی، وسائل زندگی اور ارادہ و اختیار کی طاقت دے کر ایک مہلت عمل سے نوازا گیا ہے، اسے شعور اور قوت فیصلہ کے ساتھ ساتھ یہ ہدایت و راہنمائی بھی عطا کی گئی ہے کہ کامیابی اور ناکامی کے راستے کون سے ہیں اور ان راستوں پر چلنے کے منطقی نتائج کیا ہو سکتے ہیں۔

اس حکمت و ہدایت سے انسانی زندگی کو مزین کرنے کے لیے انبیاء کرام کو مبعوث کیا گیا اور الہامی کتب سے ضابطہ حیات عطا کیا گیا۔ پس جو لوگ انبیاء کی دعوت کو صدق دل سے قبول کرتے ہیں، ان کے لئے دارین کی سعادت و سرخروی کی بشارت ہے۔ دوسری طرف جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مبعوث کردہ پیغمبروں کی ہدایت سے بغاوت پر آمادہ رہے ان کے لیے انجام بد کی وعید ہے۔ اسی لیے پیغمبران خدا نے اپنی امتوں کو یہی پیغام جانفزا سنایا کہ:

﴿اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ﴾(ھود:۲)

(یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو، بے شک میں تم کو اس کی طرف سے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں
)

ہدایت قرآنی کا اپنا مخصوص اسلوب بیان ہے جس کی بنیادی غرض وغایت انسان کو صراط مستقیم کی طرف دعوت دینا ہے۔دعوت عمل کے ابلاغ اور تاثیر کا معاملہ الٰہی حکمتوں سے معمور ہے، جن کی دریافت اور تبیین انسانی زندگی اور اور اس کے انجام کار کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اسی تحقیق اور شناسائی کے بدولت انسان، ہدایت کے اس ازلی اور ابدی سرچشمہ سے استفادہ کر کے اپنی زندگی کو منشائے الہٰی کے سانچے میں ڈھالنے کی کامیاب سعی کر سکتا ہے۔

لہٰذا زیر نظر تحقیق میں اسی معاملے پر تجزیاتی مطالعہ کی کوشش کی گئی۔اس مقالے میں جو سوال زیر بحث رہیں گے وہ یہ ہیں: تبشیر وانذار کے اسلوب کی حکمتیں کیا ہیں اور مخاطبین کون ہیں اور اس اسلوب کو انبیاء کرام نے اپنے دعوتی اسلوب میں کس طرح اپنایا اور اس کے اثرات کیا ہوئے۔

۷۔ مقاصد تحقیق(Research Objectives)

۱۔ قرآن مجید کا اسلوب تبشیر وانذار اور دعوت دین میں اس کی ضرورت واہمیت سے اگاہی حاصل کرنا۔

۲۔ قرآن مجید میں مذکور تبشیر وانذار کے مخاطبین، ان کے خواص اور حکمتوں کا تحقیقی مطالعہ کرنا۔

۳۔انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق آیات تبشیر وانذار کا تفسیری مطالعہ کرنا۔

۸۔ سوالات تحقیق(Research Questions)

۱۔ قرآنی اسلوبِ تبشیر وانذار کی دعوت دین میں کیا ضرورت واہمیت ہے؟

۲۔ تبشیر وانذار کے اصول وحِکَم کی تشریح تفسیر قرآن میں کس طرح کی گئی ہے؟

۳۔ایمانیات،عبادات اور اخلاق کی استواری میں اسلوب تبشیر وانذار کے کیا فوائد واثرات ہیں؟

۹۔ منہج تحقیق(Research Methodology)

تحقیقی مقالے کی تکمیل کے لئے بنیادی طور پر لائبریری ریسرچ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ تجزیاتی طریقہ تحقیق اپنایا گیا ہے۔اصل مآخذ ومصادر جیسے وضاحت کے لئے لسان العرب، المفردات القرآن، معجم مقاییس اللغۃ، تقاسیر میں: تفسیر القرآن العظیم، تفسیر فی ظلال القرآن، تفسیر ماجدی ار تفسیر تبیان القرآن وغیرہ اور سیرت کے واقعات کے لئے السیرۃ النبویۃ ازابن ھشام اورالسیرۃ النبویۃ از ابن کثیر اور احادیث کے لئے کتب صحاح ستہ سے استفادہ کیا گیا ہے عنوان کی اہمیت کے پیش نظر سابقہ الہامی تعلیمات کو بھی بیان کیا گیا ہے اور حوالہ جات میں ان کا

ذکر کیا گیا ہے.

ا۔ تمام ضروری معلومات حوالہ جات کے طور پر حواشی میں دی گئی ہیں۔

۲۔ مقالہ میں آنے والے تمام غیر معروف اماکن واسماء کا تعارف مختصر اًحواشی میں بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ مقالہ کی عبارت آسان فہم اور بامحاورہ اردو میں ہے۔

۴۔ مقالہ کے آخر میں فہارس پیش کی گئی ہیں۔

۵۔ قرآنی آیات کو﴿ ﴾سے ظاہر کیا گیا ہے۔

۶۔ احادیث کو(( ))سے ظاہر کیا گیا ہے۔

۷۔ اقتباسات کو" "سے ظاہر کیا گیا ہے۔

۸۔ تحقیقی کتب، مجلات، جرائد، لغات، موسوعات اور معروف ویب سائیٹس اور سافٹ وئیر جیسے کتاب وسنت، مکتبہ شاملہ، آسان قرآن وحدیثسے استفادہ کیا گیا ہے۔

۹۔ آخر میں مصادر ومراجع کو ذکر کیا گیا ہے۔

۱۰۔ تجزیاتی اسلوب(Style of Analysis)

زیر نظر مقالہ کے تجزیاتی اسلوب کے اہم نکات درج ذیل ہیں:۔

ا۔ تحقیق کا بنیادی اسلوب تجزیاتی اور استقرائی ہے۔

۲۔ جدید تفسیری رجحانات میں سے تفسیر موضوعی کو اختیار کیا گیا ہے

۳۔ اعمال صالحہ کا شوق اور اعمال سیئہ کی نفرت دل میں قائم کرنے کے لئے اس اسلوب پر مختلف جہتوں سے تحقیق کی گئی ہے۔

۱۱۔ نظریاتی تناظر(Theoretical Framework)

ا۔ قرآنی اسلوب، تبشیروانذار انسانی تربیت و اصلاح کا نہایت اہم پہلو جو قرآن مجید میں مختلف جہتوں اور پیرایوں میں آیا ہے۔ اس اسلوب تحقیق کا مقصد ایسی آیات کو یکجا کر کے، انھیں تحقیقی مطالعہ میں لانا جس سے اس اسلوب دعوت کی حکمتیں واضح ہوں

۲۔ مختلف جہتوں سے اس پر تحقیق کرنا اور یہ جاننا کہ کس طرح اس اسلوب کو اپنا کر انسانوں کی اصلاح کی جا

سکتی ہے۔

انھی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر اس موضوع پر تحقیقی کام کیا گیا ہے۔

۱۲۔ ابواب اور فصول کی تقسیم و ترتیب (Research Design)

تحقیقی مقالہ کو مقدمہ، چار ابواب، خلاصہ بحث، نتائج مقالہ، فہرست آیات و آحادیث، فہرست اماکن اور فہرست مصادر و مراجع میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلے باب کی پہلی فصل میں تبشیر و انذار کے لغوی و اصطلاحی مفاہیم اور اس اسلوب کی ضرورت و اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ دوسری فصل میں الہامی تعلیمات کے حوالے سے تبشیر و انذار کو بیان کیا گیا ہے کہ دعوت کے دوسرے اسالیب کی طرح تبشیر و انذار کے پہلو کو بھی خاص مد نظر رکھا گیا ہے۔ تیسری فصل میں دعوت کے اسالیب کا مختصر تعارف کراتے ہوئے تبشیر و انذار کے اسلوب کو قرآن کی رو سے مفصل بیان کیا گیا ہے۔

دوسرے باب کی پہلی فصل میں قرآن مجید میں مذکور انبیاء کرام کے دعوتی اسلوب کو بیان کیا گیا ہے۔ دوسری فصل میں مخاطبین قرآن: مبشرون، یعنی وہ لوگ جنھیں قرآن بشارتیں دے کر مخاطب کرتا ہے اور دوسرے منذرون، جنھیں انذار کیا گیا۔ تیسری فصل قرآن مجید میں اس اسلوب کی کیا کیا حکمتیں بیان کی گئی ہیں ان کا ذکر کیا گیا۔

تیسرے باب کی پہلی فصل میں ایمانیات سے متعلق تبشیر کے اسلوب کو کس طرح قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ دوسری فصل میں ایمانیات سے متعلق آیات میں اسلوب انذار کو لیا گیا ہے۔ تیسری فصل میں عبادات سے متعلق آیات میں تبشیر و انذار کو بیان کیا گیا کہ کیسے ان کی ادائیگی پر قرآن بشارتوں سے نوازتا ہے جبکہ ان میں کوتاہی کرنے پر انذار کیا گیا۔

چوتھے باب کی پہلی فصل میں اخلاق و معاشرت میں تبشیر سے متعلق آیات بیان کی ہیں جس میں اخلاق حسنہ پر بشارات کا ذکر ہے جبکہ دوسری فصل میں اخلاق و معاشرت میں انذار کے اسلوب کو بیان کیا ہے کہ اخلاق سیئہ معاشرے میں فساد اور بگاڑ کا سبب بنتے ہیں۔

باب اوّل

قرآن مجید کا اسلوب تبشیر و انذار: تعارفی مباحث

فصل اوّل: تبشیر و انذار کا تعارفی مطالعہ

فصل دوم: الہامی کتب میں تبشیر و انذار

فصل سوم: تبشیر و انذار بطور اسلوب دعوت

فصل اول

تبشیر وانذار کا تعارفی مطالعہ

ہدایت انسانی کے لیے، الہامی تعلیمات کو انسانوں کی زندگیوں میں روبہ عمل لانے کی خاطر، قرآن مجید نے مختلف اسالیب بیان اختیار کیے ہیں ،جن میں سے ایک تبشیر وانذار بھی ہے۔تبشیر سے مراد اچھے انجام کی خوشخبریاں سنانے کا عمل ہے اور انذار، برے انجام کے خطرات سے آگاہ کرنے کو کہتے ہیں۔اس اسلوب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ تبشیر و انذار تمام انبیاء کرام کا ایسا شعار رہا ہے جو خاص طور پر انبیاء کی شان اور صفت کے طور پر قرآن میں مذکور ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ اِلَّا مُبَشِّرِينَ وَ مُنذِرِينَ﴾[1]

(ہم رسول بھیجتے ہیں اس لیے کہ وہ خوشخبری دینے والے اور تنبیہ سنانے والے ہوں)

ایمان والوں کے بہترین درجات کے بارے میں تفسیر ابن کثیر میں ہے۔:

"أي: مبشرين عباد الله المؤمنين بالخيرات ومنذرين من كفر بالله النقمات والعقوبات أي: فمن آمن قلبه بما جاءوا به وأصلح عمله باتباعه إياهم، فلا خوف عليهم أي:بالنسبة إلى ما يستقبلونه ولا هم يحزنون أي: بالنسبة إلى ما فاتهم وتركوه وراء ظهورهم من أمر الدنيا وصنيعها، الله وليهم فيما خلفوه، وحافظهم فيما تركوه"[2]

(انبیاء کرام کا اصل کام ہی مومنین کو ان کے اچھے بدلے کی بشارت دینا اور انھیں اللہ کے غضب اور عذاب سے ڈرانا ہے۔پس جو لوگ سچے دل سے انبیاء کرام کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کریں اور اللہ کے حکم کو بجالائیں تو انہیں دونوں جہانوں میں کسی طرح کا ڈر نہیں ہو گا۔ان کے اہل وعیال اور ترکے کا اللہ ہی حافظ ہے اور دوسری طرف انکار کرنے والے فسق کے باعث عذاب الہٰی کا شکار ہوں گے۔کیونکہ وہ اللہ کے حکم کا انکار کرتے اور اس کی نافرمانی کرتے تھے۔اور حلال اور حرام میں کوئی تفریق نہیں رکھتے تھے۔)

ابن کثیر کے نزدیک اللہ اور اس کے رسولوں کا اتباع کرنے والوں کو دونوں جہانوں کی ضمانت اور نافرمانی کرنے والوں کو عذاب جہنم سے ڈرایا گیا ہے اور انھی تعلیمات کو لوگوں میں راسخ کرنے کے لئے انبیاء مبعوث کیے گئے

1 القرآن، الانعام:۴۸

2 ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم (دار الطیبہ للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء)۳/۲۵۸

ہیں۔

قرآن مجید کی متعدد آیات میں انبیاء سابقین اور نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی مبشر اور نذیر کے نام سے پکارا گیا ہے۔ فرمادیا گیا کہ آپ ﷺ کو حق کے ساتھ اس لئے بھیجا تا کہ آپ ﷺ اچھے اعمال کرنے والوں کو جنت کی بشارت سنائیں اور اعمال بد میں ملوث ہونے والوں کو عذاب سے ڈرائیں۔

سورۃ الاسراء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾[1]

(اس قرآن کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور حق ہی کے ساتھ یہ نازل ہوا ہے، اور اے ہمارے نبی ﷺ تمہیں ہم نے اس کے سوا اور کسی کام کے لئے نہیں بھیجا کہ بشارت دے دو اور متنبہ کر دو۔)

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا گیا ہے کہ قرآن کریم حق کے ساتھ نازل ہوا اور آپ ﷺ کو اسی لیے بھیجا ہے کہ قرآنی ہدایت برحق کی روشنی ماننے والوں کو خوشخبری ہو اور نہ ماننے والوں کو برے انجام کا ڈر سنا دیں۔ نیکوکار اور باعمل بندوں کو ابدی نجات اور سعادت اخروی کی بشارت دیں اور نافرمان اور منکرین کو ابدی ہلاکت سے ڈرائیں۔ گویا آپ ﷺ نیکی وبدی، سعادت وشقاوت اور حق وباطل کی کشمکش اور اس کے انجام کار کو واضح طور پر بیان کر دینے والے ہیں۔

تبشیر کے ساتھ ساتھ نبی ﷺ کا یہ منصب بھی تھا کہ آپ ﷺ لوگوں کو ان کے اعمال شر کے نتیجے میں، آخرت میں انجام بد سے خبر دار کریں۔ سورۃ سباء میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے تنبیہ کرنا بھی ہے جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ ---﴾

(وہ تو تمہیں ڈرانے والا ہے۔۔۔)

آپؐ نے کوہ صفا پر قریش کو یوں متنبہ کیا تھا کہ:

((فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید))[2]

(لوگو! میں اس عذاب کے آنے سے پہلے تمھیں ڈراتا ہوں جو نہایت شدید ہو گا۔)

ابن کثیر انذار کے اس عمل کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

"الذي أعجله شدة ما عاين من الشر عن أن يلبس عليه شيئا، بل بادر إلى إنذار قومه قبل ذلك،

---

1 الاسراء:۱۰۵

2 بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع المسند الصحیح المختصر (دار طوق النجاۃ ۱۴۲۲ھ)، کتاب تفسیر القرآن، باب وأنذر عشرتک الأقربین، ح ۴۷۷۰

فجاءهم عريانا مسرعا "[1]

اس شخص کی طرح جو کوئی برائی دیکھے جو اس کی قوم کے قریب آگئی ہو تو وہ اسی حالت میں دوڑتا ہوا آئے اور اپنی قوم کو خبردار کر دے کہ اس سے بچ جاؤ۔

تبشیر و انذار کا مفہوم

تبشیر کا لفظ بشریٰ اور بشارۃ سے ماخوذ ہے۔ اہل لغت نے بیان کیا ہے کہ تبشیر سے مراد خوش کن خبر سنانا ہے۔ جس سے انسان کے چہرہ پر انبساط اور خوشی ظاہر ہو جائے۔ انسان کو جب کوئی اچھی خبر سنائی جاتی ہے تو اس کے جسم میں خون اس طرح دورہ کرنے لگتا ہے جیسے درختوں میں پانی، اسی لیے التبشیر کے معنی ہیں اس قسم کی خبر کے ہیں جسے سن کر چہرہ شدت فرحت سے ٹمٹما اُٹھے۔[2]

"بشارت کے معنی خوشی کے ہیں۔ اسی سے اَلْبشیر خوش خبری دینے والا اسی طرح بُشْریٰ سے مراد عطیہ یا انعام ہے"[3]

لسان العرب میں ہے:

"البشارة: ما بشرت به، والبشير: الذي يبشر القوم بأمر خير أو شر"[4]

(بشارت وہ خوشخبری ہوتی ہے جو کسی شخص کو دی جاتی ہے اور بشیر وہ شخص ہوتا ہے جو کسی خیر یا شر کے کام کی خبر دے۔)

جمهرۃ اللغۃ میں ہے:

"والبشرى والبشارة: اسم لما بشرت به" [5]

(البشریٰ والبشارۃ کے کلمات اس چیز پر بولے جاتے ہیں جس ذریعے بشارت دی جائے۔)

معجم اللغۃ العربیۃ المعاصرہ میں بھی یہی مفہوم بیان ہوا ہے۔[6]

مقاییس اللغۃ میں تبشیر کا معنی یوں بیان ہوا ہے:

---

1 ابن کثیر، القرآن العظیم: ۷/۴۵۹

2 الاصفہانی، حسین بن محمد راغب، المفردات القرآن فی غریب القرآن (بیروت: دار القلم، الدار الشامیۃ دمشق، ۱۴۱۲ھ، الطبعۃ: الأولی)، ۱/۱۲۵، عزیز احمد، لغات القرآن (راولپنڈی: ادارہ لغات القرآن)، ۴۴

3 ایضاً، المفردات القرآن، ۱/۹۳-۹۵

4 الافریقی، جمال الدین ابن منظور، لسان العرب (بیروت: دار صادر، ۱۴۱۴ھ، الطبعۃ: الثالثۃ)، ۴/۶۱

5 الازدی، ابو بکر محمد بن حسین، جمھرۃ اللغۃ (بیروت: دار العلم لملایین، ۱۹۸۷ء، الطبعۃ: الأولی)، ۱/۳۱۱

6 احمد مختار، عبد الحمید، معجم اللغۃ العربیۃ (المعاصرہ عالم الکتب، ۱۴۲۹ھ، الطبعۃ: الأولی)، ۱/۲۰۷

”بشرت فلانا أبشره تبشيرا، وذلك يكون بالخير، وربما حمل عليه غيره من الشر،وأظن ذلك جنسا من التبكيت. فأما إذا أطلق الكلام إطلاقا فالبشارة بالخير والنذارة“[1]

(بشیر کا لفظ اکثر خیر کی خبر سنانے کے لیے بولا جاتا ہے اور کبھی کبھار شر کی خبر کے لیے بھی، جب مطلق طور پر یہ لفظ بولا جائے تو خیر مراد ہو گا اور جب قید لگائی جائے تو شر کی خبر بھی مراد ہو سکتی ہے۔)

مختار الصحاح میں تبشیر کی تشریح یوں کی گئی ہے:

”(بشره) من البشرى وبابه نصر ودخل و (أبشره) أيضا و (بشره تبشيرا) والاسم (البشارة).ومنه قوله تعالى: {وأبشروا بالجنة} و (البشارة) المطلقة لا تكون لا بالخير، وإنما تكون باشر إذا كانت مقيدة به كقوله تعالى: {فبشرهم بعذاب أليم}(التباشير) البشرى،و(المبشرات) الرياح التي تبشر بالغيث “ [2]

(بشرہ بشریٰ سے ہے اور یہ باب نصر اور دخل سے ہے اور اس سے باب افعال ابشر اور باب تفعیل بشر بھی آتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "جنت کی خوش خبری دو" اور جب بشارت کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو صرف خوش خبری مراد ہو گا اور جب بشارت کا لفظ شر کے ساتھ مقید کر دیا جائے تو شر کی خبر بھی مراد ہو سکتی ہے۔)

گویا تبشیر جس کے معنی خوشخبری سنانے کے ہیں نفس انسانی کا خاصہ ہے کہ جب اس کو کوئی خوش کن خبر پہنچتی ہے تو وفور مسرت سے اس کے جسم میں خون دورہ کرنے لگتا ہے اس لیے ایسی خبر کے سنانے کو جس کو سن کر انسان کے چہرہ پر فرحت و انبساط کے آثار ظاہر ہونے لگیں اسے تبشیر کہتے ہیں۔ تبشیر کے لفظ میں کثرت سے بشارت دینے کے معنی ملحوظ ہیں کبھی کبھی غصہ کے اظہار کے لیے بطور تحکم اس کا استعمال افسوسناک، اندوہ گیں اور بُری خبر سنانے کے لیے بھی ہوتا ہے۔

تہذیب اللغۃ میں ہے کہ:

”وقال الزجاج: معنى يبشرك يسرك ويفرحك. بشرت الرجل أبشره، إذا فرحته، وبشر يبشر، إذا فرح.قال: ومعنى يبشرك من البشارة، قال: وأصل هذا كله أن بشرة الإنسان تنبسط عند السرور“(3)

(زجاج نے کہا کہ جب بشر اور ابشر پڑھا جائے گا تو خوشی اور مسرت دینے کا مفہوم لیا جائے گا۔ اور جب بشر (ثلاثی مجرد) پڑھا جائے گا تو خوش ہونا مراد ہے۔ یہ بشارت سے ہے اور مفہوم یہ بنتا ہے کہ خوشی اور سرور کے وقت

---

1 القزوینی الرازی، احمد بن فارس بن زکریا، معجم مقاییس اللغۃ (دار الفکر، ۱۳۹۹ھ)، ۱/۱۵۱

2 الحنفی الرازی، زین الدین ابو عبد اللہ، مختارۃ الصحاح (بیروت: المکتبۃ العصریہ، ۱۴۲۰ھ، الطبعۃ: الخامسۃ)، ۱/۳۵

3 الازھری، محمد بن احمد، تہذیب اللغۃ (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۲۰۰۱، الطبعۃ: الاولی)، ۱۱/۲۴۶

انسان کے چہرے پر جو بشاشت اور کشادگی کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں ان کو بشارت کہا جاتا ہے۔)

المعجم الوسیط میں ہے:

'' (بشرت) الناقة أو النخلة بدا أول نتاجها والريح بالغيث ساقت معها مزنا ممطرا وفي التنزيل عزيز {ومن آياته أن يرسل الرياح مبشرات} وفلانا أخبره بخبر مفرح ويقال بشره به وفي التنزيل العزيز {يا زكريا إنا نبشرك بغلام اسمه يحيى} وصاحب الدين الناس وعدهم بثواب الله وفي التنزيل العزيز {وبشر الذين آمنوا وعملوا الصالحات أن لهم جنات} ''[1]

بشرت الناقة او النخلة اس وقت بولا جاتا ہے جب اونٹنی یا کھجور کا اول ثمر ظاہر ہوتا ہے اور ہوا اپنے ساتھ بادل کو لائے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نشانیوں میں سے ایک یہ نشانی بھی ہے کہ ہوائیں بشارتیں لاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں نے ایسی خبر دی جو خوش کرنے والی ہے جیسے قرآن مجید میں حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے حضرت یحییٰؑ کی بشارت سنائی۔ اور دین پر قائم رہنے والے لوگوں سے اللہ نے ثواب کا وعدہ کیا ہے جیسے قرآن میں ہے ااور ایمان والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کو باغات کی بشارت سنادیں۔

الجرجانی نے کتاب التعریفات میں لکھا ہے:

''البشارة: كل خبر صدق تتغير به بشرة الوجه، ويستعمل في الخيروالشر، وفي الخير أغلب۔''[2]

(البشارة: بشارت اس سچی خبر کو کہتے ہیں جس سے انسان کا چہرا کھل جائے۔ اور یہ خیر و شر کی خبر دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور خیر کے معنی میں زیادہ استعمال ہوتا ہے۔)

اس تشریح سے واضح ہوا کہ جو کوئی بھی خدائی قانون کی اطاعت کی طرف متوجہ ہو اور جو اطاعت الٰہی کی پیروی کرے اور اس کے حکم کے مطابق کام کرے اس کو عطاء، رحمت، انعامات، فضل ربانی اور جنت کی خوش خبری دینا اور دنیا و آخرت میں بہترین انجام کی بشارت دینا تبشیر کہلاتا ہے۔

نذر کا کلمہ پیغام پہنچانے اور خوف دلانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور یہ لفظ اس پیغام پر بولا جاتا ہے۔ جس میں خوف دینا بھی مقصود ہو اور تناذروا کا مطلب ہے باہم ایک دوسرے کو ڈرانا۔[3]

القاموس المحیط میں ہے:

''وأنذره بالأمر إنذارا ونذرا، ويضم وبضمتين ونذيرا: أعلمه، وحذره، وخوفه في إبلاغه، والاسم: النذرى، بالضم، والنذر، بضمتين، ومنه: ـــ {فكيف كان عذابي ونذر} ، أي:

1 الزیات، ابراہیم مصطفیٰ احمد، المعجم الوسیط (القاهرة: دار الدعوة)، ۱/ ۵۸

2 الجرجانی، علی بن محمد، التعریفات (لبنان: دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۰۳ھ الطبعۃ: الاولی)، ۱/ ۴۵

3 القزوینی، معجم مقاییس اللغۃ، ۵/ ۴۱۴

إنذاري.والنذير: الإنذار" [1]

(انذار کا مطلب ہے اس نے خبر دار کیا۔ اطلاع دی اور ڈرایا [جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا] یعنی میر اڈرانا کیسا تھا۔)

تہذیب اللغۃ کے مطابق:

"ابن عرفہ نے کہا کہ لینذر قوماً کا مطلب ہے قوم کو ایسی چیز کی پیشگی خبر دینا کہ وہ اس سے محتاط ہو جائے اور ہر منذر خبر دینے والا ہے لیکن ہر خبر دینے والا منذر نہیں ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ ان کو قبل از وقت آگاہ کریں۔ نذر کا معنی علم ہے انذار سے نذیر بھی بنتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آپ ﷺ کا انذار ان لوگوں کو فائدہ دے گا جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، نذر اس وعدے کو بھی کہتے ہیں جو کسی شرط کے عوض ہو لہٰذا ہر نذر وعدہ ہے لیکن ہر وعدہ نذیر نہیں ہے"۔ [2]

کتاب العین میں ہے:

"نذر: النذر: ما ينذر الإنسان فيجعله على نفسه نحبا واجبا. والنذر: اسم الإنذار. والنذر: جماعة النذير، وتقول: أنذرتهم فنذروا و لم يستعملوا مصدرا- والتناذر: إنذار بعضهم بعضا. والنذير: اسم الشيء الذي يعطى". [3]

(نذر سے مراد یہ ہے کہ جو انسان اپنے اوپر لازم کر دیتا ہے کہ نذر سے ہی انذار نکلا ہے اور نذر نذیر کی جمع ہے اور تناذر کا مطلب ہے باہم ایک دوسرے کو خبر دار کرنا، نذیر اس چیز پر بھی بولا جاتا ہے جس کو عطیہ کے طور پر دیا جائے۔)

معجم اللغۃ العربیۃ میں انذار کی تعریف یوں ہے:

"منذر ومخوف ومحذر،نذير بمصيبة- طقس نذير بعاصفة- {ولو شئنا لبعثنا في كل قرية نذيرا}" [4]

(منذر کا معنی ڈرانے والے اور خبر دینے والے کو بھی کہتے ہیں اور نذیر کا لفظ رسول کے لیے بولا جاتا ہے جیسا کہ آیت میں ہے: اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیجتے۔)

"الانذار: الابلاغ، ولايكون إلا في التخويف. والاسم النذر، ومنه قوله تعالى:(فكيف كان

---

1 الفیروز آبادی، مجد الدین ابو طاہر، القاموس المحیط (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر، ۲۰۰۵ء الطبعۃ: الثامنۃ)، ۱/۴۸۱

2 الازھری، تہذیب اللغۃ، ۱۴/۳۰۴

3 الفراھیدی، ابو عبد الرحمٰن الخلیل البصری، کتاب العین (دار المکتبہ الھلال)، ۸/۱۸۰

4 احمد مختار، معجم اللغۃ العربیۃ، ۳/۲۱۹۰

عذابي ونذر) ، أي إنذاري. والنذير: المنذر. والنذير: الإنذار والنذر: واحد النذور". [1]

(انذار ایسے پیغام کے لیے بولا جاتا ہے جس میں پیغام کے ساتھ ساتھ خوف کی خبر بھی دی جائے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے ''اور میرا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا''نذیر منذر انذار اور نذر سب نذور کے واحد ہیں۔)

المفردات میں ہے:

" والإنذار: إخبار فيه تخويف، كما أن التبشير إخبار فيه سرور. "[2]

(انذار کے معنی ایسی خبر جس میں خوف پایا جاتا ہے جیسے کہ تبشیر خوشی کی خبر کو کہتے ہیں)

کسی بات کو جان کر اس سے چوکنا رہنا، محتاط ہونا۔ انذرہ الشی کسی کو بات بتا کر چوکنا کرنا اور ڈرانا، آگاہ کرنا دھمکی دینا، انجام سے باخبر کرنا نوٹس رہنا۔ الانذار: انجام کی اطلاع، آگاہی، تنبیہ اور اسی طرح المنذر: وارننگ دینے والا ڈرانے والا اور دھمکی دینے والا النّذیر: کے معنی منذر یعنی ڈرانے والا ہیں اور اس کا اطلاق ہر چیز پر ہوتا ہے جس میں خوف پایا جائے۔ اور نذیر: صفت مشبہ مرفوع نکرہ ڈرانے والا بعض جگہ اس سے مراد پیغمبر ہے۔ نذور: جمع منصوب مضاف۔ نذر واحد نذیر مصدر مضاف بمعنی انذار، ڈرانا۔

اس لغوی بحث سے واضح ہوا کہ انذار کا لغوی مفہوم ڈرانا، خبردار کرنا اور پیشگی اطلاع دینا ہے تاکہ مخاطب محتاط یا چوکنا ہو جائے۔ انذار کا لفظ اللہ نے اپنی طرف بھی منسوب کیا کہ دیکھ میرا ڈرانا کیسا تھا یعنی اس سے مراد پیشگی آنے والے خطرہ سے اگاہ کرنا، خبر دینے والے کے لئے بھی منذر استعمال ہوتا ہے اور کسی شرط کے عوض وعدہ کرنے کے لئے بھی نذر بولا جاتا ہے۔ گویا انذار و تنذیر ایسی خبر کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں ڈر اور خوف پایا جائے۔

تبشیر اور انذار دونوں ایک دوسرے کے مقابلے آتے ہیں۔ تبشیر خوشخبری، بشارت دینا، اچھی اور عمدہ خبر بھی اس کے معنوں میں شامل ہے۔ جبکہ انذار ڈرانا، خوف دلانا ہے، قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے وہاں نیک اعمال کرنے والوں کی دلجوئی اور حوصلہ اختیار کرنے والے دنیا میں پیش آنے والی آزمائشوں، تکلیفوں اور مشکلات کو بھول کر آخرت میں اللہ کی عنایات، انعامات اور مہربانیوں و مہمانیوں کو یاد کر کے اعمال صالحہ میں استقامت اختیار کر سکیں اور برائیوں کے وقتی و عارضی فائدوں کو نظر انداز کر کے حقیقی زندگی اور نفع حاصل کرنے کی امید سے وابستہ رہیں۔۔ علاوہ ازیں جہاں برے کاموں سے منع فرمایا ہے وہیں اعمال سیئہ، کفر و نافرمانی کے ارتکاب پر ان کے بھیانک نتائج اور انجام بد سے ڈرا کر انھیں اصلاح کی طرف مائل کرنے کی کوشش

1 الفارابی، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیہ (بیروت: دار العلم للملایین، ۱۴۰۷، الطبعۃ: الرابعۃ)، ۲/۸۲۶

2 الاصفہانی، المفردات، ۱/۷۹۷

فرمائی ہے۔اسی اسلوب کو تبشیر وانذار کا نام دیا جاتا ہے۔اور اس اسلوب کو قرآن مجید میں کثرت سے اختیار فرمایا گیا ہے۔

تبشیر وانذار کی ضرورت واہمیت

قرآن کریم تمام لوگوں کے لئے رحمت اور ہدایت کا ذریعہ ہے۔ قرآن مجید نے زندگی کا ایک اصول یہ بتایا ہے کہ انسان نے دنیامیں جس طرح زندگی گزاری ہوگی۔اُسے آخرت میں ویسی ہی زندگی ملے گی۔اچھے اعمال کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ

﴿الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾[1]

(ان متقیوں کو جن کی روحیں پاکیزگی کی حالت میں جب ملائکہ قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلام ہو تم پر، جاؤ جنت میں اپنے اعمال کے بدلے)

اس طرح اعمال سیئہ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا:

﴿ فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ﴾[2]

(اب جاؤ، جہنم کے دروازوں میں گھس جاؤ۔وہیں تم کو ہمیشہ رہنا ہے پس حقیقت یہ ہے کہ بڑا ہی برا ٹھکانا ہے متکبروں کے لئے)

اللہ تعالیٰ نے ان انسانوں کو کامیاب قرار دیا۔جنھوں نے قرآن کی پیروی کی۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿.وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾[3]

(اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے،وہی فلاح پانے والے ہیں)

قرآن مجید نے بنی نوح انسان کو سیدھی راہ کی طرف راغب کرنے کے لئے کئی اسالیب اختیار کئے ہیں انھیں اسالیب میں سے ایک اسلوب تبشیر وانذار ہے۔ جسے انسانوں کی تربیت کے لئے اختیار کیا گیا اور قرآن حکیم میں مختلف اسالیب کو اپنانے کا مقصد بھی ہر ذہنی سطح کے افراد کی تربیت کرنا ہے۔انسان کی تخلیق بے مقصد نہیں ہے قرآن کریم کی زبان میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے۔

﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴾[4]

---

1 النحل:۳۲

2 ایضاً:۲۹

3 الاعراف:۱۵۷

4 المومنون:۱۱۵

(کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹنا ہی نہیں ہے)

اس طرح سورۃ القیامہ میں ارشاد فرمایا:

﴿ اَیَحْسَبُ الْاِنسٰنُ اَن یُّتْرَکَ سُدًی ﴾[1]

(کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا)

بلکہ اس کو اس لئے پیدا فرمایا کہ جانچا جاسکے کہ کون اچھے اعمال کر کے اس کی خوشنودی چاہتا ہے اور انسان کی آزمائش کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿الَّذِی خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾[2]

(اور جس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا تا کہ تمھاری آزمائش کرے کہ کون تم میں سے اچھے عمل کرتا ہے)

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ نے خبر دی کہ انسان کی پیدائش کا مقصد آزمائش ہے کہ کون اس کے منہج کے تابع رہ کر اور انبیاء علیہم السلام کی اتباع کر کے اچھے اعمال کرتا ہے۔ پھر انھیں حکم دیا کہ اس مقصد کے حصول کے لئے تیار ہو جاؤ اور اس سے روگردانی کرنے والوں کے لئے سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمایا:

﴿ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾[3]

(پس جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مقابل نہ ٹھہراؤ۔)

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو فطرت اور عقل کے ہی سپرد نہیں کیا بلکہ اس کے پاس وقتاً فوقتاً انبیاء اور کتب نازل فرماتا رہا تاکہ کسی بھی قسم کے اختلاف پر لوگ ان پیغمبروں سے راہنمائی حاصل کریں اور ان کی دی ہوئی تعلیمات کی پیروی کریں مگر ان کی نافرمانی کرنے والوں اور ان سے ٹکرانے والوں پر دنیا میں بھی سخت عذاب نازل کیے گئے۔ ایسی اُمتوں اور قوموں کے حالات وواقعات انسانیت کے لیے باعث عبرت ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ کَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیِّینَ مُبَشِّرِینَ وَمُنْذِرِینَ﴾[4]

(ابتداء میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے تب اللہ نے نبی بھیجے جو بشارت دینے والے اور کج روی کے

---

1 القیامہ:۳٦

2 الملک:٦

3 البقرۃ:۲۲

4 الانعام:۲۱۳

نتائج سے ڈرانے والے تھے)

قرآن مجید میں متعدد آیات مبارکہ میں تبشیر وانذار کے اسلوب کو اپنایا ہے تاکہ تبشیر سے انسان نیکیوں کی طرف رغبت کرے اور انذار کے ذریعے عبرت حاصل کر کے اپنی اصلاح کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ لوگ جو دنیا میں برائیاں کرنے کے بعد ان کے ذہنوں میں یہ بات جاگزیں ہو گئی ہو کہ اب وہ خدا کی پکڑ میں آچکے ہیں ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَى فَبَشِّرْ عِبَادِ﴾ [1]

(اور اللہ کی طرف رجوع کر لیا ان کے لیے خوشخبری ہے۔ پس اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشارت دے دو)

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو مبعوث کرنے کے بعد انھیں انذار کا حکم دیا۔ تبشیر وانذار کا اسلوب اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ نبی پاک ﷺ کو منصب رسالت دینے کے بعد دوسری وحی میں ہی لوگوں کو ڈرانے کا حکم دے دیا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿قُمْ فَأَنْذِرْ﴾ [2]

نبوت ملنے کے فوراً بعد آپ ﷺ کو حکم ہوا کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں کو خبردار کرو تو آپ ﷺ نے دن رات ایک کر کے لوگوں کو تبلیغ کی اور انھیں آخرت کے عذاب سے خبردار کیا انھیں پہلی امتوں کے بُرے انجام سے آگاہ کیا تاکہ لوگ راہ راست کی طرف لوٹ آئیں۔ مولانا مودودی کہتے ہیں کہ:

"کتاب اس مقصد کے لیے نازل ہوئی ہے جو ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتابوں کے نزول کا مقصد رہا ہو۔ یعنی غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو چونکانا اور کج روی کے انجام بد سے خبردار کرنا"[3]

جب انسان کے پاس مہلت ختم ہو جائے گی اور حقیقت اس کے سامنے کھل جائے گی تو اس وقت اپنے اعمال پر افسوس کرے گا اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان کیا:

﴿إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا﴾[4]

(ہم نے تم لوگوں کو اس عذاب سے ڈرا دیا ہے جو قریب آ لگا ہے جس روز آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو

---

1 الزمر:۱۷

2 المدثر:۲

3 مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، جون ۲۰۰۶ء)، ۴/ ۴۸۲

4 النبا:۴۰

اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کافر پکار اٹھے گا کہ کاش وہ خاک ہوتا)

''وما يقولها إلا وهو ضائق مكروب! وهو تعبير يلقي ظلال الرهبة والندم، حتى ليتمنى الكائن الإنساني أن ينعدم. ويصير إلى عنصر مهمل زهيد. ويرى هذا أهون من مواجهة الموقف الرعيب الشديد. وهو الموقف الذي يقابل تساؤل المتسائلين وشك المتشككين. في ذلك النبأ العظيم''[1]

(اللہ کے غضب سے تنگ دل ہو کر اور مایوس ہو کر ایک زندہ انسان کی یہ خواہش ہو گی کہ وہ معدوم اور خاک وغبار بن جائے۔ وہ اپنے معدوم ہونے ہی کی صورت میں اپنے آپ کو اس خوف ناک عذاب سے بچا سکتا ہے۔ یہ ان لوگوں کا موقف ہو گا جو آج اس بڑی اور شہ سرخیوں والی حقیقت کے بارے میں شک پر مشتمل سوالات کرتے اور شبہات اٹھاتے ہیں)

سید قطب کے نزدیک ابھی کافر لوگ دنیا کی رنگینی میں مصروف ہیں اور حق کی طرف پلٹتے نہیں ہیں لیکن جب حقیقت کھل کر سامنے آئے گی اور حق واضح ہو گا تب یہ افسوس کرتے ہوئے کہیں گے کہ وہ کچھ بھی نہ ہوتے تو اس عذاب سے بچے رہتے۔

الغرض قرآن مجید کی بے شمار آیات مبارکہ میں تبشیر وانذار کو آپ ﷺ کا منصب قرار دیا گیا ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَقَدْ جَاءَكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ﴾[2]

(سو دیکھو اب وہ بشارت دینے اور ڈرانے والا آگیا)

قرآن مجید انذار وتبشیر کے پہلوؤں کو ساتھ ساتھ بیان کرتا ہے یہ بشارتوں سے لبریز ہے خوف وڈر دل میں رکھنے والے یعنی متقین، انفاق فی سبیل اللہ کرنے والوں اور عبادات کو احسن طریقے سے بجا لانے والوں کو متعدد مقامات پر بشارتیں دی گئی ہیں اور کفار، منافقین، منکرین، مال ودولت جمع کر کے خرچ نہ کرنے والوں اور اعمال بد کرنے والوں کو انذار اور خبردار کیا گیا ہے۔ ابن کثیر اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ:

''ما جاءنا من رسول يبشر بالخير وينذر من الشر، فقد جاءكم بشير ونذير، يعني محمدا صلى الله عليه وسلم {والله على كل شيءٍ قدير} قال ابن جرير: معناه: إني قادر على عقاب من عصاني، وثواب من أطاعني''[3]

اللہ تعالیٰ جو تمام قدرتوں کا مالک ہے اس نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اپنے برگزیدہ پیغمبر بشارت

---

1 سید قطب، فی ظلال القرآن (بیروت: دار الشروق، طبعۃ ۱۷، ۱۴۱۲) ۶/۳۸۰۹

2 المائدہ: ۱۹

3 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۳/۷۲

دینے والے اور انذار کرنے والے بھیجے۔ اللہ جو قدرت والا ہے اس نے اپنے ماننے والوں کیلئے انبیاء کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیج دیا، وہ اللہ قدرت رکھتا ہے کہ جو اس کی اطاعت کرے اسے ثواب دے اور جو نافرمانی کرے اسے سزا دے۔ ان آیات مبارکہ سے اس اسلوب کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ یہ انسانوں کی اصلاح کے لیے کتنا اہم ہے۔ قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر آپ ﷺ کو اس لقب سے پکارا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے خود بھی اس اسلوب کو اپنایا اور صحابہ کرام کو بھی اس کی تلقین کی آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ کو یمن کی طرف بھیجا تو یہ تلقین کی کہ:

((فقال يسرا ولا تعسرا و بشر ا ولا تنفر))[1]

(آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو آسانی دینا مشکلات میں نہ ڈالنا۔ بشارت دینے والے بننا اور نفرت نہ دلانا)

نبی کریم ﷺ نے عمرو بن حزم کو یمن کی طرف بھیجتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((ويبشر الناس بالجنة وبعملها، وينذر الناس النار وعملها، ويستألف الناس حتى يفقهوا في الدين)) [2]

(اور لوگوں کو جنت اور اس کے انعام کی بشارت دینا اور اس کو حاصل کرنے والے کاموں سے آگاہ کریں اور انھیں دوزخ کے عذاب اور اس سے بچنے والے کاموں سے خبر دار کرنا اور ان سے حسن اخلاق سے پیش آنا تا کہ ان میں دین کی سمجھ پیدا ہو)

آپ ﷺ نے مختلف موقوں پر لوگوں کو خوش خبری سنائی اور انذار کیا۔ کیونکہ یہ اسلوب نہایت اہمیت کا حامل ہے اس سے نیکی اور اطاعت اور شکر گزاری کا جذبہ بڑھتا ہے. جیسے غزوہ تبوک کے موقع حضرت عثمان نے جب بہت سارا مال اللہ کی راہ میں دیا تو نبی پاک ﷺ نے انھیں بشارت دی اور دعا کی:

((غفر اللّه لك يا عثمان ما أسررت وما أعلنت وما أبديت وما أخفيت وما هو كائن إلى يوم القيامة ما يبالي عثمان ما عمل بعدها))[3]

(اے عثمان اللہ تمھاری مغفرت کرے اس دولت پر جو تم نے مخفی رکھی اور جس کا تو نے اعلان کیا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔ عثمان کو کوئی پروا نہیں کہ آج کے بعد کوئی عمل کرے)[4]

---

1 البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب مایکرہ التنازع والاختلاف، ح۳۰۳۸

2 ابن ہشام، عبد الملک، السیرۃ النبویۃ (مصر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ البابی الحلبی ۱۹۵۵ء)، ۲/۵۹۵

3 الأصبهاني، أبو نعيم أحمد بن عبد اللہ، فضائل الخلفاء الأربعة (المدينة المنورة: دار البخاري للنشر والتوزيع، ۱۴۱۷ھ، الطبعة: الاولی)، ۱/۸۵

4 الازہری، پیر کرم شاہ، ضیاء النبی (لاہور: ضیاالقرآن پبلی کیشنز)، ۴/۵۹۵

حضرت عثمان رضی اللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میرے اندر اور زیادہ نیکی کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس طرح حضرت کعب بن مالک نے جب اللہ سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی جس کی بنا پر انھوں نے تھوڑا سا مال رکھ کر باقی سب اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دیا۔

قرآن مجید میں انذار و تبشیر کے اسلوب کو صرف انبیاء علیہ السلام تک محدود نہیں کیا بلکہ انبیاء کے بعد امت مسلمہ کی یہ ذمہ داری لگائی کہ وہ انذار و تبشیر کے اسلوب کو اپنائیں سورۃ التوبہ میں ہے:

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾[1]

(تو ان میں سے ہر گروہ ایک جماعت کیوں نہ نکلے کہ وہ لوگ دین میں تفقہ حاصل کریں اور وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف پلٹ کر آئیں تا کہ وہ گناہوں سے بچیں۔)

عبد الماجد دریابادی لکھتے ہیں:

''وَلِيُنْذِرُوا ۔یعنی احکام الٰہی سنا سنا کر اور بتا بتا کر انہیں ہر معصیت، بد کرداری، خدا فراموشی سے ڈراتے رہیں''[2]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[3]

(تم میں کچھ لوگ ضرور ایسے رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں 'بھلائی کا حکم دیں 'اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔)

تفسیر جلالین میں ہے:

''ولتكن منكم أمّة يدعون إلى الخير} الإسلام {ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر وأولئك} الداعون الآمرون الناهون {هم المفلحون}الفائزون ومن للتبعيض لأنّ ما ذكر فرض كفاية لا يلزم كل الأمة ولا يليق بكل أحد كالجاهل ''[4]

تفسیر جلالین کے مفسر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلق لکھتے ہیں کہ معمولی سطح پر بھی ہر فرد امت

---

1 التوبہ:۱۲۲

2 دریابادی، عبد الماجد، تفسیر ماجدی (لاہور: پاک کمپنی اردو بازار ۲۰۰۷ء)۴۶۳

3 آل عمران:۱۰۴

4 السیوطی، جلال الدین، تفسیر جلالین (القاھرہ: دار الحدیث)۱/۸۱

کا فریضہ ہے کہ وہ اس کام کو سر انجام دے۔ لیکن یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس کام کے لیے ایک مستقل جماعت مقرر ہونی چاہیے جو خلق خدا کو بھلائی کی طرف بلائے اور نہی عن المنکر یعنی برائی سے روکے۔ اس کام کی ضرورت و اہمیت کے باعث امت کے ہر فرد کے لئے ضروری ہوتا کہ وہ اس ذمہ داری کو نبھائے نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے لیکن اللہ رحیم و کریم نے یہ فریضہ ساری امت کے بجائے صرف ایک جماعت تک مخصوص کر دیا۔

مولانا غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ:

> "کسی شخص سے دوستی اور محبت کی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ نہ کسی شخص کے نزدیک قدر و منزلت بڑھانے اور اس سے کوئی فائدہ طلب کرنے کے لیے، مداہنت یعنی بے جا نرمی اور دنیاوی مفاد کیلیے نہی عن المنکر کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ کسی شخص سے دوستی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے ساتھ خیر خواہی کی جائے اور اس کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کو آخرت کی فلاح کی ہدایت دی جائے اور اس کو آخرت کے عذاب سے بچایا جائے اور کسی انسان کا سچا دوست وہی ہے جو اس کے لیے آخرت کی بھلائی کی سعی کرے"[1]

گویا مولانا سعیدی کے نزدیک دوسروں کے ساتھ خیر خواہی یہی ہے کہ ہم انھیں تبشیر و انذار کریں۔ تاکہ وہ راہ راست پر آجائیں۔ اور انھیں دونوں جہانوں کی کامیابی ملے۔

انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے دوسرے اسالیب کی طرح تبشیر و انذار بھی ایک اہم اسلوب ہے۔ قرآن مجید میں اس اسلوب کو سب سے زیادہ اپنایا گیا ہے۔

انسانی نفسیات میں یہ رویہ فطرتاً موجود ہے کہ وہ خوشخبری کے ذریعے اور حصول مسرت و سعادت کی خاطر اعمال صالحہ کی طرف ترغیب پاتا ہے جب کہ بد انجامی کے خوف اور تنبیہ کی بنیاد پر انسان بدی اور نافرمانی سے گریز اختیار کر لیتا ہے۔ اسی لیے انبیائے کرام کی دعوت کا یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ انبیائے سابقین علیہم السلام اور اس کے بعد آخری نبی ﷺ کو اختیار کرنے کے بعد امت مسلمہ کی یہ ذمہ داری لگائی کہ وہ دعوت دین کے معاملہ میں انذار و تبشیر کے اسلوب کو اپنائیں۔

تبشیر و انذار کا کام اتنا اہم ہے کہ ہر الہامی کتاب میں اسی امر کی طرف مائل کیا گیا ہے کہ معاشرے میں لوگوں کی ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیے۔ جو لوگوں کو اچھے کاموں کی ترغیب اور برے کاموں سے ڈرائے۔ اور ایسا کرنے والے لوگوں کو قرآن کی زبان میں کامیاب اور بامراد قرار دیا گیا

[1] سعیدی، غلام رسول، تفسیر تبیان القرآن (لاہور: رومی پبلی کیشنز اردو بازار، ۲۰۱۳ء) ۳۰۷

فصل دوم

الہامی تعلیمات میں تبشیر وانذار

تاریخ انسانی گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام کو بندوں تک پہنچانے کے لئے انبیاء کرام اور رسولوں کو مبعوث کیا اور تمام انبیاء کرام نے اس فرض کو خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ قرآن مجید میں ان انبیاء کرام کا تذکرہ تفصیل سے موجود ہے اس کے ساتھ ساتھ انبیاء کے اسلوب دعوت اور مخاطب اقوام کے رویوں کا بھی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ مطالعہ قرآن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ الہامی کتب کا بنیادی اور مرکزی موضوع ہدایت انسانی ہی ہے۔ سورۃ المائدہ میں تورات کے حوالے سے ارشاد ہوتا ہے:

﴿ إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ﴾ [1]

(ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی ہے)

اللہ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے جو بھی کتاب نازل کی اس کا مقصد ان کو اصلاح و فلاح کی طرف لانا ہے۔ تورات کو بنی اسرائیل کی ہدایت و راہنمائی کے لئے بھیجا گیا جو بہترین زندگی گزارنے کے لئے ایک ماڈل کی حیثیت رکھتی تھی۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کے بعد جب تورات پر عمل چھوڑ دیا تو حضرت عیسیٰ نے ان ہدایات اور قوانین کو، اللہ کے حکم سے دوبارہ زندہ کیا اور نیک اعمال کے اچھے انجام کی خوشخبری سنائی اس لیے آپ کی کتاب کو انجیل یعنی خوشخبری کہا گیا اور خود مسیحی اس کتاب کو نیا عہد نامہ (The New Testament) کہتے ہیں قرآن حکیم کا انجیل کے بارے میں یہ موقف ہے کہ

﴿وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ﴾[2]

(اور ہم نے (عیسیٰ کو) انجیل عطا کی جس میں راہنمائی اور روشنی تھی اور وہ بھی تورات میں سے جو کچھ اس وقت موجود تھا اس کی تصدیق کرنے والی تھی اور اس میں متقین کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے)

یعنی وہ ناپسندیدہ اعمال سے منع کرتی ہے اور پسندیدہ اعمال کی طرف ہدایت دیتی ہے۔ متقی شخص اللہ سے ڈرنے والا اور ان تمام کاموں سے بچنے والا ہے جو ان کی ناراضی اور اس کے عذاب کا موجب ہیں۔

---

1 المائدہ:۴۴

2 ایضاً:۴۶

تورات اپنی نوعیت کی وہ راہنما کتاب ہے جو قانون و شریعت کی تفصیل بیان کرتی ہے اس میں اخلاقیات کا بیان بھی شامل ہے۔جب بنی اسرائیل فرعون مصر کی غلامی سے نکل کر آزادانہ زندگی کا آغاز کر رہے تھے تو انھیں زندگی کے ہر دائرے میں آسمانی راہنمائی کی ضرورت تھی اور اس دور کے حوالے سے تورات میں مکمل راہنمائی موجود تھی۔

تورات وانجیل میں تبشیر وانذار

الہامی کتب کے مطالعہ سے پتہ چلتاہے کہ جس طرح قرآن مجید میں تبشیر وانذار کا اسلوب اپنایا گیاہے،اسی طرح دیگر الہامی کتب کی تعلیمات میں بھی یہ اسلوب نظر آتا ہے۔الہامی تعلیمات میں بھی اس بات پر زور دیا گیاہے کہ انسان کو اپنے اعمال کا جواب دہ ہوناہے۔اسے آزاد پیدا کیاہے نیک کاموں اور برائی کا اراستہ اختیار کرنے کی اسے مکمل آزادی ہے۔اس کے نتیجے میں نیکی پر اس کا بدلہ اور انعام اور برائی پر ناراضگی اور سوائے خسارے اور نقصان کے اس کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔

کتب الہامی کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ یہ کتابیں اپنے اپنے ادوار میں ہدایت کا ذریعہ رہی ہیں۔تورات اپنے دور میں اور انجیل اپنے دور میں پھر قرآن کے نازل ہونے کے بعد اس مقام اور ہدایت کا ذریعہ قرآن رہ گیا۔جب آسمانی کتابوں کا سلسلہ ختم فرمادیا گیا اب قرآن ہی قیامت تک کے لئے انسانوں کی فلاح اور کامیابی کا ضامن ہے جس نے اسے تھام لیاوہی کامیاب اور کامران رہے گا۔

گویا کہ تورات اپنے دور کا حق تھی اورانجیل اپنے دور کا حق تھی۔ قرآن کے نزول کے بعد اب انجیل منسوخ ہوگئی ہے اور اب قرآن ہی وہ ضابطہ حیات ہے جس میں ہمارے لئے نجات ہے اور اس کے ساتھ نبوت محمد ﷺ کو تسلیم کئے بغیر نجات ممکن نہیں۔

تمام انبیاء کی صفت رہی ہے کہ وہ ایمان اور نیکی کا راستہ اختیار کرنے والوں کو جنت کی خوش خبری دیتے ہیں انہیں بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ لوگ اعلیٰ مقام پر فائز کئے جائیں گے۔خدا تعالیٰ ان سے راضی ہو گا اور پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آرام وسکون کی زندگی پائیں گے۔برخلاف اس کے جو لوگ کفر،شرک اور معصیت کا راستہ پکڑیں گے ان کو اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور رحمت الٰہی سے محرومی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہو گا۔جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ [1]

(یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تا کہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے)

انبیاء کی بعثت کے بعد، اقوام عالم کے پاس یہ عذر باقی نہیں رہا کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا نہ بھیجا گیا۔ یہی موقف بائبل میں بھی بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ پہلے انبیاء کرام کے ذریعہ سے آگاہ فرماتے ہیں۔ اس کے بعد نہ ماننے والوں کو برے انجام سے دوچار کرتے ہیں بائیبل میں ہے:

> "Shall a trumpet be blown in the city, and the people not be afraid? Shall there be evil in a city, and the Lord hath not done it. Surely the Lord God will do nothing, but he revealeth his secret unto his servants the prophet-"[2]

یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ شہر میں کوئی نرسنگا پھونکا جائے اور لوگ اس سے نہ کانپیں یا کوئی شہر میں کوئی برائی داخل ہو جائے اور خداوند نے اسے نہ بھیجا ہو جب تک خداوند اپنے انبیاء پر راز نہیں کر دیتا اس وقت تک وہ کسی کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَلَيْسَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللهِ، مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ أَنْزَلَ الْكِتَابَ وَأَرْسَلَ الرُّسُلَ))[3]

(اللہ تعالیٰ سے زیادہ عذر کو پسند کرنے والا بھی کوئی نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس نے کتاب اتاری اور ڈرانے والے رسول بھیجے تا کہ لوگوں کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے)

غرض قرآنی تعلیمات اور بائبل کی تعلیمات سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی قوم کو آزمائش میں مبتلا کیا یا اس پر عذاب نازل ہوا تو اس سے پہلے ضرور اس کو آگاہ کرنے کے لیے انبیاء کرام کو مبشر اور نذیر بنا کر مبعوث کیا جنھوں نے اپنی اپنی اقوام کو اللہ کے انعام کی بشارتیں یا اس کے عذاب سے خبر دار کیا۔

الہامی تعلیمات میں اسلوب تبشیر

سابقہ الہامی کتب میں بھی ہمیں تبشیر و انذار کا اسلوب ملتا ہے کہ لوگوں کو نیکی کی طرف بلانے کے لئے انھیں خوشخبریاں دی گئی جیسا کہ الہامی تعلیمات میں ایمان والوں کی حوصلہ افزائی اور ہمت بڑھانے کے لئے کتاب الاعمال میں بیان کیا گیا ہے:

---

1 النساء:۱۶۵

2 The Bible (English Standard Version)(A publishing ministry of Good News Publisher.2007), Amos 3:7

3 المسلم، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب التوبۃ، باب غیرۃ اللہ تعالیٰ وتحریم الفواحش، ح۲۷۶۰

"And when there had been much disputing, Pete rose up, and said unto them, Men and brethren, ye know how that a good while ago God made choice among us, that the gentiles by my mouth should hear the word of the gospel, and believe."(1)

اور پطرس نے لوگوں سے کہا کہ تم تو جانتے ہو کہ کچھ عرصہ پہلے ہی خدا نے مجھے تم لوگوں میں سے چنا تاکہ میں تمھیں بشارتیں سنا کر ایمان کی طرف مائل کروں گویا کہ ایمان کی طرف رغبت دلانے کے لئے یہ اسلوب بہترین ہے کیونکہ خوشی کی خبر سن کر انسان اس طرف مائل ہو جاتا ہے۔

لوقا میں ارشاد ہوتا ہے:

"So with many other exhortations he preached good news to the people." (2)

یوحنا نے انکی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے ان کو خوش خبری کی تعلیم دی گویا کہ خوشخبری دعوت دین میں انسان کے حوصلے کو بڑھاتی ہے

یوحنا نے انھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام و مرتبہ اور ان پر ایمان لانے اور لوگوں کو سچائی اور نجات کی خوشخبری دی۔ جیسے کہ جان گل نے John Gill's Exposition of the Bible میں لکھا:-

"And many other thing's: Relating to the person and office of the Messiah, to the nature of his kingdom, the Gospel dispensation, and to faith in him; for he pointed him out to the people, and exhorted them to believe in him, and expressed much joy and pleasure on the hearing of his success and increase; and these, with others beside, in his "exhortation", or whilst he was Gexhorting, or "comforting", preached he unto the people : publishing the Gospel, the good news, and glad tidings of the Messiah's being come, and of life, righteousness, and salvation by him."(3)

اور دوسری بہت سی چیزیں جن کے متعلق جیسے مسیح کی شخصیت اور عہدے کے بارے میں اس کی بادشاہی کی نوعیت انجیل کی تقسیم اور اس پر ایمان لانے کی تلقین کی اور اس کی کامیابی کا سن کر بہت مسرت کا اظہار کیا اور اس کے علاوہ دوسروں کو نصیحت کرنا، اس نے لوگوں کو مسیح کے آنے کی اور اس کی زندگی، راستبازی، اور نجات کے بارے میں بشارتیں دیں۔

اسی طرح ایمان والوں کو سلامتی کی بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"The Lord preserveth the faithful."(4)

1- Act 15:7

2- luke3:18

3- John Gill, Exposition of the Bible (https://www.biblestudytools.com/ commentaries / gills-exposition-of-the-bible/),P:116, Luke3:18

4- Psalms 31:23

(خداوند ایمان داروں کو سلامت رکھتا ہے)

بائبل میں سچائی اور راست بازی پر بشارتیں دی گئی کہ آخرت میں ان کو سچائی کی بدولت بلند مقام و مرتبہ دیا جائے گا اور انھیں آرام ملے گا۔ جیسے کہ ارشاد ہوتا ہے:

> "Blessed are they which do hunger and thirst after righteousness:for they shall be filled."[(1)]

(جو لوگ راستی کے بھوکے اور پیاسے ہیں وہی مبارک ہیں کیونکہ وہ آسودہ ہوں گے)

> "Blessed are they which are persecuted for righteousness, Sake: for theirs is the kingdom of heaven."[(2)]

(اور وہ مبارک ہیں جو راستی کی وجہ سے ستائے جائیں اس لئے کہ آسمان کی بادشاہی انھی لوگوں کے لئے ہے۔)

سچائی کو پھیلانا اور امن و امان قائم کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے اور سچائی اور راستی کی بدولت بندے کو آخرت میں اچھا بدلہ ملے گا اور آسمانی بادشاہت یعنی آخروی زندگی کی نعمتیں اسے ملیں گی جیسا کہ بیان کیا گیا ہے:

> "Persecuted for righteousness sake: The work of the peacemakers is not a light and easy work.Those who are persecuted, not for opinions, but for right conduct, the true martyrs and confessors of righteousness, attain their reward at last.And they shall receive an eminently great reward there, on account of their sufferings, and in proportion to them, And no wonder, for as their state on earth, under these persecutions,so shall they hereafter be conformed to them in glory."[(3)]

(جو سچائی کی خاطر ستایا گیا ہو کیونکہ جو امن قائم کرتا ہے اس کا کام ہلکا اور آسان نہیں ہے۔ جو لوگ رائے کے لیے نہیں بلکہ صحیح طرز عمل کی وجہ سے ستائے جاتے ہیں، سچے شہید اور راستبازی کے اعتراف کرنے والے آخر کار اپنا اجر پاتے ہیں۔ اور وہ وہاں ایک نمایاں عظیم اجر حاصل کریں گے ان کی مشکلات کی وجہ سے اور تناسب سے اور یہ کوئی حیران کن بات نہیں، کیونکہ زمین پر ان کی حالت اور ظلم و ستم کے باعث وہ دوسری دنیا میں شان میں ہوں گے اور ان کا ذکر خدا کی عدالت میں کیا جائے گا)

> "So the Lord God will cause righteousness and praise to spring forth before all the nation".[(4)]

(اسی طرح خداوند تمام قوموں کے سامنے سچائی اور ستائش کو منظر عام پر لائے گا۔)

---

[1]- Matthew 5:6

[2]- Ibid 5:10

3- Charles john Ellicot, Ellicott's Commentary for English Readers,(Delmarva publications,2015)V:vi/P:21, Matthew 5:10

4- Isaiah 61:11

سابقہ کتب الہامی میں اچھائی کی تلقین اور برائی کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا گیا:

"For I the Lord love judgment, I hate robbery for burnt offering; and I will direct their in truth, and I will make an everlasting covenant with them." (1)

(خداوند کا فرمان ہے میں انصاف کو پسند کرتا ہوں اور میں غارت گری اور ظلم سے نفرت کرتا ہوں اور میں اپنے لوگوں کو اعتماد دوں گا۔)

نادار اور بیمار لوگوں کو اللہ کے حکم سے تندرست کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ غریبوں کو بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"And he answered them, go and tell john what you have seen and heard: the blind received their sight, the lame walk, lepers are cleansed, and the deaf hear, the dead are raised up, the poor have good news preached to them."(2)

(تم جو یہاں سنتے اور دیکھتے ہو اس کے بارے میں یوحنا کو بتا دینا کہ اندھے بینا ہوگئے اور لنگڑوں کے پاؤں ٹھیک ہوگئے اور اب وہ چل سکتے ہیں اسی طرح کوڑی شفا پاتے ہیں اور بہرے اب سن رہے ہیں اور مردہ زندہ کئے گئے ہیں اور غریبوں کو خدا کی باشاہت کی بشارت دی گئی ہے)

یہاں اس بشارت کا ذکر ہو رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے زمانے میں چونکہ طب اور علوم طبعیہ (سائنس) کا چرچا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ معجزات عطا فرمائے جن کے سامنے تمام اطباء اور سائنس دان اپنے عاجزی اور بے بس ہونے کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے۔ جو حضرت عیسیٰ نے غریبوں، معذوروں اور بیماروں کو خدا کی قدرت سے ٹھیک کیا۔ اور انھیں خدا کی بادشاہت کی خوشخبری سنائی۔

نیک اولاد کی بشارت کا ذکر قرآن مجید میں بھی کیا گیا جیسے حضرت ابراہیمؑ کو دو بیٹوں حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کی اور اسی طرح حضرت زکریاؑ کو حضرت یحییٰؑ کی خوش خبری دی گئی۔ اسی طرح قرآن مجید اور بائبل میں فرشتے کے ذریعے حضرت مریمؑ کو حضرت عیسیٰ کی بشارت دی گئی قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴾ (3)

(اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تمھیں ایک فرمان کی خوشخبری دیتا ہے۔ اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ دنیا و آخرت میں معزز ہوگا 'اللہ کے مقرب بندوں میں شمار کیا جائے گا) ایسی ہی بشارتوں کا ذکر بائبل میں

1- Ibid 61:8
2- Luke 7:22

3- آل عمران:۴۵

بھی آتا ہے۔ حضرت جبرائیل امین کاذکر کیا گیا کہ انھوں نے اللہ کی طرف سے حضرت مریم کو بیٹے کی بشارت دی۔

> "And I am angel answered him, I am Gabriel. I stand in the presence of God, and I was sent to speak to you and to bring you this good news."[1]

(فرشتے نے کہا کہ میں جبرائیل ہوں اور میں ہمیشہ اللہ کے حکم کا منتظر رہتا ہوں اور اس کو بجالاتا ہوں اور اللہ نے مجھے تیرے پاس اس حکم کے ساتھ بھیجا ہے کہ تجھے بیٹے کی بشارت دوں۔)

> "And am sent to speak unto thee, and to show unto thee these glad tidings wherefore, on account of his name, his office, and his mission, especially the subject of it being welcome news, good tidings, what he said ought to have obtained credit with him. Gabriel was one of the ministering spirits sent to minister to them that were heirs of salvation; his messages were messages of mercy, grace and love."[2]

(اور مجھے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ میں آپ سے بات کروں اور آپ کو بشارت سنانے اور آپ کو انکا نام ان کا مقصد تخلیق اور خاص طور پر اس کا موضوع خوش آئند خبر بشارت دینا ہے جو کچھ اس نے کہا اس کا اسے کریڈٹ مل جانا چاہیے۔ جبرائیل ان خدمت کرنے والی روحوں میں سے ایک تھے جو نجات کے وارث اور خدمت کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اس کے پیغامات رحمت، فضل اور محبت کے پیغامات تھے۔)

بائبل میں ان لوگوں کو جنت کا وعدہ دیا گیا ہے جو ایمان لانے والے اور صبر و برداشت کرتے ہیں ارشاد ہوتا ہے:

> "They yet be not slothful, but followers of them who through faith and patience inherit the promises."[3]

(تاکہ تمھارے اندر سستی نہ آئے اور تم بھی ان جیسے بن جاؤ جو اپنے ایمان اور برداشت کی وجہ سے اللہ کی نعمتوں اور اس کے وعدوں کے وارث ہوتے ہیں۔)

اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

> "In patience,because the things promised are future, suffering many evils from many, passing through fire and water,and staying God's leisure to obtain them, Those they were to imitate, were heirs of blessed promises."[4]

(وہ لوگ مبارک وعدوں کے وارث تھے۔ جنھوں نے صبر کیا کیونکہ یہی ان کا مستقبل ہے انھوں نے

1- Luke 1:19
2- John Gill's Exposition of the Bible,P:24, Luke 1:19
3- Hebrews 6:12
4- Matthew Pool,Matthew Pool's Commentary on the Holy Bible,(Hendrickson publishers Marketing.LLC,1990),P:508 Hebrews 6:12

برائیاں برداشت کی اور آگ اور پانی سے گزرے اور انہیں حاصل کرنے کے لیے خدا کی فرصت میں رہے)

پھر بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

"Saying, surely blessing I will bless thee, and multiplying I will multiply thee."[1]

(میں تجھے بہت زیادہ برکتیں دوں گا اور تیری اولاد کی کثرت کروں گا)

پھر ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ انھوں نے اپنے صبر کے باعث اچھا مقام حاصل کر لیا۔

"And so, after he had patiently endured, he obtained the promise."[2]

(اور انھوں نے صبر کر کے وہ چیز حاصل کر لی جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا)

یہاں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا جو ایمان لائے اور جنھوں نے ایمان کے باعث دنیا میں بہت سی مشکلات اور آزمائشیں دیکھی اور اس پر صبر کیا کیونکہ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ تحمل اور صبر کرنے والے بندوں کو بہترین بدلے سے نوازے گا۔ جیسے اس کی وضاحت کی گئی ہے:

"The promise of blessedness God has made to believers, it would be contrary to his nature as well as to his will. And as He cannot lie; the destruction of the unbeliever, and the salvation of the believer, are alike certain. Here observe, those to whom God has given full security of happiness, have a title to the promises by inheritance. The consolations of God are strong enough to support his people under their heaviest trials. Here is a refuge for all sinners who flee to the mercy of God-Let us therefore set our affections on things above, and wait patiently for his appearance, when we shall certainly appear with him in glory''.[3]

(خدا کی برکت کا وعدہ جو مومنوں سے کیا ہے، یہ اس کی فطرت کے ساتھ ساتھ اس کی مرضی کے بھی برعکس ہو گا۔ اور جیسا کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا۔ کافر کی ہلاکت اور مومن کی نجات ایک یقینی بات ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے خوشی کی مکمل حفاظت دیتا ہے انہیں وراثت میں وعدوں کا لقب ملتا ہے۔ خدا کی تسلی اتنی مضبوط ہے کہ وہ اپنے لوگوں کو ان کی سخت ترین آزمائشوں میں سہارا دے سکے۔ یہاں ان تمام گنہگاروں کے لیے پناہ گاہ ہے جو خدا کی رحمت کی طرف دوڑتے ہیں۔ ہمیں اپنی محبتیں اوپر کی چیزوں پر رکھنی چاہیے اور صبر کے ساتھ اُس کے ظاہر ہونے کا انتظار کرنا چاہیے جب ہم اُس کے ساتھ جلال کے ساتھ یقیناً ظاہر ہوں گے۔)

بائبل میں بعض مقامات پر اپنے آنے کا مقصد ہی غریبوں کو خوشخبری سنانا بتایا ہے کیونکہ دنیا میں غریبوں کا

1- Hebrews 6:14

2- Hebrews 6:15

3- Henry Matthew,Matthew Henry's Concise Commentary,(Grand Rapids Christian Classics Ethereal Library),P:1993 Hebrews 6:15

خیال رکھنے والے کی اللہ قیامت والے دن بخشش فرمائے گا جیسے زبور میں غریبوں کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ مجھ میں اللہ کی روح ہے اور مجھے غریبوں کو بشارتیں سنانے کے لئے بھیجا۔

"Blessed is he that considereth the poor: the Lord will deliver him in time of trouble." [1]

(جو غریب کا خیال رکھتا ہے وہ مبارک ہے۔ خدا مصیبت کے دن اسے چھڑائے گا۔)

جو لوگ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں ان کو توبہ کرکے اللہ کی رحمت میں آنے کی بشارت یوں دی گئی:

"Turn unto the Lord your God: for he is gracious and merciful, slow to anger, and of great kindness, and repenteth him of the evil. "[2]

(تم اپنے خداوند کی طرف پلٹ آؤ جو عظیم شان والا ہے اسے غصہ کم آتا ہے اور وہ جلدی معاف کر بھی دیتا ہے وہ رحم کرتا اور سزا بھی نہیں دیتا) یہاں رجوع الی اللہ کا حکم دیا جا رہا ہے جب انسان اپنے گناہوں سے نادم ہو کر اللہ سے معافی کی طلب کرتا ہے تو وہ ذات غفور الرحیم ہے وہ معاف کر دیتا ہے گویا یہاں یہ بشارت دی گئی ہے کہ گناہ سرزد ہونے کے بعد بھی اللہ اپنے بندوں کو معاف کر دیتا ہے۔

"For I the Lord love judgment To do that which is right and just himself, and to see it done by others, and therefore he will right the wrongs of his people. The Lord will look in mercy upon them, and will deliver and save them, and bestow favours plentifully on them, as in the preceding verse: or the Lord loves strict justice and real righteousness.*And I will make an everlasting covenant with them*; that is, renew the everlasting covenant of grace with them, make it manifest unto them; apply the grace and bestow the blessings of it to and on them."[3]

(کیونکہ میں خداوند انصاف کو پسند کرتا ہوں۔ وہ کام کرنا جو خود صحیح اور منصفانہ ہے اور اسے دوسروں کے لئے کرے تو وہ اپنے لوگوں کی غلطیاں درست کرے گا۔ خُدا اُن پر رحم فرمائے گا اور اُن کو نجات دے گا اور اُن پر بہت فضل کرے گا۔ خُدا عدل و انصاف اور حقیقی سچائی کو پسند کرتا ہے اور وہ فرماتا ہے کہ میں ان کے ساتھ ایک پکا عہد کروں گا کہ ان پر ابدی فضل کروں گا اسے ان پر ظاہر کروں گا۔)

بائبل میں راہ اللہ خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ اسی بنا پر وہ آسمانوں کے خزانے کا مالک بن سکتا ہے۔ انجیل متی میں دولت مند کے بارے میں یسوع مسیح کا پیغام جو انھوں نے اپنے شاگردوں کو دیا اس کا ذکر یوں کیا گیا ہے۔

1- Psalms 41:1
2- Joel 2:13
3- John , Exposition of the Bible,Isaiah 61:8

" Verily I say unto you,That a rich man shall hardly enter into the kingdom of heaven".[1]

دولت رکھنے والے شخص کے لئے بہت مشکل ہے کہ وہ آسمانی بادشاہت میں داخل ہو اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزر جانا آسان ہے اس بات سے کہ دولت مند آسمان کی بادشاہی میں داخل ہو۔ انجیل میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ اللہ کی راہ میں دولت خرچ کرنے سے ہی انسان آخرت میں بہترین بدلے کا مستحق ہو سکتا ہے۔

"Jesus said unto him,If thou will be perfect,go and sell that thou hast,and give to the poor,and thou shalt have treasure in heaven".[2]

(اگر تو کامل بننا چاہتا ہے تو اپنا سب کچھ غریبوں پر لٹا دے ۔ تو تجھے آسمان پر سے خزانہ ملے گا۔)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اگر انسان کے دل میں سب چیزوں سے بڑھ کر خدا کی محبت ہو گی تب ہی وہ خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرے گا اور پھر بدلے میں اسے جنت ملے گی۔ اسی بنا پر حضرت عیسیٰؑ نے ایک آدمی کو خرچ کرنے کی تلقین کی کہ اگر وہ آخرت کا خزانہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے دنیا کے خزانے کو غریبوں پر لٹانا ہو گا۔

"If thou wilt be perfect - The word "perfect" means complete in all its parts, finished, having no part wanting. Thus, Whoso keepeth his word, in him verily is the love of God perfected." That is, the keeping of the commandments of God is the proper expression, carrying out, or completion of the love of God. He should love the Lord his God supremely; that is, more than all other objects. If he had that true love to God and man - if he loved his Maker and fellow-creatures more than he did his property.''[3]

اگر آپ کامل بنیں گے ، کامل کا مطلب اس کے تمام حصوں میں مکمل، یعنی کسی بھی حصے کی کمی نہیں ہے۔ اس طرح جو اپنے کلام پر عمل کرتا ہے، اس میں خدا کی محبت کامل ہے۔ یعنی اللہ کے احکام کی پابندی کرنا ہی اس کی محبت کا صحیح اظہار، عمل یا تکمیل ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے خُداوند اپنے خُدا سے بے انتہا محبت کرے۔ یعنی دوسری تمام اشیاء سے بڑھ کر اور اگر اسے خدا اور انسان سے سچی محبت ہے ، اپنے خالق اور ساتھی مخلوق سے اپنی جائیداد سے زیادہ پیار کرتا ہے تو وہ خدا اور انسان کی خدمت کے لئے اپنی دولت دینے کو تیار ہو گا۔

اس طرح نیکیوں پر ثابت قدم رہنے والوں کو ہی نجات کی بشارت دی گئی۔ انجیل متی میں ہے:

"But he that endureth to the end shall be saved.''[4]

ثابت قدم رہنے والا ہی وہی نجات پائے گا۔

''Such persons are happy, who patiently endure the hatred of men, and all manner of persecution, for Christ's sake; who are not moved

---

1- Matthew 19:23-27

2- Ibid 19:21

3- Barnes,Albert, Barnes Notes on the Bible, (Baker,grand Rapids,Michign,1996) , P:317, Matthew,19:21

4- Matthew 10:22

by the afflictions they suffer, but stand fast in the faith, hold fast the profession of it, go on in their Christian course, and hold out to the end; for such shall be saved, not only with a temporal salvation, but with an eternal one."[1]

یہاں بتایا گیا کہ جو لوگ مردوں کی نفرت اور ہر طرح کے ظلم و ستم کو مسیح کے لئے صبر سے برداشت کرتے ہیں وہ خوش نصیب ہیں۔ جن پر مصیبتیں اثر انداز نہیں ہوتی ہیں، یہ ایمان پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں اس کے پیشے کو مضبوطی سے پکڑے رکھتے ہیں، مسیحی کے راستے پر چلتے ہیں، اور آخر دم تک ڈٹے رہتے ہیں ایسے ہی لوگوں کو نہ صرف وقتی بلکہ ایک مستقل نجات ملے گی۔

اسی طرح مصیبتوں کو برداشت کرنے والوں کو نہ صرف آخرت میں اچھے بدلے کی بشارت دی گئی بلکہ انھیں دنیاوی زندگی میں زمین کا وارث قرار دیا گیا۔ جو لوگ حلم و برداشت کا مادہ اپنے اندر پیدا کریں گے انھیں ہی دنیا کی سلطنت و اقدار کا وارث بنانے کی بشارت انجیل میں یوں دی گئی:

"Blessed are the meek: for they shall inherit the earth."[2]

(مبارک ہیں وہ جن کے دل میں حلیم اور برداشت کی صفت موجود ہو کیونکہ کیونکہ یہی زمین کے وارث ہوں گے۔)

"Persons of a mild, gentle, long-suffering, and forgiving disposition, who are slow to anger, and averse from wrath; not easily provoked, and if at any time at all provoked, soon pacified; who never resent an injury, nor return evil for evil; but make it their care to overcome evil with good; who by the sweetness, affability, courteousness, and kindness of their disposition, endeavour to reconcile such as may be offended, and to win them over to peace and love. For they shall inherit the earth- Whatever happiness can be enjoyed here below shall be their portion. They may not indeed be advanced to honour or affluence; nor can they expect to be without troubles in this fallen world, subjected as it is to vanity and misery for the sin of man; but the calamities of life, and the various afflictions and trials which they meet with, being received with a quiet spirit, a resigned, patient, and contented mind, are hardly felt, while the blessings of Providence, through the gratitude they feel for them, are tasted and enjoyed in all their sweetness and comfort."[3]

مبارک ہیں وہ لوگ جو حلیم، نرم مزاج، تحمل مزاج اور معاف کرنے والے ہیں، جو غصہ کرنے میں دھیمے ہیں اور اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ ان کو باآسانی اکسایا نہیں جا سکتا، اور اگر کسی بھی وقت اکسایا جائے تو جلد ہی

1- John, Exposition of the Entire Bible,P:287, Matthew 10:22
2- Matthew 5:5
3- Joseph Benson,Benson Commentary,last modified april,07,2023 ,10:00 http://www.bibliaplus.org,Matthew 5:5

پر سکون ہو جاتے ہیں۔ جو کبھی کسی چوٹ پر ناراض نہیں ہوتے اور نہ ہی برائی کا بدلہ دیتے ہیں۔ لیکن نیکی سے برائی پر قابو پا لیتے ہیں۔ جو اپنے مزاج کی مٹھاس، ملنساری، شائستگی اور مہربانی سے ناراض ہونے والوں کے ساتھ مصالحت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور انہیں امن اور محبت کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اسی بنا پر وہ زمین کے وارث ہوں گے اور ہر لطف دینے والی خوشی ان کا حصہ ہوگی۔ ان کا مقصد عزت یا دولت کی طرف نہیں بڑھنا نہیں ہوتا۔ اور اس زوال پذیر دنیا میں پریشانیوں کے بغیر رہنے کی توقع وہ نہیں کر سکتے ہیں جیسا کہ یہ انسان کے گناہ کے لیے باطل اور مصائب کے تابع ہے۔ لیکن زندگی کی آفتوں اور مختلف مصائب اور آزمائشوں پر جو ان کو ملتی ہیں ان پر سکون، صبر اور مطمئن ذہن کے ساتھ ان کی تمام مٹھاس چکھتے اور راحت میں لطف اندوز ہوتے ہیں۔

الہامی تعلیمات میں انذار کا پہلو

الہامی تعلیمات میں جہاں اچھائی پر بشارتیں دی گئی ہیں وہاں برائیوں اور رزائل اخلاق پر انذار بھی کیا گیا ہے جان بوجھ کر خدا کا انکار کرنے والے یعنی ایمان نہ لانے والے اور غفلت میں پڑے رہنے والوں کو خسارے میں کہا گیا۔ ان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

> "For the wrath of God is revealed from heaven against all ungodliness and unrighteousness of men, who hold the truth in unrighteousness."(1)

کیونکہ خدا کا غصہ ان آدمیوں کی تمام ناراستی اور بے دینی پر آسمان سے ظاہر ہوتا ہے جو حق کو ناراستی سے دبائے رکھتے ہیں

> "Because that, when they knew God, they glorified him not as God, neither were thankful; but became vain in their imaginations, and their foolish heart was darkened."(2)

اگرچہ انھوں نے خدا کو جان لینے کے بعد بھی اس کی بڑائی اور شکر گزاری نہ کی۔ بلکہ غلط خیالات میں پڑ گئے اور ان کے ناسمجھ دل پر اندھیرا چھا گیا۔ اسی طرح کا رویہ قرآن میں بھی بیان کیا گیا کہ:

﴿لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنتُمْ تَشْهَدُونَ- يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾(3)

(کیوں اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہو حالانکہ تم خود ان کا مشاہدہ کر رہے ہو۔ کیوں حق کو باطل کا رنگ چڑھا

1- Romans 1:18
2- Ibid 1:21

3- الانفال:۷۰-۷۱

کر مشتبہ بناتے ہو۔ کیوں جانتے بوجھتے حق کو چھپاتے ہو)

یوم القیامہ اور آخرت کے بارے میں الہامی کتب میں انذار کیا گیا ہے "متی انجیل" میں ارشاد ہوتا ہے۔ قیامت کے دن سے پہلے بہت سارے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں سے انذار کرتے ہوئے فرمایا۔

> "For false christs and false prophets will arise and perform signs and wonder, to lead astray, if possible, the elect."(1)

(جھوٹے مسیح اور نبی آئیں گے جو خدا کے چنے ہوئے لوگوں کو معجزے اور نشانیاں دکھا کر دھوکا دیں گے۔ اس (دن) کے پیش آنے سے پہلے میں تم کو خبردار کررہا ہوں۔)

زبور میں خدا کے عذاب کو جو اس نے فرشتوں کے ذریعے نافرمان لوگوں پر نازل کیا۔ اس سے انذار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> "He cast upon them the fierceness of his anger, wrath, and indignation, and trouble, by sending evil angels among them."(2)

(اس نے عذاب والے فرشتے بھیجے اور ان پر غیظ وغضب اور مشکلات کو نازل کیا۔)

کتاب یرمیاہ میں لوگوں کو ان کی بد اعمالی پر انذار کیا گیا ہے۔ کہ وہ برے کاموں سے باز رہیں تاکہ خدا کے عذاب سے محفوظ رہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

> "If so be they will hearken, and turn every man from his evil way. That I may repent me of the evil, which I purpose to do unto them because of the evil of their doings."(3)

(شاید وہ سنتے ہوں تاکہ ہر کوئی اپنی بدی سے باز آئے اور میں بھی انھیں اس عذاب سے محفوظ رکھوں جو ان کے برے کاموں پر انھیں ملنے والا تھا۔)

عبرانیوں انجیل میں خدا کے عذاب سے انذار کیا گیا ہے کہ اللہ کی نافرمانی سے بچنا چاہیے کیونکہ دنیا میں قومیں انبیاء کرام کا انکار کرنے پر عذاب کا شکار ہوگئی ہیں تو خدا تعالیٰ کا انکار کرکے کیسے عذاب سے بچ سکتی ہیں۔

> "See that you do not refuse him who is speaking. For if they did not escape when they refused him who warned them on earth, much less will we escape if we reject him who warn from heaven."(4)

(خبردار رہو اور اس بولنے والے کی بات سے منکر نہ ہونا اس لئے کہ جو لوگ زمین پر ان راہ راست پر لانے والوں کے منکر ہوکر بچ نہیں سکے تو ہم کیسے آسمان والے کا انکار کرکے کیسے بچ سکیں گے)

اسلام اور الہامی تعلیمات میں ریاکاری پر انذار کیا گیا ہے کیونکہ ریاکاری کی بنا پر کیے گے اچھے اعمال بھی

1- Mark 13:22
2- psalms78:49
3- Jeremiah26:3
4- Hebrews12:25

ضائع ہو جاتے ہیں۔ منافقین کے نماز سے متعلق رویے کے حوالے سے قرآن میں آتا ہے:

﴿ وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَاءُوْنَ النَّاسَ﴾[1]

(جب یہ نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں)

ایسے نمازیوں کے لئے سخت وعید ہے جو اپنی عبادات اور اعمال لوگوں کو دکھانے کے لئے کرتے ہیں۔ ریاکاری کرنے والوں کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((وَمَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللَّهُ بِهِ)) [2]

(جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے کوئی عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ریاءکاری کی سزا دے گا)

یہ مضمون انجیل میں یوں آتا ہے:

> “Which devour widows’ houses, and for a pretences make long prayer: these shall receive greater damnation.”[3]

(فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ اے ریاکارو جو بیواؤں کے گھروں کو نگلتے ہو اور دکھاوے کے لئے نماز کو طویل کر دیتے ہو تمھیں اس کی زیادہ سزا ملے گی۔)

> “Which devour widows' houses - Which devour the families of widows, or the means of supporting their families. This they did under pretence of counseling them in the knowledge of the law and in the management of their estates. They took advantage of their ignorance and their unprotected state, and either extorted large sums for their counsel, or perverted the property to their own use.No wonder that our Saviour denounced them! If there is any sin of special enormity, it is that of taking advantage of the circumstances of the poor, the needy, and the helpless, to wrong them out of the pittance on which they depend for the support of their families; and as God is the friend of the widow and the fatherless, it may be expected that such will be visited with heavy condemnation.”[4]

یہاں بتایا گیا ہے کہ جو بیواؤں کے گھر یعنی ان کے مال و اسباب کھا جاتے ہیں جو بیواؤں کے خاندانوں یا ان کی کفالت کے ذریعہ کو کھا جاتے ہیں یا انہوں نے قانون کے علم اور ان کی املاک کے انتظام میں مشورہ دینے کے بہانے کیے انہوں نے اپنی لاعلمی اور اپنی غیر محفوظ حالت کا فائدہ اٹھایا، یا تو ان کے مشورے کے لیے بڑی رقم لی یا جائیداد کو اپنے استعمال میں کر دیا۔ کوئی حیران کن بات نہیں کہ ہمارے نجات دہندہ نے ان کی سخت مذمت کی ہے

1- النساء:۱۴۲

2- البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعۃ، ح۶۴۹۹

3- Mark12:40

4- Barnes Notes on Bible,628, Mark12:40

اور اگر کوئی بڑا گناہ ہے تو وہ یہ ہے کہ غریبوں مسکینوں اور بے بسوں کے حالات سے فائدہ اٹھا کر ان پر ظلم کرنا جس پر وہ اپنے گھر والوں کی کفالت کے لیے انحصار کرتے ہیں۔ اور جیسا کہ خدا بیوہ اور یتیموں کا دوست ہے اس لیے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ایسے لوگوں کی سخت مذمت کی جائے گی

اسی طرح روزے یا Fasting میں بھی ریاکاری سے منع کیا گیا ہے:

"More over when ye fast, be not, as the hypocrites, of a sad countenance: for they disfigure their faces, that they may appear un to men to fast. Verily I say unto you, they have their reward."(1)

اور جب تم روزے رکھو تو ریاکاری کرنے والوں کی طرح منہ نہ بناؤ کیونکہ وہ اپنے منہ اداس کر لیتے ہیں تا کہ دوسرے انھیں روزہ دار جانیں۔ پس جو انھوں نے کیا اس کا اجر انھوں نے پالیا ہے۔

"Moreover when ye fast،be not as the hypocrites, the Scribes and Pharisees,of a sad countenance;who put on very mournful airs, and dismal looks; made wry faces, and distorted countenances; banished all pleasantry and cheerfulness from them, so that they looked quite like other men than they really were; for they disfigure their faces;that they might appear unto men to fast: so that either they did not really fast, when they pretended to it; only put on these outward appearances, that men might think they did; or, not content with real fasting, which they must be conscious of themselves, and God knew, they took such methods, that it might appear to men that they fasted, for their view in fasting was not to satisfy their own consciences, or please God, but that they might have glory of men. Hence, says Christ, *verily I say unto you, they have their reward;* they obtain what they seek for, honour from men, and that is all they will have".(2)

(مسیح اس بات سے منع کرتے ہیں کہ: منافقوں کی طرح نہ بنو فقیہ اور فریسی، جن کے اداس چہرے بہت سو گوار اور مایوس کن نظر آتے ہیں، مرے ہوئے مسخ شدہ چہرے، انھوں نے ہر طرح کی خوشنودی اور خوش مزاجی کو ختم کر دیا، تاکہ وہ بھی بالکل دوسرے مردوں کی طرح نظر آئیں جتنا وہ واقعی تھے۔ کیونکہ وہ اپنے چہرے بگاڑتے ہیں۔ اب یہ طریقہ اس لئے استعمال کرتے تھے تاکہ وہ دوسروں کو روزہ رکھتے دکھائی دیں۔ اگرچہ وہ روزے سے نہیں تھے یہ ظاہری شکلیں بنانے کا مقصد لوگوں کو دکھانا ہے کہ انہوں نے ایسا کیا ہے۔ روزہ بھی اس لئے کہ وہ مردوں کی شان حاصل کریں۔ خدا کو خوش کرنے کے لیے اور نہ ہی اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لئے رکھنے کے لیے، چنانچہ مسیح کا کہنا ہے کہ میں تم سے صحیح کہتا ہوں کہ ان کا اجر یہی ہے جو وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں یعنی مردوں سے عزت، اور بس اتنا ہی ان کے پاس ہو گا)

1- Matthew6:16

2- John Gill's Exposition of the Bible,P:161,Matthew6:16

زنا ہر دور میں اخلاقی ، مذہبی اور معاشرتی جرم رہا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فعل سے انسانی تمدن کی جڑ کٹ جاتی ہے۔اور معاشرے میں انتشار پھیلتا ہے۔زنا کے بارے قرآن مجید اورالہامی تعلیمات میں انذار کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ﴾[1]

(اور زنا کے قریب نہ جاؤ، وہ بہت برا فعل اور بڑا ہی برا راستہ ہے)

اسی طرح بائیبل میں جناب مسیح نے فرمایا:

"Neither shalt thou commit adultery."[2]

(زنامت کرو)

"Neither shalt thou commit adultery- If thou hast not been guilty of any act of uncleanness, Hast thou not betrayed thy own soul to temptation, by eating and drinking to the full, by needless familiarities, by foolish talking, by levity of dress or behaviour?"[3]

(زنانہ کرنا یہاں تک کہ اگر آپ کسی ناپاک کام کے قصوروار نہیں ہیں تو بھی کیا آپ نے کبھی برا خیال نہیں سوچا ؟کیا آپ نے اپنی جان کو فتنہ و فساد میں ڈال کر جی بھر کر کھانے پینے سے بلا ضرورت جان پہچان کے ذریعے احمقانہ باتوں سے لباس یابرتاؤ کی بے حیائی سے اپنی جان کو دھوکہ نہیں دیا؟)

زنا کے ساتھ ساتھ دوسری معاشرتی برائیوں کی بھی ممانعت کی گئی کیونکہ قتل و غارت ،چوری،دھوکہ دہی،اور جھوٹی گواہیوں پر انذار کیا گیا ہے کیونکہ ان برائیوں کا ارتکاب کرنے والوں کو اللہ کی رحمت اور بادشاہی سے محروم کر دیا گیا ہے بائبل میں بیان کیا گیا ہے:

"Thou knowest the commandments, Do not commit adultery, Do not kill,Do not steal, Do not bear false witness, Defraud not,Honour thy father and mother-"[4]

بائبل میں زنا کرنے، قتل وخون کرنے، چوری، جھوٹی گواہی، دھوکا سے منع کیا گیا ہے اوراپنے ماں باپ کی عزت کرنے کا حکم دیا گیا ہے:۔

"Defraud not - Do not take away your neighbor's property by fraud or dishonesty. To "cheat" or "defraud," supposes a covetous desire of a neighbor's property, and is usually attended with "falsehood" or "false witness" against a neighbor in obtaining it. not to defraud.

1- الاسراء:۳۲

2- Deuteronomy 5:18

3- Benson Commentary, Deuteronomy 5:18

4- Mark 10:19

It is, besides, expressly forbidden in Thou shalt not defraud thy neighbor.” ([1])

دھوکا کرنے دھوکہ دہی یا بے ایمانی سے اپنے پڑوسی کی جائیداد چھیننیں سے منع کیا گیا ہے۔ دھوکہ دہی کرنا، پڑوسی کی جائیداد کی لالچ کی خواہش ہے، اور عموماً اسے حاصل کرنے میں پڑوسی کے خلاف سچی جھوٹی گواہی کے ساتھ شرکت کی جاتی ہے اس کی ممانعت علاوہ واضح طور پر منع کیا گیا ہے کہ تم اپنے پڑوسی کو دھوکہ نہ دینا۔

“Know ye not that the unrighteous shall not inherit the kingdom of God? Be not deceived: neither fornicators, nor idolaters, nor adulterers, nor effeminate, nor abusers of themselves with mankind.”(2)

(کیا تم جانتے نہیں ہو کہ بدکاری کرنے والے لوگ خدا کی باشاہت کے وارث نہیں ہونگے ؟فریب نہ کھاؤ اور نہ ہی حرام کھانے والے خدا کی بادشاہی کے وارث ہوں گے نہ بت پرست، نہ زناکار، نہ عیاش، نہ لونڈے باز۔)

“Know ye not that the unrighteous shall not inherit the kingdom of God?"know thou, Without a righteousness there will be no entrance into the world of bliss and happiness hereafter to admit any into heaven without a righteousness: hence a judgment seat is erected, before which all must stand; and those that will be found without a righteousness, will be for ever excluded the kingdom of heaven.”(3)

(تمھیں معلوم نہیں ہے کہ بدکار خدا کے وارث نہیں ہوں گے۔ بغیر راستبازی کے آخرت کی سعادت اور خوشی کی دنیا میں کوئی داخل نہیں ہو گا۔ کسی کو بغیر راستبازی کے جنت میں داخل کیا جائے اِس کے لیے ایک عدالتی نشست کھڑی کی گئی ہے، جس کے سامنے سب کو ہی کھڑا ہونا ہے۔ اور جو بغیر راستبازی کے پائے جائیں گے وہ ہمیشہ کے لیے آسمان کی بادشاہی جنت سے خارج ہو جائیں گے۔ ایک دوسرے کو دھوکہ دینے، دوسرے گناہوں کے ساتھ جن کے وہ مجرم تھے خدا کے فضل سے محروم تھے خدا کی بادشاہی میں رہنے کے لائق نہیں تھے وہ بادشاہی سے باہر یعنی آخرت میں جنت سے محروم رہیں گے۔)

عیب لگانے کی اسلام میں ممانعت بھی کی گئی ہے اس سے معاشرے میں فساد برپا ہوتا ہے۔ کیونکہ دوسروں کی غیبت کرنا منافق کا طریقہ ہے اور عیب تلاش کرنے والے کا انجام بہت برا ہوتا ہے اسے ذلیل و خوار ہونا پڑتا ہے۔ کیونکہ جب وہ دوسروں کے عیب تلاش کر کے انھیں معاشرے میں پھیلاتا ہے تو یہ ممکن ہے کہ دوسرے بھی اس کے عیبوں کو اسی طرح پھیلائیں۔ اسلام نے دوسروں کے عیبوں کی تلاش میں رہنے اور اور انھیں دوسروں کے سامنے منتشر کرنے سے منع کیا اور ایسا کرنے والوں کو سخت وعیدیں سنائی ہیں تاکہ لوگ ان سے باز رہیں۔ عیب جوئی

---

[1]- Barnes' Notes on the Bible,P:608, Mark 10:19
[2]- Corinthians 6:9
[3]- John, Exposition of the Bible,P:115,Corinthians 6:9

کو ہلاکت اور خرابی بتلاتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ﴾[1]

(ہر اس شخص کے لئے بربادی ہے جو عیب نکالنے اور طعنے دینے والا ہے)اسی طرح حدیث مبارکہ ہے

((فَإِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ تَتَبَّعَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ تَتَبَّعَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ))[2]

(جو شخص اپنے مسلمان بھائی کا پردہ فاش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا پردہ فاش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب پردہ فاش کرتے ہیں تو وہ شخص ذلیل ہوجائے گا)اسی طرح الہامی تعلیمات میں بھی عیب جوئی کی ممانعت کی گئی ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

"For with what judgment ye judge, ye shall be judge: and with what measure ye mete, it shall be measured to you again."[3]

(دوسروں کی عیب جوئی نہ کروتا کہ تم پر بھی عیب نہ لگے کیونکہ جب تم عیب لگاؤ گے تو تم پر بھی عیب لگایا جائے گا اور جس پیمانے سے تم ناپتے ہو اسی سے تمھارے لئے بھی ناپا جائے گا)

غیبت پر سختی سے انذار کیا گیا ہے اسلام اور الہامی تعلیمات میں اس کی قباحتیں بیان کی گئی ہیں اور بتایا گیا کہ جو غیبت کرتا ہے تو گویا اس نے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھایا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا﴾[4]

غیبت کرنے پر زبور میں اس طرح انذار فرمایا گیا ہے:

"Whose privily slandereth his neighbour, him will I cut off him."[5]

(جو چھپ کر اپنے پڑوسی کی غیبت کرے گا میں اس کو ہلاک کردوں گا۔)

غیبت کی بنا پر تین قسم کے افراد متاثر ہوتے ہیں۔ایک غیبت کرنے والا اور دوسرا جس کے سامنے غیبت کی جائے اور وہ اس کو سچ مان لے اور اسی طرح جس کے خلاف غیبت کی جائے وہ بھی نقصان اٹھاتا ہے۔چونکہ اس سے معاشرے میں بدامنی کی فضا پیدا ہوتی ہے اس لئے اس پر انذار کیا گیا ہے۔

" Whoso privily slandereth his neighbour, him will I cut off That raises and spreads a false report of him, that insinuates evil things of him, that brings false charges and accusations against him, in a private manner, when he has no opportunity to defend himself.He

---

1- الھمزہ:۱

2- الترمذی، الجامع الکبیر، کتاب البر والصلہ، باب فی تعظیم المومن، ح ۲۰۳۲

3- Matthew 7:2

4- الحجرات:۱۲

5- Psalms 101:5

that speaketh with a triple tongue against his neighbour, him will I destroy, and he shall be smitten with the leprosy. A slandering tongue is called a triple tongue with the Jews , because as they say, it kills three persons; him that carries the slander, him that receives it, and him of whom it is related.Whoso hearkeneth unto it shall never find rest, and never dwell quietly.'' [1]

(جو اپنے پڑوسی کی غیبت کرے میں اسے ہلاک کر دوں گا جو اس کے بارے میں جھوٹی رپورٹ بناتا اور پھیلاتا ہے جو اُس کی بُری باتوں کو اَکساتی ہے جو اس کے خلاف ذاتی طور پر جھوٹے الزامات اور الزامات لاتا ہے، جب اس کے پاس اپنے دفاع کا کوئی موقع نہیں ہوتا۔ جو اپنے پڑوسی کے بارے میں تین زبانوں سے بات کرے گا، میں اسے ہلاک کر دوں گا، اور وہ کوڑھ سے مارا جائے گا۔ غیبت کرنے والی زبان کو یہودی ٹرپل زبان کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ تین افراد کو ہلاک کرتی ہے۔ وہ جو بہتان تراشتا ہے، وہ جو اسے سن کر قبول کرتا ہے، اور وہ جس سے اس کا تعلق ہے۔ جو اس کی بات سن کر مانتا ہے وہ کبھی آرام نہیں پائے گا اور نہ ہی سکون سے رہے گا۔)

غصہ اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح بائبل میں بھی اس پر انذار کیا گیا ہے۔ غیظ وغضب کی حالت میں انسان ایسے ظالمانہ کام کر جاتا ہے۔ کہ ساری عمر پچھتاتا رہتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"But I say un to you, that whosoever is angry with his brother without a cause shall be in danger of judgment."[2]

میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصے ہو عدالت میں سزا کے لائق ہو گا۔ اسی طرح قتل اور خون خرابے پر بھی انذار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا بعَظِيمًا﴾[3]

(رہا وہ شخص جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے)

بائیبل میں قتل پر یوں انذار کیا گیا ہے:

"Ye have heard that it was said by them of old time, thou shalt not kill; and whosoever shall kill shall be in danger of the judgment."[4]

(تم سن لیا ہے کہ تم سے پہلے لوگوں کو کہہ دیا گیا تھا کہ قتل وخون نہ کرنا اور جو ایسا کرے گا اسے اللہ کی عدالت سے سزا ملے گی۔)

1- John, Exposition of the bible, Psalms 101:5

2- Hebrews 12:25

3- النساء:۹۳

4- Mattew5:22

"Then whosoever heareth the sound of the trumpet, and taken not warning; if the sword come, and take him away, his blood shall be upon his own head."(1)

اور جو کوئی نرسنگے کی آواز سن لے اور ہوشیار نہ ہو اور تلوار آئے اور قتل کرے تو اس کا خون اسی کی گردن پر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو توبہ کرنے اور بتوں سے باز رکھنے کا حکم دیا۔

"Therefore say unto the house of Israel, Thus saith the Lord God; repent, and turn yourselves from your idols; and turn away your faces from all your abominations."(2)

(اس لئے تو بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ خداوندیوں بیان فرماتا ہے کہ توبہ کرو اور اپنے بنائے ہوئے بتوں سے باز آجاؤ اور اپنی تمام مکروہات سے منہ موڑلو)

الہامی تعلیمات میں اس بات پر انذار کیا گیا ہے کہ انسان جیسا عمل کرے گا ویسے ہی انجام سے دوچار ہو گا۔ لہٰذا گناہ گار لوگوں کو گناہ سے باز رہنے اور سابقہ کیے گئے گناہوں پر اللہ سے استغفار کر لینی چاہیے۔ تاکہ وہ ہلاکت سے محفوظ رہ سکیں۔)

"Therefore I will judge you, O house of Israel, every one according to his ways, saith the lord God. Repent, and turn yourselves from all your transgressions; so iniquity shall not be your ruin."(3)

پس اللہ کا فرمان ہے کہ جو جیسا عمل کرے گا اس سے ویسی ہی باز پرس بھی ہو گی توبہ کرو اور اپنے تمام گناہوں سے رک جاؤ تاکہ بدکرداری کی وجہ سے تمہاری ہلاکت نہ ہو۔

"And saying, Repent ye: for the kingdom of heaven is at hand. "(4)

اور توبہ کرلو کیونکہ اب آسمان کی بادشاہت قریب ہی ہے پھر ان کو خبردار کیا گیا کہ جزا کے روز کسی قسم کی رشوت اور سفارش قابل قبول نہ ہو گی۔

"Wherefore now let the Lord be upon you; take heed and do it: for there is no iniquity with the Lord our God, nor respect of persons, nor taking of gifts."(5)

پس تم خدا سے ڈرو اور اس سے ڈرتے ہوئے کام کرو کیونکہ خدا کسی سے ناانصافی نہیں کرتا نہ وہ رشوت لیتا ہے اور نہ ہی کسی کی رواداری کرتا ہے۔

"And act as having that before your eyes, and on your hearts,do the commands enjoined them by him, and do judgment according to the law of God,none in his nature, nor in his law; none commanded nor approved of by him, and therefore none should be done by his

---

1- Ezekiel33:4
2- Ibid 14:6
3- Ezekiel 18:30
4- Matthew 3:2
5- Chronicles 19:7

representatives in judgment,whether high or low, rich or poor,he accepts not the faces of men, nor receives bribes, nor should his judges, this is forbidden by him."[(1)]

(آپ خداوند کا خوف دل میں رکھیں عمل کریں توجہ کرو اور اُس کے حکم پر عمل کرو اور خدا کے قانون کے مطابق فیصلہ کرو۔ ہمارے خدا میں کوئی گناہ نہیں ہے۔نہ اس کی فطرت میں نہ ہی اس کے قانون میں اس کے ذریعہ کسی کو حکم نہیں دیا گیا اور نہ ہی اس کی منظوری دی گئی ہے اور اس وجہ سے اس کے نمائندوں کو فیصلے میں کوئی بھی کام نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی لوگوں کا احترام چاہے اعلیٰ ہو یا ادنی امیر ہو یا غریب اور نہ ہی تحائف لینا۔وہ آدمیوں کے چہرے کو نہیں دیکھتا اور نہ ہی رشوت لیتا ہے نہ ہی اس کے ججوں کو، یہ اس کی طرف سے حرام ہے.)

"But thou O man of God, flee these things; and follow after righteousness, godliness, faith, love, patience, meekness."[(2)]

(لیکن اے مرد خدا تم ان باتوں سے دور رہو اور سچائی دین داری برداشت محبت اور صبر و ایمان کا طلب گار بن۔)

بائبل میں ہر اس چیز سے دور رہنے سے خبردار کیا گیا ہے۔جہاں سے کسی بھی قسم کی برائی میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو، بلکہ اس کے برعکس سچائی، ایمان ہر ایک سے اچھا سلوک کرنے اور صبر اور برداشت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کن کن برائیوں سے بچنا چاہیے۔

"Flee these things from whence so many evils follow, and all worldly gain, selfish interest, and mercenary views in religion; a wicked resolution to be rich, at any rate, and an immoderate love of the things of the world, and an eager pursuit after them, which expose to great danger, and even utter ruin."[(3)]

(ان چیزوں سے بچو جہاں سے بہت سی برائیاں جنم لیتی ہیں، اور تمام دنیاوی فوائد، خود غرضی، اور مذہب میں کرائے کے نظریات، ہر قیمت پر امیر ہونے کا ایک پکا عزم، اور دنیاوی چیزوں پر غیر معمولی محبت کا اظہار، اور اسکے پیچھے ایک بے چین جستجو، جو بڑے خطرے اور یہاں تک کہ یہ سب مکمل تباہی کا باعث بنتی ہے۔)

الغرض الہامی تعلیمات کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ اس میں بھی تبلیغ کے دوسرے اسالیب کی طرح تبشیر و انذار کے پہلو کو بطور خاص مد نظر رکھا گیا ہے۔ بائبل کی رو سے انبیاء کی بعثت کا مقصد لوگوں کو بشارتیں سنانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کے حواری شہر شہر اور گاؤں گاؤں ہر جگہ اللہ کے پیغام اور اسکی بشارتوں سے لوگوں کو آگاہ کرتے۔اور ان بشارتوں کا مقصد ان کی حوصلہ افزائی اور انکے ایمان کو اور بڑھانا تھا۔ تاکہ وہ اللہ پر

1- John,Exposition of the Bible,Chronicles 19:7

2- Timothy 6:11

3- John, Expositon of the Bible,P:111,Timothy 6:11

ایمان لا کر اور اچھے اعمال کے باعث اللہ نے جو ان سے وعدے کیے ہیں ان کے وارث بن سکیں۔ اور ان کو اللہ کی گرفت اور اس کے حساب سے ڈرایا گیا۔ جو انصاف کو پسند فرماتا ہے۔ اور اعمال کا پورا پورا بدلہ دیتا ہے۔ جس کے ہاں سفارش نہیں چلتی۔ غرض الہامی تعلیمات میں ایمان لانے، راست بازی، صبر، وعدوں کی پاسداری، اور اچھے اعمال پر خوش خبریاں سنائی گئی۔ اور کفر، شرک، ظلم و ناانصافی، ناحق قتل، عبادات میں ریاکاری، معاشرتی برائیوں جن سے معاشرہ میں فساد کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ ان تمام اعمال بد پر انذار فرمایا گیا ہے۔

فصل سوم:

تبشیر وانذار بطور اسلوب دعوت

دعوت کا مادہ "دع و" ہے۔اس کے لغوی معنی پکار اور بلانا ہے۔ قرآن مجید میں دعوت کے معنی پکار کے بیان ہوئے ہیں۔ سورہ روم میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ﴾ [1]

(پھر جوں ہی کہ اس نے تمہیں زمین سے پکارا بس ایک ہی پکار میں اچانک تم نکل آؤ گے۔)

اسی طرح حدیث نبوی ﷺ میں بھی دعوت کا لفظ پکار کے معنوں میں آیا ہے:

((دَعْوَةَ المَظْلُومِ))(مظلوم کی پکار)[2]

دعوت کی معنی اللہ تعالیٰ سے درخواست کے بھی ہیں۔ جیسے سورۃ البقرہ میں ہے:

﴿أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ [3]

(پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اس کی پکار کو سنتا اور جواب دیتا ہوں)

دعوت کا اصطلاحی معنی دین اسلام کی طرف، انسانوں کو بلانا کے ہیں۔ سورہ نحل میں دعوت کا لفظ انھی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ [4]

(اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت و حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو)

اس آیت کریمہ میں دعوت دین کو احسن اور عمدہ طریقے سے پیش کرنے کا ذکر ہے۔ اس مقدس فریضے کی تین کڑیاں یا تین اہم پہلو ہیں۔ پہلی کڑی بالحکمۃ ہے حکمت سے مراد مناسب وقت اور موقع تلاش کر کے بات کرے کہ مخاطب پر بار نہ ہو اور مخاطب کے احوال کا ہر حال میں خیال رکھتے ہوئے جہاں نرمی کی ضرورت ہو وہاں

---

1 الروم:۲۵

2 البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المظالم والغصب، باب الاتقاء والحذر من دعوۃ المظلوم، ح۲۴۴۸

3 البقرہ:۱۸۶

4 النحل:۱۲۵

نرمی اختیار کرے اور جس جگہ سختی کرنی پڑے وہاں سخت رویہ رکھے۔امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں کہ

> "حکمت سے مراد یہاں دلائل وبراہین ہیں اور موعظت حسنہ سے مشفقانہ انداز میں تذکیر و تنبیہ۔دعوتِ دین میں یہی دو چیزیں اصول کار کی حیثیت رکھتی ہیں۔"[1]

حکمت ان پختہ دلائل کو کہتے ہیں جن میں حق بالکل واضح ہونا چاہیے اور اس میں کسی طرح کا شائبہ نہ ہو ۔اس طرح حکمت کا مطلب یہ ہوا کہ ناسمجھ اور بیوقوف لوگوں کو صرف تبلیغ پر ہی زور نہ دیا جائے بلکہ حکمت سے اور مخاطب کے حالات اور اس کی ذہنی استعداد کو سمجھ کر نیز موقع و محل کو مد نظر رکھ کر اس کو تبلیغ کی جائے اور ہر طرح کے لوگوں کے لئے ایک ہی طریقہ استعمال نہ کیا جائے بلکہ جن لوگوں سے واسطہ پڑے پہلے اس کی ذہنی استعداد کو دیکھا جائے پھر ایسے دلائل سامنے لائے جائیں جو اس کا دل و دماغ قبول کر سکے۔

دوسری کڑی والموعظۃ الحسنۃ ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسے نرم انداز سے کلام کرے کہ جس میں درشتی اور چڑ چڑا پن نہ ہو بلکہ اس میں ترہیب یعنی انذار اور ترغیب یعنی خوشخبری کہ ماننے والے کیلئے بشارت اور نہ ماننے والے کیلئے سخت عذاب کی اطلاع ہو۔جیسے مولانا مودودی رقمطراز ہیں کہ:

> "عمدہ نصیحت کے دو مطلب ہیں۔ایک یہ کہ مخاطب کو صرف دلائل ہی سے مطمئن کرنے پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ اس کے جذبات کو بھی اپیل کیا جائے۔برائیوں اور گمراہیوں کا محض عقلی حیثیت ہی سے ابطال نہ کیا جائے بلکہ انسان کی فطرت میں ان کے لیے جو پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے اسے بھی ابھارا جائے اور انھیں (انذار)یعنی برے نتائج کا خوف دلایا جائے۔ہدایت اور عمل صالح کی محض صحت اور خوبی ہی عقلا ثابت نہ کی جائے بلکہ (تبشیر)یعنی ان کی طرف رغبت اور شوق بھی پیدا کیا جائے۔دوسرا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ایسے طریقہ سے کی جائے جس سے دل سوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو۔"[2]

نصیحت رغبت دلانے اور گزری ہوئی اقوام کے حالات و واقعات سے اگاہی کو کہتے ہیں اور اس پند و نصیحت کو جو اس طریقے سے خیر و بھلائی کی طرف مائل کرے کہ مخاطب کا دل موم ہو جائے اور انداز خطاب ایسا ہو کہ ہر لفظ سے ہمدردی اور اخلاص و محبت ظاہر ہو اور فلسفیوں کی طرح خشک دلائل نہ ہوں جو اثر انداز ہی نہ ہوں۔ابن جریر طبری موعظہ حسنہ سے مراد انذار لیتے ہیں کہ:

> ''وبالعبر الجميلة التي جعلها الله حجة عليهم في كتابه، وذكّرهم بها في تنزيله''[3]

اور اچھے وعظ سے مراد جس میں ڈر اور دھمکی بھی ہو کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔اور اللہ کے

---

1 اصلاحی،امین احسن، تدبر القران،۴(لاہور:مکتبہ جدید پریس لاہور،۲۰۰۰ء)، /۴۶۳

2 مودودی، تفہیم القرآن،۲/ ۵۸۲

3 طبری، محمد بن جریر، جامع البیان،۱(موسسۃ الرسالۃ،۲۰۰۰)۷/۳۲۱

عذابوں سے بچاؤ طلب کریں۔

تیسری کڑی:۔ "وجادلھم بالتی ھی احسن" سے مراد جب دعوت و تبلیغ کرنے والا یہ محسوس کرے کہ یہ پہلی دونوں کڑیاں یا صورتیں اس سرکش کو فائدہ نہیں دے رہی ہیں، اور وہ اپنی سوء استعداد کی وجہ سے مجادلہ کیلئے آمادہ ہے، تو پھر اس تیسری کڑی کو اختیار کیا جائے اور بجائے غیض و غضب کے بلند حوصلے اور وسعت ظرفی کے ساتھ ایک مہربان مبلغ بن کر معقول طریقہ پر اس سے تبادلہ وخیالات کرے، اور نہایت خوش خلقی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس سے بحث و مباحثہ کرے، اور اس کے دلائل فاسدہ کا رد کرتے ہوئے ایسے دلائل حق دے کہ وہ حیران ہو کر لاجواب ہو جائے جیسے حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کا آپس میں مجادلہ ہوا اور نمرود کے پاس حضرت ابراہیمؑ کے سوال کا کوئی جواب نہ رہا۔ پیر کرم شاہ فرماتے ہیں کہ:

> "بحث و مناظرہ تک نوبت جا پہنچے تو تم احسن اور عمدہ طریقہ سے مناظرہ کرو۔ اپنی علمی برتری کے گھمنڈ میں تہذیب اور شائستگی کا دامن مت چھوڑو۔ فریق مخالف کو ہر قیمت پر نیچا دکھانے کی کوشش نہ کرو۔ تمہارے پیش نظر فقط حق کی سربلندی ہو۔ جب تک کوئی مبلغ ان خوبیوں سے متصف نہ ہو اسے اس میدان میں قدم نہ رکھنا چاہیے۔"([1])

گویا کہ حکمت، اچھی نصیحت اور بہترین انداز سے کیا گیا مجادلہ ان تین چیزوں کے لازم کرنے کا حکم فرمایا گیا۔ قاری محمد طیب رقم طراز ہیں کہ دعوت الی اللہ اصولاً صرف تین طریقوں پر منحصر ہے حکمت، موعظت، مجادلت اور پھر ان کی نوعیت یوں بیان کرتے ہیں کہ:

> "حکمت چونکہ سرتاپا خوبی تھی اسے صفات کے ذریعے اچھا بنانے کی ضرورت ہی نہ تھی اس لئے یہاں حکمت کے ساتھ کسی صفت کو لانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، موعظت کبھی اچھے ڈھنگ پر ہوتی ہے اور کبھی برے رنگ پر اس لئے اس کی مطلق برائی رفع کرنے اور اسی درجہ کی خوبی پیدا کرنے کے لئے اس کی صرف ایک خوبی حسنہ پر قناعت کی گئی۔ جبکہ مناظرہ کبھی اچھا بھی ہو سکتا ہے اگر ڈھنگ سے ہو تو، اور بہت برا بھی ہو سکتا ہے اگر جذبات درمیان میں آجائیں اس لئے اس کی بہت برائی کو دور کرنے کے لئے اور بہت خوبی کی تحصیل کے لیے تین تاکیدی کلمات بالتی، ھی، احسن آئے۔"[(2)]

گویا اس آیت میں دین کی تبلیغ کے بارے میں تین طرح کی ہدایات بتائی گئی ہیں سب سے پہلے حکمت یعنی دعوت اس طریقے سے دی جائے کہ سامع اس کو سننے کی خواہش بھی رکھتا ہو اور اس کو سننے پر آمادہ بھی ہو عمدہ نصیحت

---

[1] الازھری، پیر کرم شاہ، ضیاء القرآن (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور، ۱۳۹۹ھ)، ۶۱۸/۲

[2] طیب، محمد، اسلام میں دعوت و تبلیغ کے اصول، (اسلام آباد: دعوۃ اکیمی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد)، ۳۳

سے مراد بات کو میٹھے اور دل نشین انداز میں کہیں تا کہ مخاطب اس میں اپنی ہمدردی سمجھے اور اگر دلائل کی ضرورت پڑے تو دلیل دے کر بات کرے اور اس کی بات بھی غور سے سننی چاہیے اس کا مقصد ایک دوسرے کی بات کو سمجھنا ہو ایک دوسرے کو شکست دینا مقصد نہ ہو۔ جن کو تبلیغ کی جاتی ہے ان میں تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو معقول دلائل سے ہی قائل ہو جاتے ہیں دوسرے وہ جو عقل رکھتے ہیں اور ان کے اندر ہٹ دھرمی نہیں ہوتی ان کے لئے پند و نصیحت کا انداز زیادہ موئژ ہے۔ اور تیسری قسم ان لوگوں کی ہوتی ہے جو بہت ضدی اور ہٹ دھرم ہونے کے ساتھ ساتھ کج بحث بھی ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ دلیل سے بات کرنا انہیں صرف حقائق سے آگاہ کرنا مقصد ہے لیکن اگر وہ کج بحثی پر اتر آیا ہے تو پھر اس سے اعراض کرنا چاہیے اور ایسے لوگوں پر توجہ، اپنا وقت اور محنت صرف کرنا چاہئے جو حق کے متلاشی ہوں۔

قرآن مجید میں دین کی طرف بلانے کو سب سے بہترین بات قرار دیا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴾ (1)

(اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہو گی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔)

انسان کے بات کرنے میں سب سے بہتر اور احسن بات یہ ہے کہ جس میں دوسروں کو حق کی دعوت اور تبلیغ کی گئی ہو۔ اس میں اللہ کی طرف دعوت دینے کی سب صورتیں شامل ہیں۔ کوئی تحریر کے ذریعے یا زبان سے اللہ کے دین کی طرف بلائے، کسی اور عنوان سے یا اذان دے کر کیونکہ وہ دوسروں کو نماز کی طرف بلانے کے لیے اذان دیتا ہے۔

لہٰذا، دعوت دین سے مراد علماء کرام اور دینی رہنماؤں کی طرف سے عام لوگوں کی تعلیم و تربیت اس طرح سرانجام دینا ہے کہ وہ پوری طرح سے دنیا اور دین کے معاملات کو سمجھنے والے اور اس میں بصیرت رکھتے ہوں۔

علامہ ابن تیمیہ نے دعوت دین کی تشریح یوں کی ہے:

"الدَّعْوَةُ إِلَى اللَّهِ هِيَ الدَّعْوَةُ إِلَى الْإِيمَانِ بِهِ وَبِمَا جَاءَتْ بِهِ رُسُلُهُ بِتَصْدِيقِهِمْ فِيمَا أَخْبَرُوا بِهِ وَطَاعَتِهِمْ فِيمَا أَمَرُوا"(2)

(دعوت اسلامی سے مراد اللہ کی طرف دعوت دینا، یعنی اس پر ایمان لانے اس کے رسولوں کی تصدیق کرنے اور ان کے احکام کی اطاعت کی جانب دعوت دینا ہے۔)

---

1 حمٓ السجدہ: ۳۳

2 ابن تیمیہ، تقی الدین، مجموع الفتاوی (المدینۃ النبویۃ: مجمع الملک فهد لطباعۃ المصحف الشریف، ۱۴۱۶ھ) ۱۵/ ۱۵۷

قرآن مجید میں دعوت دین کے عمل کو سب سے احسن عمل فرمایا ہے اور اس عمل کے آداب میں بشارت دینے اور تنبیہ کرنے کا اسلوب اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ دعوت کے متبادل اور بھی الفاظ و اصطلاحات، قرآن مجید کے متن کا حصہ ہیں جن کے لغوی معنی مختلف ہونے کے باوجود مفہوم ایک ہے، ایسے الفاظ کے مفاہیم کا جائزہ مفید ہے۔

1۔ **تبلیغ:** قرآن میں دعوت کے ابلاغ کی بہت تاکید کی گئی ہے اور اس کے لئے عمل تبلیغ اختیار کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد کسی بات کو دوسرے تک پہنچا دینا، یعنی اللہ تعالی کا پیغام انسانیت تک پہنچا دینا۔ سورۃ المائدہ میں، رسول خدا کو ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ [1]

(اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو)

اسلام نے تبلیغ میں ایک خاص ترتیب قائم فرمائی کہ نبی پاک ﷺ کو سب سے پہلے اپنے اہل خانہ کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا کہ اپنے گھر والوں کو آگ کے عذاب سے بچاؤ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾[2]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے)

آپ ﷺ نے دعوت کا آغاز سب سے پہلے اپنے گھر سے کیا پھر اس کے بعد آپ ﷺ کو رشتہ داروں کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا ارشاد فرمایا:

﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾[3]

(اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ)

اس کے لئے آپ ﷺ نے بنو ہاشم کو کھانے پر مدعو کیا اور انھیں اسلام کی دعوت دی پھر اپنے شہر اور ارد گرد مضافات میں تبلیغ کرنے کا حکم دیا:

﴿وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾[4]

---

1 المائدہ:۶۷

2 التحریم:۶

3 الشعراء:۲۱۴

4 الانعام:۹۲

(تاکہ آپ اہل مکہ اور اس کے مضافات والوں کو تبلیغ کریں)

اس حکم کے ملتے ہی آپ ﷺ نے اہل مکہ کو اور اس سے ملحق علاقوں اور مختلف قبائل میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا۔ چونکہ اسلام ایک عالم گیر دین ہے اس لئے سارے عالم میں تبلیغ کا حکم صادر ہوا:

﴿لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾(1)

(تاکہ تمام جہان والوں کو خبر دار کرے۔)

گویا قرآن مجید میں تبلیغ کا لفظ پکارنے اور اسلام کی دعوت دینے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

2۔ حجت: ایک لفظ حجت کا ہے جس سے مراد دلائل مکمل کر دینا اور اس طریق سے دعوت دینا کہ وہ مکمل شکل میں دوسروں تک پہنچ جائے۔ دعوت دینے والے کے لئے حجت تمام ہو جائے۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (2)

(یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تا کہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے)

اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت تمام کرنا ہے۔ کہ کوئی شخص روز قیامت یہ نہ کہہ سکے کہ اس کے پاس پیغام پہنچانے والا نہیں آیا تھا اور وہ کس طرح تیری اطاعت و فرمابرداری کرتا۔

"نبی کریم نے اس ہدایت ربانی اور آئین آسمانی کے موافق امت کو ہر چھوٹی بڑی چیز کی تبلیغ کی۔ نوع انسانی کے عوام وخواص میں سے جو بات جس طبقہ کے لائق اور جس کی استعداد کے مطابق تھی، آپ نے بلا کم وکاست اور بے خوف وخطر پہنچا کر خدا کی حجت بندوں پر تمام کر دی"(3)

3۔ شہادت: دعوت دین کے لئے قرآن مجید میں شہادت کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے اس سے مراد گواہی دینا اور تصدیق کرنا کے ہیں، یعنی اپنے قول و عمل کے ذریعے اللہ کے دین کا نمائندہ اور گواہ بن جانا۔

﴿لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (4)

(تاکہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم پر گواہ ہوں اور تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ)

تفسیر ابن کثیر میں شہادت بمعنی دعوت کے یوں ذکر ہے:

"إنما جعلناكم هكذا أمة وسطا عدولا خيارا، مشهودا بعدالتكم عند جميع الأمم، لتكونوا يوم

1 الفرقان:۱

2 النساء:۱۶۵

3 عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی، ۱/ ۵۵۳

4 الحج:۷۸

القيامة {شهداء على الناس} لأن جميع الأمم معترفة يومئذ بسيادتها وفضلها على كل أمة سواها؛ فلهذا تقبل شهادتهم عليهم يوم القيامة، في أن الرسل بلغتهم رسالة ربهم، والرسول يشهد على هذه الأمة أنه بلغها ذلك."[1]

(تمھیں سب سے بہترین، عمدہ اور عادل امت اس وجہ سے بنایا گیا ہے کہ باقی سب امتوں میں تمھارے انصاف اور عدالت کی شہرت کر دی جائے اور تم روز قیامت دوسرے لوگوں پر شہادت دو باقی ساری امتیں نبی پاک ﷺ کی امت کی فضیلت اور اس کی بزرگی کا اقرار کریں گی۔ کہ آپ ﷺ کی امت کو باقی تمام امتوں پر سرداری اور فضیلت حاصل ہے۔ اور ان کی یہ گواہی قابل اعتبار تصور کی جائے گی کہ تمام انبیاء نے اللہ کے پیغام کو ان تک پہنچایا ہے اور وہ سب تبلیغ کا حق ادا کر چکے ہیں اور اس کے ساتھ نبی پاک ﷺ بھی گواہی دیں گے کہ انھوں نے رسالت کا حق ادا کر دیا اور اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔)

اللہ کے رسول اسی مفہوم میں انسانوں کے سامنے شاہد اور شہید ہیں، اور اپنی باری آنے پر امت مسلمہ دوسری امتوں پر گواہ بن کر کھڑی ہو گی گویا شہادت حق سے مراد اس بات کی گواہی دینا کہ نبی پاک ﷺ نے فریضہ دعوت کو لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔ چونکہ نبی پاک ﷺ پر سلسلہ نبوت ختم ہو رہا تھا اس لئے دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری اجتماعی طور پر امت کے سپرد کر دی گئی۔ نبی پاک ﷺ نے تو خطبہ حجۃ الوداع میں لوگوں سے گواہی لے لی لوگو! "میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا" اور سب لوگوں نے بیک زبان جواب دیا "جی حضور ﷺ آپ نے حق رسالت ادا کر دیا" پھر آپ ﷺ نے اللہ کی جناب میں عرض کیا: اے اللہ تو بھی گواہ رہنا، پھر آپ ﷺ نے لوگوں سے خطاب فرمایا پس اب پہنچائیں وہ جو موجود ہیں ان کو جو موجود نہیں۔ یعنی یہ ذمہ داری اب میرے کندھوں سے اتر کر تمھارے (امت) کندھوں پر آ گئی ہے۔ اب روز آخرت امت مسلمہ کو کھڑے ہو کر شہادت دینا پڑے گی کیونکہ اب دوسروں کو دین کا پیغام دینا ان کے ذمہ تھا۔

4۔ امر بالمعروف و نھی عن المنکر: قرآن پاک کی معروف اصطلاح ہے جس سے مراد نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے۔ دعوت دین کے عمل کا لازمی حصہ ہے نیکیوں کو پھیلانا اور برائیوں سے روکنا۔ امت مسلمہ کے لیے یہ عمل تا قیامت منظور کیا گیا ہے اور امت کی ذمہ داریوں کا بنیادی حصہ شمار کیا ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[2]

(اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانیت کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا

---

1 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۵/۴۵۷

2 آل عمران: ۱۱۰

حکم دیتے ہو 'بدی سے روکتے ہو۔)

اس آیت مبارکہ میں امت مسلمہ کو خیر امت کہا گیاہے اور اس کی دو صفتیں بیان ہوئی ہیں۔ایک یہ معروف کا حکم دیتی اور منکر سے روکتی ہے اور دوسری یہ کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتی ہے۔ایسا ایمان کہ انسان اس کو اپنا معبود اور حاکم مانے اور اس کے احکام کو بے چون وچرا تسلیم کرے۔ایمان یقین قلب اور کامل اتباع کا دوسرا نام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَان۔))[1]

(جب تم میں سے کوئی برائی ہوتے ہوئے دیکھے تو کوشش کرے کہ اسے اپنے ہاتھ ختم کر دے لیکن اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر زبان سے ختم کرنے کی کوشش کرے اور اس کی بھی استطاعت نہیں ہے تو پھر دل میں اس کو برا خیال کرے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔)

امین احسن اصلاحی، اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ:

"یہی فریضہ رسالت ہے جس کی وجہ سے اس امت کو خیر امت کہا گیاہے۔اگر مسلمان اس فرض منصبی کو بھلا دیں تو یہ دنیا کی دوسری قوم میں سے ایک قوم ہیں۔پھر اللہ تعالیٰ کو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ وہ دنیا میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں یا ذلت کے ساتھ، بلکہ اس فرض کو فراموش کر دینے کے بعد وہ ایک معتوب قوم بن جائیں گے جس طرح دنیا کی دوسری قومیں معتوب ہو گئیں۔"[2]

5۔تذکیر: اس سے مراد یاد دہانی کرانا اور نصیحت یا خیر خواہی کرنا اور عمل نہ کرنے والے افراد کو دین پر عمل پیرا ہونے کے لئے جو وعظ و نصیحت کی جاتی ہے اسے تذکیر کہتے ہیں۔دعوت کا عمل اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کے عہد الست کی یاد دہانی بھی ہے اور خیر خواہی کے ساتھ نصیحت کا عمل بھی ہے، اسی لیے قرآن مجید کی بہت سی آیات میں آپ ﷺ کو تذکیر کا حکم دیا گیاہے۔اللہ کا فرمان ہے۔

﴿فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَى ﴾[3]

(پس آپ نصیحت کرتے رہیے جہاں تک نصیحت کارگر ہو۔)

﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ﴾[4]

---

1 المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب کون النھی عن المنکر من الایمان، ح۴۹

2 اصلاحی، امین احسن، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۱۴)، ۴۱۔۴۲

3 الاعلیٰ:۹

4 ق:۴۵

(بس تم اس قرآن کے ذریعہ سے ہر اس شخص کو نصیحت کردو جو میری تنبیہ سے ڈرے)

آپ ﷺ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی یاد دہانی کراتے رہتے اور لوگوں کے ساتھ نرمی کا سلوک رکھتے تاکہ وہ اصلاح کی طرف لوٹ آئیں، سید قطب شہید اپنی تفسیر میں آپ کی تذکیر کا ایک واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں: کہ آپ اپنے برتاؤ کی وجہ سے لوگوں کی اصلاح کس طرح کرتے تھے۔

”جاءه أعرابي يوما يطلب منه شيئا فأعطاه. قال له: أحسنت إليك؟ قال الأعرابي: لا. ولا أجملت! فغضب المسلمون، وقاموا إليه فأشار إليهم أن كفوا. ثم دخل منزله، وأرسل إلى الأعرابي، وزاده شيئا.--- فأخذ لها من قمام الأرض، فردها هونا هونا، حتى جاءت واستناخت، وشد عليها رحلها، واستوى عليها. وإني لو تركتم حيث قال الرجل ما قال فقتلتموه دخل النار“[1]

(ایک مرتبہ ایک بدو آپ ﷺ کے پاس آیا اس نے آپ ﷺ سے کچھ طلب کیا آپ ﷺ نے اس کی ضرورت پوری کرنے کے بعد اس سے فرمایا کہ میرا سلوک تم سے کیسا تھا تو اس کا جواب کہ اچھا نہیں تھا، مسلمان یہ سن کر برہم ہوئے اور اس کو مارنے کے لئے لپکے آپ ﷺ نے اشارہ فرمادیا کہ اس کو کچھ نہ کہنا، اس کے بعد آپ ﷺ گھر میں آئے اور اسے کچھ مزید عطا کیا اور پھر اس سے پوچھا کہ اب بتاؤ میں نے تمھارے ساتھ اچھا سلوک کیا؟ اب اس کا جواب ہاں میں تھا اللہ آپ کو اجر دے آپ اچھے خاندان کے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا تم نے پہلے جو بات کی تھی اور میرے ساتھی غصے میں آگئے تھے اور ان کے دل تم سے صاف نہیں ہوئے اگر تم چاہو تو ابھی جو تم نے کہا وہ میرے ساتھیوں کے سامنے بھی کہو تاکہ ان کے دلوں کا غصہ دور ہو تو اس نے آپ ﷺ کی بات مان لی اس پر آپ ﷺ نے فرمایا میری اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی آدمی کی اونٹنی بگڑ جائے اور وہ لوگوں کو دیکھ کر اور بھاگنا شروع کردے تو اونٹنی کا مالک چلا کر لوگوں سے کہے ہمیں چھوڑ دو میں اس کے مزاج سے واقف ہوں پس اس نے اونٹنی کے لئے گھاس جمع کی اور اس کے پاس آگئی اور یہ اس پر سوار ہو گیا۔ یہ تھا آپ ﷺ کا طریقہ اور عمل جس سے آپ ﷺ سخت مزاج افراد سے سادگی سے بات کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تمھیں منع نہ کرتا تو تم لوگ اسے کل مار ڈالتے اور یہ جہنم میں چلا جاتا۔)

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، ٦/٣٨٩١

یہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل ان لوگوں کے ساتھ جو نہایت ہی سخت اور بدکنے والے تھے، اس قدر سادگی اور آسانی کے ساتھ اور اللہ کی ایسی توفیق کے ساتھ، آپ ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے۔ اس قسم کے بیشمار نمونے آپ کی سیرت میں موجود ہیں۔

گویا تذکیر دعوت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں یاد کرانا، یاد دلانا، نصیحت خیر خواہی کے ہیں اور قرآن مجید میں آپ ﷺ کو اپنی امت کو تمام شرعی احکام وعقائد، گزشتہ یا آئندہ قیامت تک کے واقعات یاد کرانے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ لوگ اس یاد دہانی سے فائدہ حاصل کریں۔

6۔ تبشیر: اس سے مراد خوشخبری سنانا، بشارت دینا ہے۔ دعوت کے اسالیب میں سے ایک اہم اسلوب تبشیر ہے جس کو قرآن مجید میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو بار بار دنیاوی اور اخروی بشارتوں سے نوازتا ہے تاکہ وہ نیکیوں کی طرف رغبت کریں اور برائیوں سے بچے رہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ نبی آخر الزمان کو مبشر اور نذیر بنا کر مبعوث کیا گیا ہے:

﴿انّ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًاوَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيرًا ﴾[1]

(بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے)

انبیاء کرام لوگوں کو جنت کی نعمتوں اور آخرت کی کامیابیوں کی خوشخبری سناتے ہیں۔

7۔ انذار: اس سے مراد برے انجام کی تنبیہ کرنا اور ڈرانا کے ہیں، اللہ تعالیٰ کا یہ شعار رہا ہے کہ جہاں جہاں قرآن مجید میں ترغیب، وعدہ اور بشارت کا ذکر فرماتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی ترہیب، وعید اور انذار کا بھی ذکر کیا تاکہ امید اور خوف مل کر ایمان میں ایک اعتدال کی کیفیت پیدا ہو جائے اور انبیاء کرام کے مبعوث ہونے کا ایک مقصد لوگوں کو تبشیر وانذار کرنا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے۔ کہ اُس نے لوگوں کی ہدایت کے لیے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَنْ أَنْذِرُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ ﴾[2]

(آگاہ کرو، میرے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں ہے، لہٰذا تم مجھ ہی سے ڈرو)

انبیاء کرام کے مبعوث ہونے کا مقصد، انسانی ہدایت کا عملی نمونہ پیش کرنا ہے۔ پس انسانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رب کی تابع فرمانی کریں اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہیں۔ دعوت دین کو دوسروں تک پہنچانے میں تبشیر وانذار

---

1 الاحزاب:۴۵

2 النحل:۲

کا اسلوب سب سے مؤثر ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات مبارکہ میں رسولوں کا مقصد بعثت لوگوں کو بشارتیں دینا اور انھیں خبردار کرنا ہے جیسے سورۃ النساء میں ہے:

﴿رُّسُلا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ﴾[1]

(رسول بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے۔)

قرآن میں آپ ﷺ کا منصب اور صفاتی نام بشیر اور نذیر قرار دیا گیا ہے:

﴿فقَدْ جَاءَكُم بَشِيرٌ وَّنَذِيرٌ ﴾ [2]

(پس اب تو یقیناً خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا آپہنچا)

یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی شفقت اور اس کی عدالت کا تقاضا تھا کہ وہ رسولوں کو دنیا میں بھیجے اور وہ نبی ،اللہ کے نیک اور مومن بندوں کو خوشخبریاں سنائیں اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کے بارے میں بتائیں جو ان کے لئے تیار کی گئی ہیں۔ اور انھیں اس چیز کی بشارت دیں کہ اللہ ان سے راضی ہے اور نافرمان اور سرکش لوگوں کو انذار کریں کہ وہ اللہ کے غضب اور نہ ختم ہونے والا عذاب میں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عقل سے نوازا ہے تاکہ وہ اس کائنات میں غور و فکر کریں اور اس میں دلائل تلاش کریں۔ اور ان کے پاس ایسے نبی بھیجے گئے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنی مخلوق پر خصوصی رحم کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ انسان کی عقل پر اس کی ذاتی خواہشات غالب ہو جائیں گے اور ان کی وجہ سے یہ عظیم قوت دب کر رہ جائے گی۔ تفسیر فی ظلال القرآن میں ہے۔

"اقتضت رحمته وحكمته أن يرسل إليهم الرسل «مبشرين ومنذرين» يذكروهم ويبصروهم ويحاولون استنقاذ فطرهم وتحرير عقولهم من ركام الشهوات، التي تحجب عنها أو تحجبها عن دلائل الهدى وموحيات الإيمان في الأنفس والآفاق."[3]

(اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی رحمت کے تحت رسولوں کو بھیجا جو بشارتیں دینے ولے اور انذار کرنے والے تھے۔ وہ انھیں یاد دہانی کرواتے رہے اور انھیں صراط مستقیم کی طرف بصارت و بصیرت دیتے رہے اور ان کی نفسانی خواہشات سے ان کی فطرت اور عقل کو آزاد کرایا جس کے باعث ایمان اور ہدایت کو پانا ممکن نہ تھا اگرچہ یہ خواہشات ان کے نفس کے اندر یا بکھری ہوئی کائنات میں ہوتی۔)

1 النسآء:١٦٥

2 المائدہ:١٩

3 سید قطب، فی ظلال القرآن، ٢/ ٨٠٥

لوگوں کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو مبعوث کیا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ علیم خبیر ہیں وہ بہتر جانتے ہیں کہ صرف عقل کی بناپر انسان ہدایت وراہنمائی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہ السلام کو بشارت دے کر بھیجا تاکہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی بشارتوں اور نعمتوں کا ذکر کر کے انہیں ہدایت اور صراط مستقیم کی طرف رغبت دلائیں۔ تیسیر القرآن میں ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ نے فطرتاً انسان کو اتنی عقل دی ہے کہ وہ اللہ اور اس کی صفات کی معرفت کر سکے۔ چونکہ سب انسان ایک جیسی عقل کے مالک نہیں ہوتے۔ لہٰذا اللہ نے رسول بھیج کر انسان کو تمام حقائق سے مطلع فرمادیا کہ انسان کی اس پوری کائنات میں حیثیت کیا ہے۔ اسے یہاں رہ کر کیا کردار ادا کرنا ہے۔ اگر وہ اس کردار کو ادا کرنے میں کامیاب رہا۔ تو اس کی اخروی زندگی میں اسے اس کا کیا اجر ملے گا۔ یہ انبیاء اور رسل دنیا میں اس کثرت سے آئے اور اپنے بعد نازل شدہ کتابیں چھوڑ گئے۔ لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے رسولوں کی بشارت دی۔"[1]

انبیاء کرام کا مقصد لوگوں کی اللہ کی طرف سے اللہ کی رحمت اور فضل کی بشارت دیناہے جیسا کہ سید قطب شہید اپنی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں کہ

"وهو لا يتلقى إلا من ربه، ولا يتبع إلا ما يوحى إليه منه. والذين يقبلون دعوته هم أكرم البشر عند الله، وعليه أن يلزمهم، وأن يهش لهم، وأن يبلغهم ما كتبه الله لهم على نفسه من الرحمة والمغفرة."[2]

(اس لیے اللہ کے رسولوں کا بھی فرض ہے کہ وہ انہیں اپنے ساتھ جوڑے رکھے اور ان کا خیر مقدم کرے انہیں یہ خوشخبری دے کہ اللہ نے اپنے اوپر یہ فرض کرلیا ہے کہ وہ ان کے ساتھ نہایت ہی رحیمانہ سلوک کرے گا۔)

مبشر ہونا تمام انبیاء کی صفت ہے۔ اور یہ ایمان اور نیکی کا راستہ اختیار کرنے والوں کو جنت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تم اعلیٰ مقام کی خوش خبری دیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ کفر و شرک اور معصیت کا راستہ پکڑیں گے۔ ان کے لئے یہی پیغمبر منذرین یعنی ڈرانے والے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے ڈراتے ہیں جس کا ادراک سورۃ مدثر میں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہی حکم حضور ﷺ خاتم النبین کو دیا کہ: قم فانذر، آپ کھڑے ہو جائیں اور ان کفار و مشرکین کو ان کے برے انجام سے ڈرائیں۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1 کیلانی، عبد الرحمٰن، تیسیر القرآن، (لاہور: مکتبہ السلام سٹریٹ نمبر ۱۰، وسن پورہ طبع ہفتم ۱۴۲۶ھ) ۱/۴۸۸

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۲/۱۰۹۵

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴾[1]

(ہم نے تم کو حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔)

یعنی ہم نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے تاکہ آپ نیک لوگوں کو ثواب کی بشارت دیں اور کافروں کو عذاب کی وعید سے ڈرائیں، آیت کے آخر میں ذکر ہوا ہے کہ ہر امت میں ایک عذاب سے ڈرانے والا گذر چکا ہے، مطلب کہ گزرے ہوئے ہر زمانہ میں جو بھی کوئی بڑی جماعت رہی ہے اس میں کوئی نہ کوئی منذر، اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا گزرا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہ السلام کو بشارت دے کر بھیجا تاکہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی بشارتوں اور نعمتوں کا ذکر کر کے انہیں ہدایت اور صراط مستقیم کی طرف رغبت دلائیں۔تیسیر القرآن میں ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ نے فطرتاً انسان کو اتنی عقل دی ہے کہ وہ اللہ اور اس کی صفات کی معرفت کر سکے۔ چونکہ سب انسان ایک جیسی عقل کے مالک نہیں ہوتے۔لہٰذا اللہ نے رسول بھیج کر انسان کو تمام حقائق سے مطلع فرما دیا کہ انسان کی اس پوری کائنات میں حیثیت کیا ہے۔ اسے یہاں رہ کر کیا کردار ادا کرنا ہے۔ اگر وہ اس کردار کو ادا کرنے میں کامیاب رہا۔ تو اس کی اخروی زندگی میں اسے اس کا کیا اجر ملے گا۔ یہ انبیاء اور رسل دنیا میں اس کثرت سے آئے۔ اور اپنے بعد نازل شدہ کتابیں چھوڑ گئے۔ لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں رسولوں کی بشارت دی۔"[2]

انبیاء کرام کا مقصد لوگوں کی اللہ کی طرف سے اللہ کی رحمت اور فضل کی بشارت دینا ہے جیسا کہ سید قطب شہید اپنی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں کہ:

"وهو لا يتلقى إلا من ربه، ولا يتبع إلا ما يوحى إليه منه. والذين يقبلون دعوته هم أكرم البشر عند الله، وعليه أن يلزمهم، وأن يهش لهم، وأن يبلغهم ما كتبه الله لهم على نفسه من الرحمة والمغفرة."[3]

(اس لیے رسول کا بھی فرض ہے کہ وہ انہیں اپنے ساتھ جوڑے رکھے اور ان کا خیر مقدم کرے۔ انہیں یہ خوشخبری دے کہ اللہ نے اپنے اوپر یہ فرض کر لیا ہے کہ وہ ان کے ساتھ نہایت ہی رحیمانہ سلوک کرے گا۔)

انبیاء کرام کی شان یہ ہے کہ ایمان اور نیکی کا راستہ اختیار کرنے والوں کو جنت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اعلیٰ

---

1 فاطر:۲۴

2 کیلانی، عبد الرحمٰن، تیسیر القرآن، ۱/۴۸۸

3 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۲/۱۰۹۵

مقام کی خوش خبری دیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ کفر و شرک اور معصیت کا راستہ پکڑیں گے۔ ان کے لئے یہی پیغمبر منذرین یعنی ڈرانے والے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے ڈراتے ہیں ۔ سورۃ مدثر میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہی حکم حضور ﷺ خاتم النبیین کو دیا کہ: ﴿قُمْ فَأَنْذِرْ﴾[1] (اٹھو اور خبردار کرو۔)

کامیابی کے لیے جنت کا شوق اور جہنم کا خوف دونوں احوال کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اللہ کے ڈر اور خوف کے مفاہیم میں سے ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ کے عذاب اور پکڑ سے ڈرانا جس کی انتہائی صورت جہنم ہے۔

سورۃ الکہف میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنْذِرُوا هُزُوًا﴾[2]

(رسولوں کو ہم اس کام کے سوا اور کسی غرض کے لیے نہیں بھیجتے کہ وہ بشارت اور تنبیہ کی خدمت انجام دیں گے مگر کافروں کا حال یہ ہے کہ وہ باطل کے ہتھیار لے کر حق کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں اور انھوں نے میری آیت کو اور ان تنبیہات کو جو انھیں کی گئیں مذاق بنالیا ہے۔)

سید قطب اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

”والحق واضح. ولكن الذين كفروا يجادلون بالباطل ليغلبوا به الحق ويبطلوه.--- إنما هم يستهزئون بالآيات والنذر ويسخرون.“[3]

(حق واضح ہے لیکن کافر لوگ ناحق کی حجتیں کر کے حق کو مغلوب اور باطل کو غالب کر دینا چاہتے ہیں یہ آیات اور تنبیہات کے ساتھ مذاق کر کے ہنستے ہیں۔)

جب نبی پاک نے کفار کو عذاب الٰہی سے خبردار کیا تو اس پر انھوں نے تعجب کا اظہار کیا قرآن نے ان کے اس رویے کو یوں بیان کیا ہے:

﴿وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ﴾[4]

(اور کافروں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان ہی میں سے ایک انھیں ڈرانے والا آگیا اور کہنے لگے کہ یہ تو جادو گر اور جھوٹا ہے۔)

1 المدثر:۲

2 الکہف:۵۶

3 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۴/۲۲۷۶

4 ص:۴

اس طرح سورۃ ق میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ﴾[1]

(مگر یہ حیران ہیں اس بات پر کہ آیا ہے ان کے پاس ڈرانے والا ان میں سے تو کہنے لگے کفار کہ یہ تو بڑی عجیب و غریب بات ہے۔)

پیر کرم شاہ نے اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے:

"انھیں چاہیے تھا کہ حضور کی بعثت پر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے کہ اس نے ان کی طرف ایک راہبر بھیجا ہے اور مزید کرم یہ فرمایا ہے کہ ان کا ہم قوم اور ہم وطن ہے اور اس کی سیرت و کردار سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ انھیں اگر اعتراض ہے تو اس پر کہ ان میں سے ایک آدمی کو منصب نبوت پر کیوں فائز کر دیا گیا ہے۔"
(2)

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے یہ وہ بستیاں ہیں جو اپنے ظلم کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئی۔ ان میں سابقہ اقوام جیسے حضرت ھود علیہ السلام کی قوم عاد، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں تھیں۔ جو اہل حجاز کے پاس واقع تھیں یہ بستیاں اپنے ظلم کی وجہ ہی سے ہلاک ہوئی تھیں۔ لیکن عذاب سے پہلے انھیں انبیاء کرام انذار کر چکے تھے۔ ان کو عذاب نازل ہونے سے پہلے دعوت قبول کرنے کا پورا موقع مل گیا تھا اور ان پر حجت تمام کر دی تھی۔ اور جب یہ معلوم ہو جائے کہ اب یہ حق کو قبول نہیں کریں گے تو ہدایت کے راستے ان پر بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور ان کو ہدایت کو قبول کرنے کی مہلت ختم کر دی جاتی ہے۔

گویا دعوت دین میں انذار اور تبشیر دونوں کا ہونا لازمی ہے

"قرآن ایک بشارت اور تنبیہ ہے یعنی ایک طرف خوشخبری اور وعدہ ہے اور دوسری طرف تنبیہ اور وعید ہے۔ دعوت میں ان دونوں عناصر کا یکجا ہونا ضروری ہے۔"[3]

---

1 ق:۲

2 الازھری، پیر کرم شاہ، ضیاء القرآن، ۴/۶۰۸

3 https://hawzah.net/fa/Book/View/45270/24082/تبشیر وانذار

حاصل بحث:

تبشیر و انذار دعوت دین کے اسالیب میں سے ایک اہم اسلوب ہے تبشیر کے لفظ میں کثرت سے بشارت دینے کے معنی ملحوظ ہیں کبھی کبھی غصہ کے اظہار کے لیے بطور تحکم اس کا استعمال افسوسناک اور بُری خبر سنانے کے لیے بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ نعمت، جنت، عطا، فضل اور رحمت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے یہ بشارت سنانے کا مسلسل عمل ہے جبکہ انذار سے مراد انجام بد سے خبردار کرنا، نتائج سے ڈرانا، واقف کرنا اور تنبیہ کرنا کے ہیں۔ انسانی نفسیات میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ بشارت سے نیک کاموں کی طرف اس کی رغبت بڑھتی ہے اور برے انجام کے خوف کی بناپر نافرمانی اور بدی سے گریز کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ قرآن میں کہیں ترغیب، بذریعہ بشارت اختیار کی گئی ہے اور کہیں ترہیب بذریعہ انذار کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے تاکہ خوف اور امید مل کر، انسانی کردار میں ایمان و عمل کا اعتدال قائم کردیں۔ اسی حکمت کے تحت انبیائے کرام کو بشیر و نذیر بنا کر مبعوث کیا گیا

تبشیر و انذار چونکہ دین کا ایک اہم اسلوب ہے اسی بنا پر دین کی طرف بلانے کو قرآن کی زبان میں بہترین عمل کہا گیا ہے اور اسی غرض سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے دعوتی اسلوب کو بھی قرآن میں بیان کیا تاکہ لوگوں کو بشارتیں سنا کر دین کی طرف مائل کریں اور انجام بد سے بچنے کے لیے تنبیہ کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے دین کا مقصد لوگوں کو راہ راست دکھانا اور ان کی اصلاح اور فلاح کرنا ہے۔ اسی وجہ سے بشارتیں سنانے اور انذار کرنے کے اسلوب کو نہ صرف قرآن مجید میں بلکہ سابقہ الہامی کتب میں بھی اپنایا گیا ہے۔ اور یہ سب انبیاء کرام کا شعار رہا ہے کہ انھوں نے اچھے اعمال پر خوشخبریاں دیں اور برے اعمال پر انذار کیا۔

باب دوم

قرآن میں تبشیر و انذار کے مخاطبین اور حکمتیں

فصل اول: قرآن میں مذکور انبیاء کرام کا اسلوب دعوت

فصل دوم: تبشیر و انذار کے مخاطبین

فصل سوم: تبشیر و انذار کی حکمتیں

فصل اول:

قرآن حکیم میں مذکور انبیاء کرام کا اسلوب دعوت

انبیاءعلیہ السلام کے مبعوث ہونے کا مقصد ہدایت انسانی ہے۔ہدایت اس جامع راہنمائی کا نام ہے جس سے انسان کو مفید و مضر، حق و باطل اور حلال و حرام میں فرق و امتیاز کا علم حاصل ہو اور وہ عمل کی دنیا میں فلاح کی راہ پر گامزن ہو سکے۔انبیاء کرام نے دعوت دین کے لیے بہت سے طریقوں کو اختیار کیا ان میں ایک مؤثر اسلوب دعوت تبشیر وانذار ہے اسی بنیاد پر قرآن کے الفاظ میں پیغمبران خدا مبشر اور نذیر بنا کر مبعوث کیے گئے۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر انبیاء کرام کا بحیثیت مبشر اور منذر ذکر کیا گیا۔ سورۃ الانعام میں ہے:

﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ فَمَنْ آمَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ [1]

(اور ہم نے رسولوں کو صرف اس لئے بھیجا کہ خوشخبری سنائیں اور ڈرائیں پھر جو ایمان لایا اور اصلاح کر لی تو ایسے لوگوں کو نہ خوف ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے)

سورۃ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ ٱللَّهُ ٱلنَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ﴾[2]

(ابتداء میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے، پھر اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کج روی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے)

ایمان والوں کے لیے یہ بڑی خوش خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بشارتیں سنانے والے اور اللہ کی رحمت کی خوشخبری دینے کے لیے انبیاء کو مبعوث کیا۔انبیاء کی بعثت سے پہلے تمام لوگ کفر، گمراہی اور شقاوت پر جمع تھے۔ان کے سامنے ایمان اور روشنی کی کوئی کرن باقی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف انبیاء کرام بھیج کر ان پر رحم فرمایا۔ دریابادی فرماتے ہیں کہ:

> "فبعث میں ف سے مراد ہے کہ ایک مدت کے بعد، جب کہ اہل باطل اپنے اختراعی عقائد و اعمال سے بہت سے فرقے اور مذاہب پیدا کر چکے تھے تب خوشخبری سنانے

---

1 الانعام:۴۸

2 البقرۃ:۲۱۳

والے اہل ایمان کو، ان لوگوں کو جو خدائی دستور حیات کو قبول واختیار کرلیں۔ اورڈرانے والے اہل کفر کو، ان لوگوں کو جو خدائی دستور حیات کے مقابلہ میں انکار و طغیان کو قائم کریں"[1]

اس آیت مبارکہ میں مُبَشِّرِیْن یعنی یہ رسول لوگوں کو اس بات پر خوشخبری سناتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت و پیروی کا بدلہ اور اس کا انعام رزق، دل وبدن کی قوت اور پاکیزہ زندگی کی صورت میں ہوگا اور اس سے بھی بڑھ کر وہ کامیابی ہے جو اللہ کی رضامندی اور جنت کی صورت میں حاصل ہوگی۔ اور آیت مُنْذِرِیْنَ یعنی جو ڈرانے والے ان نافرمانوں کو جن کا بدلہ دنیا میں رزق سے محرومی، اہانت، کمزوری اور تنگ زندگی کی صورت میں نکلتا ہے اور آخرت میں ایسے لوگوں کے لئے بدترین عذاب، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور جہنم ہے۔ جیساکہ علامہ سعیدی نے لکھاہے:

"حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام نبیوں اور رسولوں کا ایک ہی دین تھا اور وہ دین اسلام ہے 'البتہ شریعتیں سب نبیوں کی الگ الگ ہیں 'دین سے مراد وہ اصول اور عقائد ہیں جو تمام نبیوں میں مشترک ہیں ' جیسے الوہیت 'توحید باری 'نبوت 'تقدیر 'وحی 'فرشتے 'کتب سماویہ 'قیامت 'حساب و کتاب اور جنت اور دوزخ پر ایمان لانا اور ہر نبی کے زمانہ میں اس زمانہ کے مخصوص حالات 'تہذیب اور رسم ورواج کے اعتبار سے عبادت کے جو طریقے مقرر کیے گئے وہ اسی نبی کی شریعت ہیں۔"[2]

اللہ رب العالمین کی رحمت، شفقت اور عدالت کا تقاضایہی تھا کہ وہ رسول مبعوث کرے تاکہ وہ اللہ کے بندوں میں سے مومنین اور اطاعت گزار نیک بندوں کو بشارت دیں کہ اللہ نے ان کے لئے بے شمار نعمتیں تیار کی ہوئی ہیں۔ اور اللہ کی رضامندی ان کے انتظار میں ہے۔ اور کافروں اور نافرمانوں کو انذار کریں کہ اللہ کا غضب اور ایک دردناک اور نہ ختم ہونے والا عذاب ان کے انتظار میں ہے۔

ابن عاشور رقمطراز ہیں کہ:

"البشير والنذير هو جامع عمل الرسول صلى الله عليه وسلم في رسالته فهو بشير لمن آمن وأطاع، ونذير لمن أعرض وعصى-"[3]

---

1 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۱۰۹

2 سعیدی، تبیان القرآن، ۱/۷۷۵

3 ابن عاشور، التحریر والتنویر، ۱۱/۳۱۶

(تبشیر و انذار نبی پاک ﷺ کا اپنی رسالت کے زمانے کا جامع عمل ہے۔ آپ ﷺ ایمان والوں اور اطاعت کرنے والوں کے لئے بشیر اور اعراض کرنے اور نافرمانی کرنے والوں نذیر ہیں۔)

قرآن مجید میں سابقہ اقوام عالم کا تذکرہ کرتے ہوئے ان قوموں کی راہنمائی کے لئے واضح دلائل اور نشانیاں دے کر انبیاء کرام کو بھیجا۔ انبیاء کے ذکر میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا کیونکہ وہ سب سے پہلے نبی ہیں جنہوں نے اپنی قوم کو اللہ کے عذاب پر انذار فرمایا۔ یا اس لیے کہ وہ سب سے پہلے نبی ہیں جنہوں نے احکام شرعیہ بیان کیے جس طرح نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت اسلام تمام روئے زمین کے انسانوں کے لیے ہے اس طرح حضرت نوحؑ کی دعوت بھی تمام روئے زمین کے انسانوں کے لیے تھی۔ کیونکہ کہ یہ لوگ بہت ہی ابتدائی دور کے لوگ تھے اور پھر اس دور میں انسانوں کی تعداد بھی بہت کم تھی اور حضرت نوحؑ کی قوم کا عذاب بھی ساری دنیا کے لیے تھا۔ حضرت نوحؑ کے بعد دوسرے نبیوں کا بالعموم ذکر فرمایا پھر خصوصی طور پر حضرت ابراہیمؑ کا نام لیا 'یہ ان کے شرف کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ تمام نبیوں کے سلسلہ آباء میں تیسرے اہم باپ ہیں 'حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ اور پھر حضرت ابراہیمؑ ہیں حضرت عیسیٰؑ کا ذکر یہود کا رد کرنے کے لیے فرمایا کیونکہ یہود ان کی نبوت کا انکار کرتے تھے 'اور حضرت داؤدؑ کو زبور عطاء فرمانے کا ذکر فرمایا کیونکہ زبور بھی قرآن مجید کی طرح یک بارگی کے بجائے تدریجاً نازل ہوئی۔ قرآن مجید میں انبیاء کرام کو بطور نذیر اور نبی پاک کو مبشر اور نذیر مخاطب کیا گیا اس کی وجہ یہ کہ انبیاء کرام کی ابتدا حضرت نوح (علیہ السلام) سے شروع ہو کر حضرت شعیبؑ بلکہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ تک انبیاء کا ذکر ڈرانے کے طور پر استعمال ہوا کیونکہ جو کچھ انبیاء نے اپنی امتوں سے کہا تھا اسی کا ظہور زیادہ ہوتا رہا یہ سب عام امتیں عذاب الٰہی سے ہلاک ہوتی رہیں اور بہت تھوڑے لوگ ان میں سے راہ راست پر آئے آنحضرت ﷺ کی امت میں سے اکثر لوگ مسلمان ہوئے اور تھوڑے نافرمانی سے ہلاک ہوئے اس لیے آپ ﷺ کے ذکر میں آپؐ کو دونوں صفتوں کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی تسکین فرمادی ہے کہ آپؐ کی امت کا انجام باقی امتوں کی بہ نسبت اچھا ہے انبیاء کرام کے دعوتی اسلوب میں سب سے پہلے حضرت نوحؑ کا ذکر سر فہرست ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام

تاریخ دعوت میں حضرت نوحؑ کی ذات بے حد اہمیت کی حامل ہے کیونکہ آپؐ پہلے رسول ہیں جنھیں قرآن مجید نے ماڈل کے طور پر پیش کیا ہے اور آپؐ نسل انسانی کے بگاڑ پر اولین تنبیہ کرنے والے تھے آپؐ کا ذکر قرآن مجید کی آٹھائیس سورتوں میں اور اکیالیس مرتبہ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو لمبی عمر عطا فرمائی۔ آپؐ ساڑھے نو سو سال

تک اپنی قوم کو دعوت و تبلیغ کرتے رہے۔ آپؑ اپنی قوم کو شرک کی تباہ کاریوں سے آگاہ کرتے رہے ۔ حضرت آدم علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی۔ کیونکہ یہ ایسا عقیدہ ہے جس سے انسان ہر قسم کے شر و فساد اور شیطان کے چنگل سے نکل کر امن و سکون اور اللہ کی راہ میں ہو تا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب توحید کی تعلیمات آہستہ آہستہ مٹتی گئیں اور بت پرستی بڑھتی چلی گئی تب اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کو ہدایت دینے کے لیے نبی بنا کر انکی قوم کی طرف بھیجا۔

اسلوب دعوت:

حضرت نوحؑ نے اپنی دعوت میں یہ اسلوب اختیار کیا کہ آپؑ نے لوگوں کو صرف ایک رب کی بندگی کرنے انھیں اللہ کا ڈر یعنی تقویٰ اختیار کرنے اور اپنی اطاعت کی طرف دعوت دی۔ ان اسالیب کو قرآن کی زبان میں یوں بیان کیا گیا:

عبادت رب:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ-﴾[1]

(ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔)

حضرت نوح علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُه﴾ [2]

(اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو، اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں ہے)

تقویٰ، اطاعت رسول:

﴿ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ - إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ-فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴾[3]

(یاد کرو جب کہ ان کے بھائی نوح علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو)

آیات مذکور سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو رب کی بندگی کی طرف دعوت

---

1 الاعراف:۵۹

2 مومنون:۲۳

3 الشعراء:۱۱۰

دی۔عبادت رب، تقویٰ اور رسولوں کی اطاعت دعوت کا عظیم جزو ہے جس کے بغیر دعوت بے معنی ہو جاتی ہے۔اس کے بعد دوسراا سلوب جو حضرت نوحؑ نے اپنایا وہ شرک کارد تھا

شرک کارد:

حضرت نوحؑ کی قوم شرک میں مبتلا تھی آپؑ نے انھیں بتوں کی پرستش سے منع کرنے اور ایک اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ قرآن میں ان بتوں کے ناموں کا بھی ذکر ہے جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔

﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾[1]

(اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ود، سواع،یغوث اور نسر کو کبھی نہ ترک کرنا)

استغفار کا حکم:

حضرت نوحؑ کی دعوت کا تیسراا سلوب استغفار کا حکم تھا آپؑ اپنی مشرک قوم کو استغفار پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے تاکہ ان کے سابقہ گناہوں کی معافی ہو آپ اپنی قوم کو یوں مخاطب کرتے۔

﴿أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ --يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى ﴾[2]

(کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو وہ تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا اور تمہیں وقت مقررہ تک مہلت دے گا)

حضرت نوحؑ نے بار بار اپنی قوم کو استغفار کی طرف توجہ دلائی کیونکہ استغفار ہی رجوع الیٰ اللہ کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ گویا حضرت نوحؑ کی دعوتی اسلوب میں خدا واحد کی طرف دعوت، شرک کا ابطال، اللہ تعالیٰ کی عظمت کا شعور اور استغفار شامل ہیں۔

حضرت نوح کے دعوتی اسلوب میں تبشیر و انذار

حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اپنے رب سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ ایک مدت خاص تک تم کو اچھا سامان زندگی دے گا اور ہر صاحب فضل کو اس کا فضل عطا کرے گا

﴿فقلت استغفروا ربكم إنه كان غفارا-- يرسل السماء عليكم مدرارا -- ويمددكم بأموال وبنين ويجعل لكم جنات ويجعل لكم أنهارا﴾([3])

---

1 نوح:۲۳

2 ایضاً:۳۔۴

3 ایضاً:۱۰۔۱۲

(میں نے کہا: اپنے رب سے معافی مانگو بیشک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا، تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا، تمہارے لئے باغ پیدا کرے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کر دے گا۔) آپ نے ان سے یوں خطاب فرمایا۔ کہ لوگو! تم اگرچہ نہایت نے گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کر چکے ہو لیکن باز آجاؤ، توبہ کرو، تمہارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور تمہارا حساب قیامت تک کے لئے ملتوی کر دیا جائے گا۔ اگر تم نافرمانیوں اور شرک کو چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کروگے۔ اور میری (حضرت نوحؑ) کی پیروی کروگے تو اللہ تعالیٰ تمھارے تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ اور یہ بشارت بھی کہ تمھیں نہ صرف آخرت میں کامیاب کرے گا۔ بلکہ دنیا میں بھی مال و دولت، اولاد اور عمدہ سرسبز باغات دے گا۔ جیسے اس بشارت کا تذکرہ غلام رسول سعیدی یوں کرتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ نے ان کو تین کاموں کی بشارت دی، صرف اللہ ہی کی عبادت کرو، اسی سے ڈرو اور حضرت نوح کی اطاعت کرنے کا حکم دیا۔ اور ان باتوں پر عمل کرنے کے بعد ان سے دو انعامات کا وعدہ فرمایا کہ اللہ ان کے بعض گناہوں کو معاف فرمادے گا، یعنی ان کو آخرت میں عذاب نہیں ہو گا اور دوسرا ان پر دنیا کا عذاب نہیں ہو گا۔ ان سے دنیا کے عذاب اور مصائب کو بھی ممکن حد تک دور فرمادے گا اور ان کی موت میں بہ قدر امکان تاخیر کر دے گا"([1])

سعید قطب بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوحؑ نے جس طرح اپنی قوم کو انذار کیا اس کو قرآن یوں بیان کرتا ہے۔

"وإن تولوا فإني أخاف عليكم عذاب يوم كبير، إلى الله مرجعكم."([2])

(اگر تم اعراض کرتے ہو تو مجھے تمھارے بارے میں ایک ہولناک عذاب کا خدشہ ہے اور تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔) ﴿اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ﴾([3]) ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر ایک روز دردناک عذاب آئے گا یَوْمٍ اَلِيْمٍ۔ دن دردناک نہیں ہے۔ الیم بمعنی مالوم ہے۔ دراصل اس دن لوگ مالوم ہوں گے۔ لیکن زیادہ مبالغے کے لیے یہ انداز تعبیر اختیار کیا گیا ہے کہ اس دن وقت بھی درد کو محسوس کرے گا۔ تو اس سے لوگوں کے حالات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس قدر دردناک ہوں گے۔ مزید ارشاد فرمایا۔ باز آجاؤ کیونکہ میں تمھیں جہالت اور نادانی کی حالت میں دیکھتا ہوں ﴿وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْـهَلُوْنَ﴾ ([4]) (مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ۱۲/ ۲۴۷

[2] قطب شہید، فی ظلال القرآن، ۴/ ۱۸۷۰

[3] الاعراف: ۵۹

[4] ھود: ۲۹

جہالت برت رہے ہو)

یعنی تم ان اقدار کو نہیں سمجھ سکتے جن کے ساتھ اللہ کے ترازو میں لوگ تولے جاتے ہیں۔ اور تم اس حقیقت کو بھی نہیں سمجھتے کہ سب لوگوں کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہی ایک ماننے اور اسی کی عبادت کا حکم یوں دیا ﴿فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُه﴾ ([1])(اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو، اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں ہے کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟)

﴿إذ قال لهم أخوهم نوح ألا تتقون﴾ ([2])- ﴿فاتقوا الله وأطيعون﴾ ([3])

(یاد کرو جب کہ ان کے بھائی نوح علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کفر و شرک کی جس حالت تک پہنچ چکی تھی اور جس طرح وہ آپ کی ہدایات اور تبلیغ سے منہ موڑ رہی تھی اور تکبر اور نہایت ہی ہٹ دھرمی اور عناد میں مبتلا تھی، اس کے لئے یہاں یہ کہنا مناسب ہے کہ بس تم ان کو انجام بد پر انذار کرو چنانچہ حضرت نوحؑ نے ان کو خبردار کیا کہ لوگو دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈرو، تم کیوں خود کو اس عذاب میں مبتلا کر رہے ہو۔

الغرض حضرت نوحؑ نے جب نبوت کا مقام حاصل کرنے کے بعد اپنی قوم کو دعوت دینا شروع کی تو انھوں نے آپؑ کی نبوت کا انکار کیا۔ آپؑ چونکہ پہلے نبی تھے تو انھیں یہ اعتراض تھا نبی آدمی کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو فرشتوں کے ذریعے ہماری رہنمائی فرما دیتا یا قوم کے امراء اور بااثر افراد میں سے کسی کو نبوت ملتی۔ لیکن قرآن مجید میں بیان کیا گیا کہ حضرت نوحؑ کی بعثت کا مقصد لینذر کم یعنی وہ تمھیں تمھارے برے انجام سے ڈرائے اور پھر تسلی دی کہ بشارت یہ کہ ڈرانا اس لئے کہ تم راہ راست پر آجاؤ اور اللہ تم پر رحم فرمائے حضرت نوحؑ کی دعوت سے یہ بشارات منظر عام پر آئی

حضرت نوحؑ نے انھیں مغفرت کی تلقین تاکہ اللہ کی بخشش اور رحمت کے حق دار ہوں۔ اللہ کا خوف دل میں پیدا کریں۔ اس کی عبادت کریں۔ اور نبی کی اطاعت کریں تو اللہ ان کے گناہوں کو بخش دے گا ان سے دنیا کے عذاب سے بچائے گا اور ان کی موت میں تاخیر کی جائے گی۔ اور آخرت کے نہ ختم ہونے والے عذاب سے بھی چھٹکارہ مل جائے گا اگر اللہ کی طرف متوجہ ہوں گے تو اللہ کے فضل پر فضل کے مستحق قرار پائیں گے اور اللہ بارشوں

---

[1] مومنون:۲۳

[2] الشعراء:۱۰۶

[3] ایضاً:۱۱۰

کی صورت میں ان پر رحمت کا نزول اور دنیا کی زیب وزینت یعنی مال اور اولاد کی کثرت فرمائے گا اور آخرت میں باغات اور بہتی نہریں اس کا مقدر ہوں گی۔ اور اگر انھوں نے برائی کی روش ہی اختیار کئے رکھی۔ اپنی نافرمانیوں اور سرکشی سے باز نہ آئے تو دنیا میں بھی عذاب خداوندی کا شکار ہونگے اور آخرت میں بھی نہ ختم ہونے والا عذاب ان کے لئے تیار رہے گا۔

حضرت ھود علیہ السلام

قرآن مجید میں حضرت نوحؑ کے بعد جن پیغمبر کا ذکر آتا ہے وہ حضرت ھودؑ ہیں۔ حضرت نوحؑ کی آٹھویں پشت پر اور حضرت عیسیٰؑ سے دو ہزار سال پہلے حضرت ھودؑ کو ایک متکبر، سرکش، ظالم اور طاقت کے نشے میں مخمور قوم عاد کی طرف رسول بناکر بھیجا گیا۔ یہ سرزمین احقاف میں آباد قوم تھی۔ اسے قوم ارم([1]) بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں انھیں عاد اور قوم ارم سے پکارا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ -إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ- الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ﴾ [2]

(کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا۔ یعنی عاد ارم کے ساتھ۔ جو اس قدر قد آور تھی کہ ان کا مثل دنیا بھر میں پیدا نہیں کیا گیا۔)

دعوت کا موضوع:

حضرت ھودؑ کی دعوت کا موضوع ایک رب کی عبادت، شرک کا ابطال، اور ان کے ظلم وستم پر خبر دار کرنا شامل تھا۔ قوم عاد بتوں کی پجاری تھی۔ اس کے علاوہ اور بہت ساری برائیوں، حق کو جھٹلانا، کمزوروں پر ظلم وستم ڈھانا، نبی برحق کی تکذیب اور مذاق اڑانا اس قوم کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ حضرت ھودؑ نے اپنی قوم کو بت پرستی اور ان کی برائیوں پر انذار کیا، انھیں ایک اللہ کی عبادت کی تلقین کی۔

ایک اللہ کی بندگی:

اس طرح حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایک اللہ کی بندگی کرنے کا حکم دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾[3]

---

1 ارم اس نشان کو کہتے ہیں جو پتھروں سے بنادیا جاتا ہے اس کی جمع ارام ہے اور پتھروں کو ارم کہا جاتا ہے اور اسی سے غصہ کرنے والے آدمی کے متعلق کہا جاتا ہے۔ فلان یحرق الارم یعنی فلاں مارے غصے کے دانت پیستا ہے اور سورۃ الفجر میں جو لفظ آیا ہے اس ارم سے بلند اور مزین ستون مراد ہیں۔

2 الفجر:٦۔٨

3 الاحقاف:٢١

(اور عاد کے بھائی کو یاد کریں۔ جب اُنھوں نے مقام احقاف پر ڈر سنایا جبکہ ان کے لیے پہلے اور ان کے بعد کئی ڈرانے والے انبیاء گزرے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں)

﴿وَإِلَى عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ﴾[1]

(اور ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔)

﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُه اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾[2]

(کہ اللہ کی بندگی کرو، تمہارے لیے اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے، کیا تم ڈرتے نہیں ہو)

"ولقد أرسلنا، إلى عاد أخاهم هودا آمرا لهم بعبادة الله وحده لا شريك له، ناهيا لهم عن عبادة الأوثان التي افتروها واختلقوا لها أسماء الآلهة"[3]

اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف اپنا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنا کر بھیجا، انہوں نے قوم کو اللہ کی توحید کی دعوت دی۔ اور اس کے سوا اوروں کی پوجا پاٹ سے روکا۔ اور بتلایا کہ جن کو تم پوجتے ہو ان کی پوجا خود تم نے گھڑ لی ہے۔ بلکہ ان کے نام اور وجود تمہارے خیالی گھڑے ہوئے ہیں۔

حضرت ھودؑ کا قوم کو ظلم و ستم پر تنبیہ:

حضرت ھودؑ کی قوم جسمانی طاقت اور جاہ وجلال کی وجہ سے غرور و تکبر میں مبتلا تھی اور دوسروں پر ظلم و ستم کرتی اور طاقت کے نشے میں خدا کا احساس ان کے اندر ختم ہو گیا جس کا ذکر قرآن میں یوں آیا ہے

﴿فأما عاد فاستكبروا في الأرض بغير الحق وقالوا من أشد منا قوة﴾[4]

(پس جہاں تک عاد کا تعلق ہے انھوں نے زمین میں کسی حق کے بغیر تکبر کیا اور بولے ہم سے زیادہ زور آور کون ہے)

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

"قال الله تعالى: {فأما عاد فاستكبروا في الأرض أي: بغوا وعتوا وعصوا،{وقالوا من أشد منا قوة}أي: منوا بشدة تركيبهم وقواهم، واعتقدوا أنهم يمتنعون به من بأس الله ،وإن بطشه شديد،

---

1 ھود:۵۰

2 المومنون:۳۲

3 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۴/۳۲۹

4 فصلت:۱۵

فإنها كانت ريحا شديدة قوية؛ لتكون عقوبتهم من جنس ما اغتروا به من قواهم، وكانت باردة شديدة البرد جدا ""[1]

(حضرت ھود کی قوم نے فساد برپا کر دیا تھا وہ سرکشی اور غرور کی حد پار کر گئے تھے اور ان کی ہمت اور لا پرواہی کا یہ عالم تھا کہ کہنے لگے کہ ہم سے زیادہ کسی میں طاقت نہیں ہے۔ اللہ کا عذاب ہمیں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ ہم بہت طاقتور ٹھوس اور مضبوط ہیں سو ان کے اس تکبر کی وجہ سے اور اللہ اور اس کے رسولوں کے منکر ہونے پر اللہ کے عذاب کا شکار ہوئے ان پر تیز آندھی آئی جو تیز و تند سر سراتی ہوئی اور خوفناک تھی۔ اس لیے کہ ان کا غرور خاک میں مل جائے اور وہ تباہ و برباد کر دیے جائیں۔)

﴿أتبنون بكل ريع آية تعبثون- وتتخذون مصانع لعلكم تخلدون - وإذا بطشتم بطشتم جبارين- فاتقوا الله وأطيعون - واتقوا الذي أمدكم بما تعلمون- أمدكم بأنعام وبنين- وجنات وعيون -إني أخاف عليكم عذاب يوم عظيم﴾[2]

(یہ تمہارا کیا حال ہے کہ ہر اونچے مقام پر لا حاصل ایک یادگار عمارت بنا ڈالتے ہو۔ اور بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو جبار بن کر ڈالتے ہو، پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ڈرو اس سے جس نے وہ کچھ تمہیں دیا ہے جو تم جانتے ہو۔ تمہیں جانور دیئے، اولاد دی۔ باغ دیئے اور چشمے دیئے۔ مجھے تمہارے حق میں ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔)

"حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم پر اللہ تعالیٰ کی دو نعمتوں کا ذکر فرمایا ایک تو یہ کہ انھیں حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ان کی زمین کا وارث بنایا اور دوسری یہ کہ ان کو قوم نوح سے زیادہ بڑی جسامت اور قوت عطا فرمائی۔ ان نعمتوں کو یاد کرو یعنی ایسے عمل کرو جو ان نعمتوں کے لائق ہوں یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کی نعمتوں کا شکر کرو۔"[3]

دعوت کا انداز:

آپؑ کی دعوتی انداز میں خلوص اور بے لوثی تھی۔ آپؑ نے اپنی قوم کو ان الفاظ میں نصیحت کی:

﴿أبلغكم رسالات ربي وأنا لكم ناصح أمين﴾[4]

1 ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۷/۱۶۹

2 الشعراء:۱۲۸۔۱۳۵

3 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۴/۲۰۵

4 الاعراف:۶۸

(تم کو اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں 'اور تمہارا خیر خواہ ہوں جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے)

﴿إني لكم رسول أمين - فاتقوا الله وأطيعون﴾[1]

(میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔)

بے لوثی

﴿وما أسألكم عليه من أجر إن أجري إلا على رب العالمين﴾[2]

(میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے)

﴿يا قوم لا أسألكم عليه أجرا إن أجري إلا على الذي فطرني أفلا تعقلون﴾[3]

(اے برادران قوم، اس کام پر میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا اجر تو اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، کیا تم عقل سے ذرا کام نہیں لیتے؟)

حضرت ھودؑ کے انذار کا تذکرہ سید قطب یوں کرتے ہیں کہ

''وقد أنذر أخو عاد قومه، ولم يكن أول نذير لقومه. فقد سبقته الرسل إلى أقوامهم.وقد خلت النذر من بين يديه ومن خل-قريبا منه وبعيدا عنه في الزمان وفي المكان. فالنذارة متصلة، وسلسلة الرسالة ممتدة. والأمر ليس بدعا ولا غريبا. فهو معهود مألوف.أنذرهم- ما أنذر به كل رسول قومه۔''[4]

(عاد کے بھائی ہودؑ نے اپنی قوم کو ڈرایا، حضرت ہودؑ کوئی پہلے نبی نہ تھے بلکہ آپؑ سے پہلے بھی کئی قوموں میں اللہ کی طرف سے انبیاء بھیجے گے اور ڈرانے والے نبی آپؑ سے پہلے بھی آتے رہے اور بعد میں بھی زمان و مکان کے اعتبار سے ان کے قریب بھی تھے اور ان سے دور بھی تھے۔ کیونکہ لوگوں کو انجام بد سے ڈرانے کا سلسلہ اللہ نے اپنی مخلوق کے لئے جاری رکھا، دعوت و رسالت زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے۔ یہ کوئی عجیب و غریب اور غیر معمولی بات تو نہ تھی۔ آگے آتا ہے کہ ان کو اس چیز اور اس دعوت اور اسی بات سے ڈراؤ جس سے تمام رسول ڈراتے رہے۔)

سورۃ الاعراف میں حضرت ھود کے انذار کے حوالے سے ہے۔

﴿أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَلَى رَجُلٍ مِنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ﴾ [5]

(کیا تمہیں اس بات سے تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی تم ہی میں ایک

---

1 الشعراء:۱۲۵۔۱۲۶

2 ایضاً:۱۲۷

3 ھود:۵۱

4 سید قطب، فی ظلال القرآن،۶/۳۲۶۶

5 الاعراف:۶۹

شخص کے واسطہ سے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے)

﴿ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا إِنَّ رَبِّي عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ﴾[1]

(اگر تم روگردانی کروگے تو جو پیغام مجھے دے کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، وہ میں نے تمہیں پہنچا دیا ہے، اور میرا رب تمہاری جگہ اور لوگوں کو لا بسائے گا، اور تم اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نقصان نہیں کرسکتے، میرا رب تو ہر چیز پر نگہبان ہے)

"یعنی وہی صراط مستقیم کی جانب رہنمائی کرتا ہے اور وہ ملتا بھی صراط مستقیم پر چلنے سے ہے حضرت ہود علیہ السلام کی ساری تقریر توحید کے ایک مبلغ وداعی کے لیے ہمیشہ کے لیے نمونہ ہے۔"[2]

طلب نصرت

قوم عاد کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اب کوئی استدلال کی گنجائش باقی نہیں رہی لہذا سنت انبیاء کے مطابق ہودؑ نے اللہ تعالیٰ سے نصرت طلب کی۔ سورہ مومنون میں اس کا ذکر یوں آیا ہے:

﴿ قال رب انصرني بما كذبون- قال عما قليل ليصبحن نادمين﴾[3]

(پروردگار، ان لوگوں نے جو میری تکذیب کی ہے اس پر اب تو ہی میری نصرت فرما۔ جواب میں ارشاد ہوا قریب ہے وہ وقت جب یہ اپنے کیے پر پچھتائیں گے)

حضرت هودؑ کے دعوتی اسلوب میں تبشیر و انذار

حضرت هودؑ نے نبوت ملنے کے بعد اپنی قوم کو ایک اللہ کی طرف دعوت دی۔ انکی قوم چونکہ بت پرستی میں مبتلا تھی۔ ان کا کام کمزوروں پر پر ظلم و ستم کرنا تھا۔ اس کے علاوہ ایمان لانے والے لوگوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اور نبیوں اور حق کی تکذیب کرتے تھے۔ اس بنا پر حضرت هودؑ نے انھیں پہلے انذار کیا۔ صرف اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا۔ ساتھ اپنی اطاعت کا حکم دیا۔ شرک سے منع کیا۔ انھیں حضرت نوحؑ کی قوم کا عذاب یاد دلایا۔

حضرت هودؑ نے بشارتیں دے کے اپنی قوم کو راہ راست پر لانے کی کوششیں کی۔ انھیں اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی یاد دلائی۔ کہ اللہ نے انھیں جسمانی طاقت و قوت عطا کی۔ انھیں قوم نوحؑ کے بعد زمین کا وارث بنایا۔ انھیں بے شمار جانور، باکثرت اولاد، باغات، چشمے دیے۔ اب ان نعمتوں کے بعد انھیں اللہ کا شکر ادا کرنا

---

1 هود:۵۴-۵۷

2 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۵۰۳

3 المومنون:۳۹-۴۰

چاہیے۔ تاکہ وہ آگے بھی کامیاب رہیں۔ اور اپنے سابقہ گناہوں پر مغفرت کریں تو اللہ انھیں بخش دے گا۔ ان پر مزید بارش کا نزول کرے گا۔ اور ان کو مزید قوت اور طاقت سے نوازے گا۔ لیکن افسوس ان پر کسی قسم کی نصیحت کارگر نہ ہوئی کیونکہ وہ طاقت کے نشے میں تھے۔ اور اپنی طاقت و قوت پر فخر کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قوم نوحؑ کی طرح اللہ کے عذاب کا شکار ہوئی۔

حضرت صالح علیہ السلام

قوم ثمود کی طرف حضرت صالحؑ کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ ثمود بھی عاد کی طرح بتوں کی پجاری تھی۔ ان کو قرآن مجید میں اصحاب الحجر کے نام سے پکارا گیا۔

قوم ثمود اپنے خالق حقیقی سے ناآشنا تھی۔ ان کا کام بڑے بڑے پہاڑوں کو تراش کر عظیم الشان محلات تعمیر کرنا۔ ان کا تمدن بگڑ چکا تھا۔ اور یہ اپنے انجام سے بالکل بے خبر تھے۔

"وسميت باسم أبيهم الأكبر ثمود بن عامر بن إرم بن سام بن نوح"

یہ اپنے جد اعلیٰ ثمود بن عامر کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوئے[1] اور ان کو عاد ثانیہ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ قوم عاد کے مومنین کی اولاد میں سے ہیں

"وَهِيَ قوم عاد والأخرى قوم صالح--- وَهُوَ مَعْطُوف عَلَى عَادًا {فَمَا أَبْقَى} مِنْهُمْ أَحَدًا"[2]

(قوم نوح کے بعد ہلاک ہونے والی یہ پہلی قوم ہے اسی کو عاد اولیٰ کہتے ہیں، صرف وہ لوگ بچے تھے جو حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لائے تھے ان کی نسل کو عاد اخریٰ یا عاد ثانیہ کہتے ہی، عاد اخریٰ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی)

انھیں اصلاح اور ہدایت دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت صالحؑ کو منتخب کیا۔ انھوں نے دن رات اپنی قوم کو سمجھایا۔ انھیں ایک اللہ کی وحدانیت کی تعلیم دی بتوں کی پوجا پاٹ سے منع کیا لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ انھوں نے حضرت صالح کی نبوت کو جھٹلایا اور ان کا تمسخر اڑایا بلکہ وہ ان سے یہ کہتے تھے

"اگر ہمارا طریقہ غلط ہوتا اور ہمارا دین باطل ہوتا تو آج ہم کو یہ دھن دولت، سرسبز و شاداب باغات، میوہ جات اور پھلوں کی کثرت اور یہ بلند، عالی شان، مضبوط اور مستحکم مکان حاصل نہ ہوتے۔ تم خود اپنا حال دیکھو اور اپنے پیروکاروں کی غربت اور افلاس پر نظر ڈالو اور پھر بتاؤ کہ خدا کے نزدیک مقبول تم ہو یا ہم ہیں۔"[3]

---

1 آلوسی، شہاب الدین، روح المعانی، (البیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵)، ۴/ ۴۰۰

2 سیوطی، جلال الدین، تفسیر جلالین، ۱/ ۷۰۴

3 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۴/ ۲۰۹

قوم ثمود کا تذکرہ قرآن مجید میں کہیں مختصر اور کہیں تفصیل کے ساتھ سورۃ الاعراف، الشعراء، نمل، ھود، حجر، فصلت، النجم، القمر، الحاقہ اور الفجر میں آیا ہے

عبادت رب:

حضرت صالحؑ نے بھی حضرت نوحؑ اور حضرت ھودؑ کی طرح اپنی دعوت کا آغاز اللہ کی عبادت اور بندگی سے کیا سورہ ھود میں اس کا ذکر یوں ہوا ہے۔

﴿وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ﴾ [1]

(اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا تو انہوں نے کہا کہ اے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں)

"لیکن حضرت صالح کی قوم کا جواب یہ تھا یعنی تم جو ہمارے اور اپنے آباواجداد کے طریقوں کے خلاف یہ نئی تعلیم دے رہے ہو سو یہ تو ہمارے دل میں اترتی نہیں، اور نہ ہمارا دماغ اسے قبول کرنے پر آمادہ ہے۔"[2]

سورہ اعراف میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[3]

(اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا اس نے کہا: اے قوم! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور تمہارے پاس تمہارے رب کی کھلی دلیل آگئی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی کے طور پر ہے۔ لہٰذا اسے چھوڑے رکھو کہ اللہ کی زمین میں چلتی پھرے اس کو کسی برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمھیں دردناک عذاب دیا جائے گا)

"والسياق هنا، لأنه يستهدف الاستعراض السريع للدعوة الواحدة، ولعاقبة الإيمان بها وعاقبة التكذيب، لا يذكر تفصيل طلبهم للخارقة، بل يعلن وجودها عقب الدعوة"[4]

یہاں کلام کے سیاق سے اصل مطلوب یہ ہے کہ اسلام کی دعوت اپنے اصولوں کے اعتبار سے ایک ہے اور بتایا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لانے والے لوگوں کا انجام کیا ہوتا ہے اور جو لوگ انکار کرتے ہیں اور اس دعوت کو جھٹلا

---

1 ھود:۶۱۔۶۳

2 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۵۰۴

3 الاعراف:۷۳

4 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۳/۱۳۱۳

دیتے ہیں ان کا حشر کیا ہوتا ہے۔

دعوت کے دلائل:

دعوت کے دلائل میں حضرت صالحؑ نے سابقہ نبیوں کی طرح اپنی بے لوثی کی بات کی اس کے بعد نصیحت ان سے ہمدردی و خیر خواہی کا اظہار کیا۔

بے لوثی:

حضرت صالحؑ نے اس بات کا اعلان کیا کہ وہ دعوت دین میں کسی قسم کے معاوضے اورر اجرت کا سوال نہیں کرتے بلکہ یہ تو اللہ کی رضا کے لئے اور قوم کی خیر خواہی کے لئے دعوت دے رہے ہیں۔ قرآن مجید میں ان کے قول کو یوں بیان کیا گیا ہے:

اسی طرح سورہ الشعراء میں حضرت صالحؑ کے انذار کا تذکرہ یوں بیان ہوا ہے۔

﴿ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ- إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ -فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ- وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (1)

(قوم ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے کسی معاوضے کا سوال نہیں کرتا میرا اجر تو تمام جہانوں کے رب کے پاس ہے)

’’فدعاهم نبيهم صالح إلى الله، عز وجل، أن يعبدوه وحده لا شريك له، وأن يطيعوه فيما بلغهم من الرسالة، فأبوا عليه وكذبوه وخالفوه‘‘ (2)

(قوم ثمود کو ان کے نبی نے ایک اللہ پر ایمان لانے کے لئے کہا اور ساتھ حضرت صالحؑ کو رسول ماننے کے لئے لیکن انھوں نے نہ صرف انکار کیا بلکہ آپؑ کو جھوٹا کہا اور کفر پر جمے رہے۔ انھیں اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن انھوں نے نہ پرہیز گاری اختیار کی اور نہ ہی رسول کے اپنے اندر موجود ہونے کے باوجود ہدایت اختیار کی)

نصیحت و خیر خواہی:

﴿فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ-﴾ (3)

---

1 الشعراء:۱۴۲۔۱۴۵

2 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۶/ ۱۵۵

3 الاعراف:۷۹

(اور صالح یہ کہتا ہوا ان کی بستیوں سے نکل گیا کہ "اے میری قوم" میں نے اپنے رب کا پیغام تجھے پہنچا دیا اور میں نے تیری بہت خیر خواہی کی مگر میں کیا کروں کہ تجھے اپنے خیر خواہ پسند ہی نہیں ہیں)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاد دہانی:

قوم ثمود کی نافرمانی کی بڑی وجہ ان کی خوشحالی تھی۔ حضرت صالحؑ انھیں بار بار یہ تنبیہ کرتے کہ ان کی یہ مادی ترقی انھیں اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکتی لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

﴿أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ- فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ- وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ- وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ- فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ-وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ-الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ-﴾(1)

(کیا جو چیزیں تمہیں یہاں حاصل ہیں ان میں تم بے خوف چھوڑ دیے جاؤ گے۔ اور باغات اور چشموں میں۔ کھیتوں اور نخلستانوں میں جن کے خوشے رس بھرے ہیں۔ تم پہاڑ کھود کھود کر ان میں عمارتیں بناتے ہو۔ تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ مسرفین کی بات نہ مانو۔ جو ملک میں فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔)

رد عمل:

داعی کا کام چونکہ دعوت دینا ہوتا ہے وہ مختلف طریقوں اور دلائل کو استعمال کرتا ہے تاکہ اس کی قوم راہ راست پر آجائے۔ اس لیے کہ دعوت کا مقصد انسانوں کی غلامی سے نکال کر ایک اللہ کی بندگی کی طرف لانا ہوتا ہے اسی وجہ سے حضرت صالحؑ نے بھی ہر ممکن کوشش کی کہ ان کی قوم راہ راست پر آجائے لیکن قوم کے مخالفانہ رد عمل کا قرآن میں یوں ذکر ہے

﴿قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ- مَا أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَأْتِ بِآيَةٍ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾(2)

(انھوں نے کہا: تو محض ایک سحر زدہ آدمی ہے۔ تو ہم جیسے ایک انسان کے سوا اور کیا ہے اگر تو سچا ہے تو کوئی نشانی لاؤ)

انھوں نے حضرت صالحؑ کو جھٹلایا اور آپ پر الزام تراشی کی جس کا ذکر قرآن میں یوں آیا ہے:

﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ- فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ- أَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِن بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ﴾(3)

---

1 الشعراء:۱۴۶۔۱۵۲

2 الشعراء:۱۵۳۔۱۵۴

3 القمر:۲۳۔۲۵

(ثمود نے تنبیہات کو جھٹلایا اور کہنے لگے۔ ایک اکیلا آدمی جو ہم میں سے ہی ہے، کیا اب ہم اس کے پیچھے چلیں؟ اس کا اتباع ہم قبول کر لیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم بہک گئے ہیں۔ اور ہماری عقل ماری گئی ہے۔ کیا ہمارے درمیان بس یہی ایک شخص تھا جس پر خدا کا ذکر نازل کیا گیا نہیں بلکہ یہ پرلے درجے کا جھوٹا اور لالچی ہے۔)

گویا کہ انھوں نے تین وجوہات کی بنا پر تکذیب کی ایک یہ کہ وہ بشر ہیں دوسری وجہ کہ آپ عام فرد ہیں جن کے پاس کوئی سرداری نہیں ہے اور تیسری وجہ یہ کہ وہ اکیلے ہیں ان کی کوئی جماعت نہیں ہے۔

حضرت صالحؑ کے دعوتی اسلوب میں تبشیر و انذار

حضرت صالحؑ نے اپنی قوم کو دعوت دیتے وقت انھیں راہ راست پر لانے کے لئے تبشیر و انذار کا اسلوب بھی اپنایا۔

انھیں ایک اللہ پر ایمان لانے کی تاکید کی۔ شرک اور بت پرستی سے منع فرمایا۔ اور ان کی قوم نے ان سے نشانی طلب کی۔ ان کی فرمائش کے مطابق انھیں نشانی اونٹنی کی صورت میں ملی تو حضرت صالحؑ نے اس اونٹنی کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے سے منع فرمایا اور اللہ کے عذاب سے خبردار کیا۔ اور استغفار کا حکم دیا کہ اللہ دعاؤں کو سننے والا ہے اور میرا اللہ دعاؤں کو سننے والا ہے کیونکہ وہ میرے پاس ہے

یہ بات کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ رب تو اپنے بندوں کے قریب ہے کہیں دور نہیں ہے بلکہ وہ تو قریب اور مجیب ہے وہ سوال کرنے والے کے سوال کو سنتا بھی ہے اور اس کو قبول بھی کرتا ہے۔ مشرکین جو اللہ اور بندے کے درمیان واسطہ ڈالتے ہیں اور اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ اس واسطے سے ہی ہم اپنے رب کو راضی کرتے ہیں جبکہ اللہ تو خود فرما رہا ہے کہ وہ بندے کے بالکل قریب ہے اور اسے سنتا ہے اور اس کی دعاؤں کو قبول بھی کرتا ہے مگر ان کی کوششوں کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر انھیں راہ راست پر لانے کے لئے بشارت دی کہ اگر وہ بتوں کو چھوڑ کر ایک اللہ پر ایمان لے آئیں۔ اور اللہ پاک سے بخشش مانگیں اس کی طرف رجوع کریں تو اللہ ان کو بخش دیں گے۔ کیونکہ وہ رجوع کرنے والے کے بہت قریب ہوتا ہے۔

حضرت صالح نے انھیں اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی یاد دلائی کہ ان پر اللہ کا شکر بجالائیں ورنہ ان کا حساب دینا پڑے گا۔ اور استغفار کریں تاکہ اللہ رحم فرمائیں۔ ان کی قوم نے الٹا حضرت صالحؑ سے شکوہ کیا کی آپ ہمیں باپ دادا کے دین سے ہٹا رہے ہیں بہتر ہے کہ آپ بھی اپنی اس تبلیغ سے باز آجائیں آپ نے ان کو بتایا کہ اللہ نے مجھ پر مہربانی کی ہے۔ کہ اس نے مجھے ہدایت، ایمان، نیکی اور تقویٰ سے سرفراز فرمایا۔ اور اب اگر میں منہ موڑ لوں تو خدا کے سواہ کون میرا مددگار ہوگا۔

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرایا۔ تو ان کا انتقام لینے کے لئے اللہ بہت غالب ہے۔ پس اس نے ان کو عذاب میں مبتلا کر کے نیست و نابود کر دیا اس میں تنذیر ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں ' انہیں اللہ کے غضب سے ڈرتے رہنا چاہیے تاکہ وہ بھی اسی عذاب میں نہ گرفتار ہو جائیں جس عذاب میں پچھلی تکذیب کرنے والی اقوام ہلاک ہو گئی تھیں اور فرمایا اللہ تعالیٰ بہت رحم فرمانے والا ہے کہ وہ بغیر استحقاق کے عذاب نازل نہیں کرتا اور استحقاق ثابت ہونے کے بعد بھی توبہ کا موقع فراہم کرتا رہتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیمؑ حضرت نوحؑ کی نویں پشت میں سے تھے۔ آپ کے والد کا نام تارخ اور چچا کا نام آذر[1] تھا۔ آپ اپنے والد کے ساتھ بابل شہر میں پروان چڑھے۔ بعد میں یہ سارا گھرانہ حران [2] نامی بستی میں آباد ہو گیا۔ یہاں کے باشندے ستاروں کے پوجنے والے اور قطبی ستارے کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے تھے۔ انھی ستاروں کے نام پر انھوں نے عبادت گاہیں بنائی ہوئی تھیں۔ اور ادھر ہی یہ عید کے موقعہ پر جمع ہوتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کا اپنا گھرانا بت پرست تھا۔ ان کا والد بت پرست اور بت فروش تھا۔ وہ لکڑی کے بت بناتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کو بچپن سے ہی بتوں سے سخت نفرت تھی۔ ان کی شخصیت کو یہ اولیت حاصل ہے کہ انھیں ایک مثال اور نمونے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾[3]

(تم لوگوں کے لیے ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا: ہم تم سے اور تمھارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں)

آپؑ کی دعوت میں وہ تمام عناصر آ گئے جو آنے والے کے لئے راہنمائی کا کام دیں گے کیونکہ آپؑ کے عہد میں ایک مستحکم مملکت وجود میں آ گئی تھی۔ قرآن مجید کی پچیس سورتوں اور تریسٹھ آیات میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر آیا ہے۔

1- اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد آزر تھے یا تارخ، اور عرب محاورات میں چچا پر باپ کا اطلاق ہوتا رہتا ہے۔ وہ ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن شاروغ بن عابر بن فالع ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے تفسیر تبیان القرآن، سورہ الانعام: ۷۴ میں مفسرین کی آراء موجود ہیں۔

2 یہ بستی اس وقت سرزمین شام میں واقع تھی۔ یہاں کے باشندے سات ستاروں کے پجاری تھے۔ اور قطبی ستارے کی طرف منہ کر کے پوجا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دمشق شہر کے سات دروازے تھے اور ہر دروازے پر ایک ستارے کے نام سے عبادت گاہ تعمیر کی گئی تھی۔

3 الممتحنہ: ۴

دعوت کا موضوع:

حضرت ابراہیمؑ نے دعوت کا آغاز اپنے گھر سے کیا۔ آپؑ کی دعوت کا موضوع شرک کا ابطال اور توحید کا اثبات تھا انھوں نے اپنے والد کو بت بنانے اور ان کو پوجنے سے منع کیا۔ کہ یہ بے جان بت کوئی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ انھیں شیطان کی پیروی اور اللہ کے غضب سے ڈرایا۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے۔

﴿إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا- يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا -يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا-يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا- قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا - قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا- وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي عَسَى أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ﴾[1]

(جب انہوں نے اپنے والد سے کہا کہ اے اباجان! آپ ایسی چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ تو سن سکتی ہیں اور نہ بولتی ہیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکتی ہیں۔ اباجان میرے پاس ایسا علم آگیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا لہذا آپ میرا کہا مانیں، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ اور اباجان، آپ شیطان کی بندگی مت کریں، کیونکہ شیطان تو بلاشبہ خدائے رحمان کا نافرمان ہے۔ اے میرے باپ! میں ڈرتا ہوں کہیں آپ کو رحمن کا کوئی عذاب نہ آپکڑے، پھر آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں۔ باپ نے کہا ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمھیں سنگسار کر دوں گا۔ پس تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے الگ ہو جاؤ ابراہیمؑ نے کہا! سلام ہے آپ کو میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کر دے۔ میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں آپ کو اور ان معبودوں کو جن کو آپ خدا کے سوا پوجتے ہو چھوڑتا ہوں۔ میں تو اپنے رب کو ہی پکاروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر نامراد نہ رہوں گا۔)

اسلوب دعوت:

آیات بالا میں وہ پورا مکالمہ نقل ہے جو حضرت ابراہیم اور ان کے مشرک والد کے درمیان ہوا۔ اس میں دعوت کا استدلال اور رد عمل بھی ہے اور دعوت کا اسلوب اور مخالف کا غرور بھی، ان کے ایک ایک لفظ سے ہمدردی، خیر خواہی اور دلسوزی ٹپکتی ہے۔ جب کہ باپ کے رد عمل میں تکبر اور تعصب واضح نظر آتا ہے

سنت انبیاء کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے بھی اپنی دعوت کا آغاز گھر سے کیا۔ سورہ الانعام میں اس کا ذکر

---

[1] مریم:۴۲۔۴۸

یوں آتا ہے۔

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾[1]

(اور ابراہیم کا واقعہ یاد کرو جب اس نے اپنے آزر سے کہا تھا: کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے؟ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں)

"كلمة يقولها إبراهيم- عليه السلام- لأبيه. وهو الأواه الحليم الرضي الخلق السمح اللين، كما ترد أوصافه في القرآن الكريم. ولكنها العقيدة هنا. والعقيدة فوق روابط الأبوة والبنوة، وفوق مشاعر الحلم والسماحة.وإبراهيم هو القدوة التي أمر الله المسلمين من بنيه أن يتأسوا بها. والقصة تعرض لتكون أسوة ومثالا"[2]

(تو کیا تم ان بتوں کو خدا کہہ رہے ہو میں تمھیں اور تمھاری قوم کو صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں یہ باتیں حضرت ابراہیم نے اپنے والد سے کیں۔ جبکہ آپؑ بڑے نرم مزاج اور برداشت والے تھے اور اس وقت تھے بھی ایک بیٹے کی حیثیت میں لیکن نظریہ حیات کی قدروقیمت صبر و تحمل اور ایک باپ بیٹے کے تعلق سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ آپؑ وہ شخصیت تھے کہ بعد والوں کو بھی آپؑ کی پیروی کا حکم دیا گیا اور قرآن میں اس قصے کو مثال کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔)

حضرت ابراہیمؑ کے والد نے ہدایت حاصل کرنے کے بجائے اپنے باپ دادا کے دین پر قائم رہنا پسند کیا۔ اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا۔ تو حضرت ابراہیم نے باپ کا رویہ دیکھ کر گھر سے باہر اللہ کی طرف دعوت دینے کا فیصلہ کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ﴾[3]

(پھر جب ابراہیم پر یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہوگئے۔ بیشک ابراہیم بڑے رحم دل برداشت کرنے والے تھے)

قوم سے خطاب:

﴿إذ قال لأبيه وقومه ما هذه التماثيل التي أنتم لها عاكفون﴾[4]

(جب اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا تھا یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی پوجا پر تم جم کر بیٹھ

---

1 الانعام:۷۴

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۱۱۳۹/۲

3 مریم:۱۱۴

4 الانبیاء:۵۲

گئے ہو۔)

﴿أف لكم ولما تعبدون من دون الله أفلا تعقلون﴾[1]

(تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کر رہے ہو۔ کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے) ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے ان پر افسوس کرتے ہوئے ان کو تنبیہ کی کہ

"وأنت تعلم أنها لا تنطق فعندها قال لهم إبراهيم لما اعترفوا بذلك: أي: إذا كانت لا تنطق،وهي لا تضر ولا تنفع، فلم تعبدونها من دون الله. أفلا تتدبرون ما أنتم فيه من الضلال والكفر الغليظ، الذي لا يروج إلا على جاهل ظالم فاجر؟ فأقام عليهم الحجة، وألزمهم بها"۔[2]

توکیا آپ کو علم نہیں کہ یہ بت بے زبان ہیں؟ عاجزی حیرت اور انتہائی لاجوابی کی حالت میں انہیں اس بات کا اقرار کرنا پڑا اب حضرت ابراہیمؑ کو موقعہ مل گیا اور آپ فرمانے لگے کہ بے زبان بے نفع وضرر چیز کی عبادت کیسی ؟ تم کیوں اس قدر بے سمجھ ہو رہے ہو؟ افسوس ہے تم پر اور تمہارے ان جھوٹے خداؤں پر آہ کس قدر ظلم وجہل ہے کہ ایسی چیزوں کی پرستش کی جائے اور اللہ واحد کو چھوڑ دیا جائے

﴿قال لقد كنتم أنتم وآباؤكم في ضلال مبين﴾[3]

(اس نے کہا تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے)

حضرت ابراہیمؑ نے ان سے کہا تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے، جب حضرت ابراہیمؑ نے ان سے پوچھا کہ تم ان آیتوں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اس کی کیا دلیل ہے؟ تو ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہ تھا کہ وہ اپنے باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں۔ تب حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: تم اور تمہارے باپ دادا تو کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔[4]

عملی اقدام:

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو بتوں کی پوجا سے روکا۔ انھیں بتایا کہ وہ بت اپنا دفاع نہیں کرسکتے۔ تو آپ کو اللہ کے غضب سے کیسے بچائیں گے۔ لیکن قوم کو شرک کی بیماری نے مفلوج کر رکھا تھا۔ وہ حق بات ماننے کے لئے تیار نہ تھے تو ابراہیم علیہ السلام نے ان کو انذار کا ایک نیا انداز اپنایا۔ ان کے بت خانے میں جاکر تمام بتوں کو توڑا اور انھیں

1 ایضاً:٦٧

2 ابن کثیر، القرآن العظیم، ٥/٣٥٠

3 الانبیاء:٥٤

4 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ٧/٦٠٢

زخمی کیا۔ اور کلہاڑا بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا۔ اور قوم کے پوچھنے پر ان کو جواب دیا کہ بڑے بت سے پوچھ لیں کہ ان کے ساتھ یہ کس نے کیا ہے۔ لیکن بے سود کہ لوگ جانتے بوجھتے حق کا انکار کر رہے تھے۔ محمود احمد تحریر کرتے ہیں کہ

"آپ کے دل میں یہ جذبہ موجزن تھا۔ کہ شاید قوم یہ منظر دیکھ کر سمجھ جائے کہ جب اپنا دفاع نہیں کر سکے۔ تو ہمارے لئے کیسے مفید ہو سکتے ہیں۔ لیکن شرک ایک ایسا مرض ہے کہ طبعی لطافت کو ختم کر دیتا ہے۔ قوم نے حقیقت جاننے کے بجائے الٹا حضرت ابراہیمؑ کو سبق سکھانے کا منصوبہ بنالیا"[1]

﴿فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ﴾[2]

(میرے تو یہ سب دشمن ہیں، بجز ایک رب العالمین کے)

"یعنی یہ معبود اور میرا سہارا تو کیا ہوتے، یہ تو اور دشمن ہیں، انہیں کے ذریعہ سے گمراہی پھیل رہی ہے۔ یہ تو واسطہ شرک اور باعث تباہی و بربادی ہیں۔"[3]

الغرض حضرت ابراہیمؑ پوری امت کے قائم مقام تھے۔ نظریاتی طور پر بالکل یک سو تھے۔ آپؑ کو بہت ساری آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ لیکن آپؑ ہر آزمائش پر پورے اترے۔ آپ نے ہمیشہ اللہ پر بھروسہ اور اس کی نعمتوں پر شکر ادا کیا۔ آپؑ کو خلیل اللہ کا لقب ملا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اور آخری نبی ﷺ کو حضرت ابراہیمؑ کی ملت پر قائم رہنے کا حکم دیا۔ جیسے کہ سورۃ النحل میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾[4]

(پھر ہم نے تمھاری طرف وحی بھیجی کی یکسو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقے پر چلو۔ اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے)

حضرت ابراہیمؑ کے دعوتی اسلوب میں تبشیر و انذار

﴿وقال إنما اتخذتم من دون الله أوثانا مودة بينكم في الحياة الدنيا ثم يوم القيامة يكفر بعضكم ببعض ويلعن بعضكم بعضا ومأواكم النار وما لكم من ناصرين﴾[5]

(اور اس نے کہا، تم نے دنیا کی زندگی میں تو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنے درمیان محبت کا ذریعہ بنالیا ہے مگر

---

1 محمود احمد غضنفر، حیات انبیاء، (لاہور: نعمانی کتب خانہ، ایس ٹی این پرنٹر، اپریل ۲۰۰۸ء)، ۱۳۰

2 مریم: ۱۱۴

3 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۶۸۷

4 النحل: ۱۲۳

5 العنکبوت: ۲۵

قیامت کے روز تم ایک دوسرے کا انکار اور ایک دوسرے پر لعنت کروگے اور آگ تمہارا ٹھکانا ہوگی اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا)

اسی طرح حضرت اسماعیلؑ کے دعوتی اسلوب کے بارے میں قرآن میں مختصر ذکر ہوا ہے۔ سورہ مریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّه كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا-وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَه بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّه مَرْضِيًّا-﴾[1]

(اور اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کرو۔ وہ وعدے کا سچا تھا اور رسول نبی تھا۔ وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک ایک پسندیدہ انسان تھا)

"وينوه من صفات إسماعيل بأنه كان صادق الوعد. وصدق الوعد صفة كل نبي وكل صالح، فلا بد أن هذه الصفة كانت بارزة في إسماعيل بدرجة تستدعي إبرازها والتنويه بها بشكل خاص.وهو رسول فلا بد أن كانت له دعوة في العرب الأوائل وهو جدهم الكبير. وقد كان في العرب موحدون أفراد قبيل الرسالة المحمدية، فالأرجح أنهم بقية الموحدين من أتباع إسماعيل. ويذكر السياق من أركان العقيدة التي جاء بها الصلاة والزكاة وكان يأمر بهما أهله.. ثم يثبت له أنه كان عند ربه مرضيا."[2]

حضرت اسماعیلؑ کے لئے صادق الوعد کی صفت لائی گئی ہے۔ ہر نبی اور صالح شخص کو وعدہ کا سچا ہونا چاہیے لیکن حضرت اسماعیل میں یہ صفت بہت ہی نمایاں تھی اس لئے انکی خصوصی صفات میں سے یہاں اس صفت کو بیان کر دیا گیا۔ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ رسول نبی تھے لہٰذا ان کی دعوت بھی مخصوص ہوگی۔ عرب میں حضور کے زمانے تک بعض موحدین پائے جاتے تھے۔ یہ انہی کی دعوت کے آثار باقیہ تھے۔ ان کے دین اور دعوت کے ارکان بھی یہاں گنوائے گئے ہیں 'زکوٰۃ اور صلوۃ اور اہل خانہ کو ان کی تلقین ان کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور یہ کہ اللہ کی بارگاہ میں وہ پسندیدہ انسان تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے شام کے ملک کی طرف حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ انہوں نے بھی ہجرت کی۔ اور ایک بستی "سدوم" جو کہ ملک شام کے نواح میں ہے وہاں کے لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔

---

1 مریم:۵۴۔۵۵

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۴/۲۳۱۳

دعوت کا موضوع اور انداز:

حضرت لوطؑ کی دعوت کا موضوع توحید تھا حضرت لوطؑ کا اپنی قوم کو دعوت میں خیر خواہی اور ہمدردی کا تذکرہ قرآن مجید میں یوں بیان ہوا ہے۔

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ- إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ - إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ - فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ - ﴾[1]

(لوط کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے۔ میں بلاشبہ تمہارے لیے اللہ کا رسول ہوں امانت دار ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔)

بے لوثی:

﴿وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾[2]

(اور میں تم سے اس پر کسی عوض کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے)

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

"فدعاهم إلى الله، عز وجل، أن يعبدوه وحده لا شريك له، وأن يطيعوا رسولهم الذي بعثه الله إليهم، ونهاهم عن معصية الله"[3]

(حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی نافرمانی چھوڑنے اور اپنی اطاعت کے لئے کہا اور انھیں بتایا کہ میں ان کی طرف رسول آیا ہوں انھیں اللہ کا حکم ماننے اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور انھیں بتادیا کہ میں تمھارے پیسے کا محتاج نہیں ہوں۔)

یہ قانون قدرت ہے۔ کہ جب کوئی قوم اخلاقی زوال کا شکار ہوتی ہے۔ اور اس میں انسانی قدریں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور اس میں خیر و بھلائی کو کوئی پہلو باقی نہیں رہتا۔ تو اس وقت اس پر عذاب نازل کر کے ہلاک کر دی جاتی ہے۔ اور یہی حال قوم لوط کے ساتھ بھی ہوا۔

انذار:

چونکہ حضرت لوطؑ کی قوم جرائم پیشہ تھی اس لئے ان کے انداز دعوت میں انذار کا پہلو غالب ہے۔ یہ قوم تین گھناؤنے جرائم میں مبتلا تھی ایک جرم یہ تھا کہ یہ مجموعی طور پر لواطت کی عادی تھی۔ دوسرا جرم یہ کہ سرعام

---

1 الشعراء:۱۶۰۔۱۶۳

2 ایضاً:۱۶۴

3 ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم،۶/۱۵۷

بد فعلی کرتے تھے۔ تیسرا جرم راہزنی، مسافروں کا مال لوٹ لیتے تھے۔ حضرت لوطؑ نے انھی کے حوالے سے اپنی قوم کو نصیحت کی۔ قرآن میں اس دعوت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا۔ سورۃ العنکبوت میں ان کے انذار کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ -أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ﴾ [1]

(اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم بے حیائی کا کام کرتے ہو تم سے پہلے اس کام کو دنیا جہان میں سے کسی نے نہیں کیا۔ کیا تم مردوں کے پاس آتے ہو اور رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں برا کام کرتے ہو) مزید ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ولوطا إذ قال لقومه أتأتون الفاحشة ما سبقكم بها من أحد من العالمين﴾ [2]

(اور لوط کو ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا 'پھر یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا "کیا تم ایسے بے حیا ہو گئے کہ وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا)

"لیکن قوم لوطؑ سے قبل اس گناہ کے وجود کا تاریخ سے بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حضرت لوطؑ کے قول میں دہری دہری ملامت اپنی قوم پر آگئی یعنی ایک تو یہ کہ ایسی شدید بدکاری میں مبتلا ہو اور پھر یہ کہ اس کے موجد بھی تم ہی ہو، یہ بھی تو نہیں کہہ سکتے کہ کسی اور کو دیکھ کر تم نے یہ بدکاری سیکھی ہو"(3)

﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِه اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ﴾ [4]

(اور لوط کو ہم نے بھیجا یاد کرو وہ وقت جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم آنکھوں دیکھتے بدکاری کرتے ہو)

"اور جاہلوں کی طرح بے حیائی کے کام کرتے تھے۔۔۔ تم اس برے کام کی سزا اور آخرت میں اس پر مرتب ہونے والے عذاب سے جاہل ہو اگر چہ تم کو اس کام کی برائی کا علم ہے۔"[5]

رد عمل:

﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ -قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي

---

1 العنکبوت:۲۸۔۳۰

2 الاعراف:۸۰

3 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۳۸۱

4 النمل:۵۴

5 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۸/ ۲۰۲

عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ﴾ [1]

(سو ان کی قوم کا جواب یہی تھا کہ تو اللہ کا عذاب لے آ۔ اگر تو سچوں میں سے ہے۔ لوط نے عرض کیا کہ اے میرے رب فساد کرنے والے لوگوں کے مقابلہ میں میری مدد فرمایئے)

مگر کچھ اثر نہ ہوا اور ایک بھی شخص راہ راست پر نہ آیا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں حضرت جبرئیلؑ اور میکائیلؑ اور اسرافیلؑ کو انسانی شکل کی صورت میں ان پر عذاب کے لیے بھیجا۔

حضرت لوطؑ کے انذار کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلَقَد أَنذَرَهُم بَطشَتَنَا فَتَمَارَواْ بِٱلنُّذُرِ﴾ [2]

(اور لوطؑ نے ان کو ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا سو انھوں نے ڈرانے میں شک کیا)

یہاں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے انذار کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے انبیاء کرام کو بھیجا۔ اور ان پیغمبروں کو شریعت بھی دیتا ہے۔ تاکہ اُس وقت کے لوگوں کو اللہ کی پکڑ سے خبر دار کریں۔ لیکن جب بندہ انکار کرتا ہے۔ ہدایت ملنے کے باوجود سرکشی میں مبتلا رہتا ہے تو پھر اللہ کی پکڑ میں رہتا ہے جو کہ انسان کے اپنے اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ﴾ [3]

(جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے وہ تمھارے اعمال کی وجہ سے پہنچتی ہے)

سو لوگ اپنی ہٹ دھرمی اور عناد کے نتیجے میں عذاب کا مستحق ٹھہرتے ہیں۔ جبکہ انبیاء کرام انھیں ہر پہلو سے انذار فرماتے ہیں کہ وہ اپنی اصلاح کرلیں اور اللہ کی سخت گرفت اور پکڑ سے بچ جائیں۔ لیکن جب لوگ اپنی روش نہیں بدلتے تو وہ خدا کی پکڑ میں آجاتے ہیں تو پھر مہلت ختم ہونے کے بعد اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ حضرت لوطؑ کی قوم لواطت کے جرم میں مبتلا تھی۔ اس سے پہلے قوموں کی تاریخ میں اس طرح کا جرم سامنے نہیں آیا۔ دوسرا یہ عام بدکاری کرتے تھے۔ اور چوری ڈاکا اور مسافروں کو لوٹنا ان کی عادت تھی۔ حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کو انذار فرمایا۔ کہ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ لیکن حضرت لوطؑ کے بارہا سمجھانے پر بھی قوم باز نہ آئی۔ آپ نے انھیں اس بدفعلی سے روکنے کے لئے انھیں قوم کی بیٹیوں سے نکاح کرنے کو کہا لیکن قوم نے ہٹ دھرمی دکھائی۔ آپؑ کی زوجہ بھی اس جرم میں قوم کے ساتھ تھی۔ اور اس سمیت اللہ کے عذاب کا شکار ہوئی۔

---

1 العنکبوت:۲۸۔۳۰

2 القمر:۳۶

3 الشوریٰ:۳۰

حضرت لوطؑ کی دعوت اسی اخلاقی برائی اور گھناؤنے انسانی جرم کے خلاف اصلاح و تطہیر کی دعوت تھی۔ جب تک انسان اس جرم کی طرف راغب ہوتا رہے گا اس وقت تک حضرت لوطؑ کی دعوت راہنمائی کا کام دیتی رہے گی اور قوم لوط کا انجام عبرت کا سامان مہیا کرتا رہے گا۔

حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت شعیب کو مدین کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ مدین کے رہنے والے لوگ عرب تھے۔ انکی قوم شرک میں مبتلا تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ تجارت میں بد دیانتی کی مرتکب تھی۔ مسافروں کو لوٹنا ان کا مشغلہ بن چکا تھا۔ یہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔ حضرت شعیب نے اپنی قوم کو ان برائیوں پر انذار کیا۔ بارہا سمجھانے کے بعد بھی یہ ان برائیوں سے باز نہ آئی

﴿وَاِلٰی مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴾[1]

(اور ہم نے مدین کی طرف ان کے ہم قبیلہ شعیب کو بھیجا '(انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اور روز قیامت کی توقع رکھو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو)

"وعبادة الله الواحد هي قاعدة العقيدة. ورجاء اليوم الآخر كفيل بتحويلهم عما كانوا يرجونه في هذه الحياة الدنيا من الكسب المادي الحرام بالتطفيف في الكيل والميزان، وغصب المارين بطريقهم للتجارة، وبخس الناس أشياءهم، والإفساد في الأرض، والاستطالة على الخلق."[2]

اللہ واحد کی بندگی کرنا اسلامی نظریہ حیات کی بنیاد ہے اور آخرت کی امیدواری کے ذریعہ یہ ممکن ہو سکتا تھا کہ وہ اس دنیا میں جو حلال و حرام سمیٹے چلے جا رہے تھے اور ناپ اور تول کے پیمانوں میں خیانت کر رہے تھے، اس سے باز آ جائیں۔ نیز وہ لوگوں کے حقوق مارتے تھے اور راہ زنی کرتے تھے۔ شاید خوف آخرت کی وجہ سے وہ ان جرائم سے باز آ جائیں۔ اس کے علاوہ بھی وہ لوگوں پر کئی قسم کی دست درازیاں کرتے تھے اور زمین میں فساد برپا کرتے تھے خوف آخرت سے ان کی اصلاح ہو سکتی تھی۔

حضرت شعیبؑ کے دعوتی اسلوب میں تبشیر و انذار

حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو اس بات کی بشارت دی۔ کہ اگر وہ اللہ سے بخشش مانگیں گے اور اس کی طرف رجوع کریں گے تو اللہ انھیں معاف کر دے گا۔ اللہ اپنے بندوں سے بہت پیار کرتا ہے۔ اس کی تائید اس

---

1 العنکبوت:۳۶

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۲۷۳۴/۵

آیت مبارکہ سے ہوتا ہے۔

﴿ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَى مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾[1]

(شعیب علیہ السلام نے کہا تم خود ہی سوچو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی شہادت پر تھا اور پھر اس نے مجھے اپنے ہاں سے اچھا رزق بھی عطا کیا تو اس کے بعد میں تمہاری گمراہیوں اور حرام خوریوں میں تمہارا شریک حال کیسے ہو سکتا ہوں اور میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تم کو روکتا ہوں ان کا خود ارتکاب کروں۔ میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں جہاں تک بھی میرا بس چلے اور یہ جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں اس کا سارا انحصار اللہ کی توفیق پر ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں)

﴿وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ﴾[2]

(اور مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر دل و جان سے رجوع کرو اسکی طرف بیشک میرا رب بڑا مہربان اور پیار کرنیوالا ہے۔)

ان کے انذار کا واقعہ سورہ شعراء میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

﴿كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ -إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ- إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ - فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ- وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ - أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ - وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ - وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴾[3]

(ایکہ[4] والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان سے شعیب نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے۔ بیشک میں تمہارے لیے سچا رسول ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔ اور تم سے اس پر کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا میرا ثواب تو بس رب العالمین ہی کے ذمہ ہے۔ تم پورا ناپا کرو، اور نقصان میں ڈالنے والے مت بنو۔ اور ٹھیک طرح سے وزن کیا کرو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دیا کرو، اور زمین میں فساد کرنے والے نہ بنو)

---

1 ھود:۸۸

2 ایضاً:۹۰

3 الشعراء:۱۷۶۔۱۸۳

4 جس علاقے میں یہ آباد تھے یہ بڑا سرسبز اور شاداب علاقہ تھا۔ یہاں پھلوں مختلف اقسام کے میوے اور خوشبودار پھولوں کی بہتات تھی۔ اس میں باغات اور گھنے درخت تھے۔ دور سے یہ علاقہ درختوں کا جھنڈ دکھائی دیتا تھا۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں اسے "ایکہ" والے کہا۔ کیونکہ ایکہ کا مطلب درختوں کا جھنڈ ہے۔

"يأمرهم تعالى بإيفاء المكيال والميزان، وينهاهم عن التطفيف فيهما، فقال أوفوا الكيل ولا تكونوا من المخسرين أي إذا دفعتم إلى الناس فكملوا الكيل لهم، ولا تخسروا الكيل فتعطوه ناقصا، وتأخذوه إذا كان لكم تاما وافيا، ولكن خذوا كما تعطون، وأعطوا كما تأخذون.يخوفهم بأس الله الذي خلقهم وخلق آباءهم الأوائل"[1]

(حضرت حضرت شعیبؑ اپنی قوم کو چیزوں کے ناپنے میں زیادتی اور کمی سے منع کرتے اور انھیں درست کرنے کی تلقین کرتے تھے اور ان سے فرماتے ہیں کہ کسی کے حق میں کمی نہ کرو اور پوری پوری شئے ناپ تول کر دیا کرو اور اسی طرح دوسروں سے لینے میں بھی کسی قسم کی زیادتی نہ کرو یہ کیا کہ لیتے وقت پورا لے لیتے ہو اور جب دیتے ہو تو کمی کر دیتے ہو۔ لین دین دونوں صاف اور پورا رکھو تولنے میں عدل سے کام لو ڈنڈی نہ مارو۔ زبردستی کسی کا مال نہ چھینو اور اللہ کے عذاب کا خوف اپنے دل میں رکھو۔)

﴿وَاِلٰي مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُه قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْـيَاۗءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾[2]

(اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا اس نے کہا اے برادران قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی صاف راہنمائی آگئی ہے۔ لہذا وزن اور پیمانے پورے کرو لوگوں کو انکی چیزوں میں گھاٹا نہ دو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ اس میں تمہاری بھلائی ہے۔ اگر تم واقعی مومن ہو)

"یعنی اے میری قوم تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو اور صرف اسی کو پکارو۔ اللہ کے سوا کوئی تمہارا کارساز نہیں۔ قوم شعیبؑ ان محرمات الٰہیہ کے ساتھ حرام کا برتاؤ نہیں کرتی تھی بلکہ ناپ تول کے ذریعے دوسرے کا حق مار لینے کو جائز سمجھتی تھی۔ اس لیے ان کو حکم دیا گیا کہ وہ ان محرمات کو حرام سمجھیں اور ان ناجائز طریقوں سے لوگوں کے حقوق تلف نہ کریں اور زمین میں شر و فساد نہ پھیلائیں"[3]

قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں حضرت شعیبؑ کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ سورہ ھود میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَإِلَى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُحِيطٍ﴾[4]

---

1 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۶/۱۵۹

2 الاعراف:۸۵

3 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۳۸۲

4 ھود:۸۴

(اور اہل مدین کی طرف ہم نے انکے بھائی شعیب کو بھیجا۔ آپ نے کہا اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے بغیر تمہارا کوئی خدا نہیں۔ اور نہ کمی کیا کرو ناپ اور تول میں، میں دیکھتا ہوں تمہیں کہ تم خوشحال ہو اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر اس دن کا عذاب نہ آجائے جو ہر چیز کو گھیر نے والا ہے

استغفار کا حکم:

تمھیں اپنے خالق سے توبہ اور استغفار کرنی چاہیے یعنی پہلے اپنے کفر اور شرک، ناپ تول میں کمی اور دیگر گناہوں پر نادم ہو کر ان کو ترک کرو اور آئندہ ان کو نہ کرنے کا عہد صمیم کرو پھر اپنے سابقہ کفر اور معاصی کی رب سے مغفرت طلب کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے سابقہ کفر کو اور معاصی کو معاف فرمادے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت رحیم اور کریم ہے اور توبہ اور استغفار کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ حضرت شعیبؑ کا یہ خطاب بہت مرتب اور منظم ہے۔

> "انھیں آخرت پر ایمان لانے کے لئے کہا۔ تاکہ اصلاح ہو سکے۔ انھیں انذار کیا کہ ناپ تول میں کمی کر کے وہ اپنا نقصان نہ کریں۔ آخر میں ان کو پھر عذاب سے ڈرایا اور توبہ اور استغفار کرنے اور ایمان لانے کی دعوت دی۔"[1]

لیکن حضرت شعیبؑ کی دعوت کا ان کی قوم نے کوئی اثر نہ لیا اور آگ اور زلزلہ کی صورت میں اللہ کا عذاب ان پر نازل ہوا۔ اور انھیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسفؑ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے تھے۔ قرآن کی ایک پوری سورت آپ کے نام پر ہے جس میں مفصل طور پر آپؑ کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز کون ہے۔ تو آپ ﷺ نے جواب دیا۔

((فَأَكْرَمُ النَّاسِ يُوسُفُ نَبِيُّ اللَّهِ ابْنُ نَبِيِّ اللَّهِ، ابْنِ نَبِيِّ اللَّهِ ابْنِ خَلِيلِ اللَّهِ))[2]

(سب سے زیادہ معزز یوسف نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ہیں)

دعوت الی اللہ:

آپ نے جیل کے اندر لوگوں کو اللہ کی وحدانیت کی طرف دی۔ اور انھیں آخرت کے انکار پر انذار کیا۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں مذکورہ ہے۔

---

1 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۵/ ۶۱۲

2 البخاری، الصحیح، کتاب الاحادیث الانبیاء، باب لقد کان فی یوسف واخوتہ، ح: ۳۳۷۴

﴿قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِه اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْــلِه قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾[1]

(یوسف نے کہا یہاں جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں ان خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ ان علوم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھ عطا کیے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں کا طریقہ چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں)

دعوت کا انداز:

آپؑ نے موقع و محل کی مناسبت سے دعوت کا آغاز کیا اور استدلال کو سادہ اور حقیقت پسندانہ انداز سے بیان کیا

﴿وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ذَلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ﴾[2]

(اور میں نے اپنے باپ دادوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کا اتباع کیا ہے، یہ ہمارے لئے کسی طرح بھی درست نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں، یہ ہم پر اور دوسرے لوگوں پر اللہ کا فضل ہے، اور لیکن بہت سے لوگ شکر ادا نہیں کرتے)

سید قطب فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف کی بات کس قدر دل نشین ہے اور وہ بات سے کس طرح بات نکالتے چلے جاتے ہیں اور کس قدر نرمی اور لطافت کے ساتھ بات کرتے ہیں۔ اس پورے قصے میں حضرت یوسف کی بات چیت کی یہ امتیازی خصوصیت ہے۔

"تجيء في اللحظة المناسبة من الناحية النفسية ليدخل بها إلى قلبيهما بدعوته إلى ربه وليعلل بها هذا العلم اللدني الذي سيؤول لهما رؤياهما عن طريقه."[3]

(آپؑ نے ان سے کہا کہ یہ وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا۔ یہ الفاظ حضرت یوسفؑ نے اس لیے استعمال کیے کہ ان لوگوں پر نفسیاتی اثر ہو جائے اور حضرت یوسف کی بات ان کے دل میں اتر جائے۔ اور وہ ان خوابوں کی تعبیر کی وجہ سے یوسف کی دعوت کو قبول کر لیں جبکہ یہ تعبیر نہایت ہی مخصوص انداز کی تھی۔)

﴿يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ- مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ

---

1 یوسف:۳۷

2 ایضاً:۳۸

3 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۱۹۸۸/۴

ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾[1]

(اے میرے جیل کے ساتھیوں کیا بہت سے معبود جدا جدا بہتر ہیں یا اللہ بہتر ہے جو تنہا ہے زبردست ہے جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں اللہ نے انکی کوئی سند نازل نہیں کی۔ اور سن رکھو کہ اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔ اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔)

حضرت یوسفؑ کے کردار اور ان کے رویہ اور برتاؤ اور مختلف مواقع پر ایمان کا موقف اور اظہار کے طریقے نے داعی کو ایک کلید مہیا کر دی ہے آپ کی شخصیت میں قوت ایمان، ضبط نفس، استقامت، صبر و شکر، عفت، عفو و درگزر، دیانت و امانت، اور اصلاح و تقویٰ جیسے اخلاق فاضلہ نمایاں نظر آتے ہیں۔

قوت ایمان:

حضرت یوسفؑ نے ان کو جو تعلیمات دیں ان میں ان کی ایمان کی پختگی کا پتہ چلتا ہے کہ ایک سے زیادہ خدا اس دنیا کے نظام میں فساد کو واجب کرتا ہے اور سلامتی اسی میں ہے کہ ایک ہی خدا ہو جو اس سارے نظام کو چلا سکے پھر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ بہت زیادہ خداؤں کا ماننا بہتر ہے یا ایک اللہ کو ماننا جو غالب ہے۔ یہ بت تو خود بنائے گئے ہیں یہ بنانے والے نہیں ہیں یہ مغلوب ہیں یہ غالب اور قاہر نہیں ہیں کیونکہ کوئی ان کو توڑنا یا خراب کرنا چاہے تو ان کے لئے ممکن نہیں ہے کہ یہ روک سکیں اور جب یہ اپنے آپ کو بچانے پر قادر نہیں ہیں تو دوسروں کو کیسے بچا سکتے ہیں اور نہ کسی قسم کا کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں

> "اور یہ جو فرمایا تھا ان متعدد اور مختلف خداؤں کا پوجنا بہتر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بنانے والے نے مختلف مقدار اور سائز کے بت بنائے تھے اور ان کے رنگ اور ان کی شکلیں بھی مختلف تھیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان بتوں کے بنانے والے جس رنگ، جس سائز اور جس شخص کے بت چاہتے تھے بنا لیتے تھے تو اے میرے بھائیو! یہ بتاؤ کہ ان متعدد اور مختلف اور مجبور اور مقہور بتوں کی پرستش کرنا بہتر ہے جو کسی سے ضرر دور کرنے اور نفع پہنچانے پر قادر نہیں ہیں یا اللہ کی عبادت کرنا بہتر ہے جو واحد ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور ہر خیر اور شر پر غالب ہے وہ جس سے چاہے ضرر دور کر دے اور جس کو چاہے نفع پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا ہی اس کی عبادت کو واجب کرتا ہے کیونکہ فرض کرو اگر دو خدا ہوتے تو ہم کو یہ علم نہیں ہے کہ ان دو میں سے ہم کو کس خدا نے پیدا کیا ہے اور کس نے ہم کو رزق دیا ہے اور کس نے ہم سے آفتوں اور مصیبتوں کو دور کیا ہے"[2]

---

1 یوسف:۳۹۔۴۰

2 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۵/ ۶۲۷

حضرت یوسف کے دعوتی اسلوب میں تبشیر وانذار

حضرت یوسفؑ کے حالات زندگی پر پوری سورت نازل ہوئی لیکن آپؑ کی دعوت کا ایک ہی واقعہ ہے جو آپ نے جیل میں دو آدمیوں کو دین کی طرف راغب کیا۔ اور آپ نے نفسیاتی طریقہ اپنایا۔ تاکہ بات ان پر اثر انداز ہو جائے۔ آپ نے انھیں اللہ پر ایمان لانے اور آخرت پر یقین رکھنے کو کہا۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے منع فرمایا۔ انھیں اللہ کے انعامات اور اللہ کے فضل پر شکر ادا کرنے کی تلقین کی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت میں توحید پر ایک یہ دلیل ہے کہ ایک سے زیادہ خداؤں کے مقابلہ میں ایک خدا کو راضی کرنا آسان ہے۔ اگر دو خدا ہوں تو ایک خدا کوئی اور حکم دے اور دوسرا خدا کوئی اور ایک کھانے کا حکم دے اور دوسرا نہ کھانے کا، اسی طرح ایک جاگنے کا حکم دے اور دوسرا سونے کا تو ایک شخص کے لئے دونوں کی اطاعت کرنا ممکن نہیں ہو سکتا اور جب کوئی شخص دو خداؤں کی اطاعت نہیں کر سکتا تو مختلف خداؤں کی اطاعت کیسے کر سکتا ہے تو اے میرے بھائیو اب مجھے بتاؤ کہ صرف اللہ کو ماننا بہتر ہے یا بہت زیادہ کو۔ اس طریقہ سے آپ نے ان کو ایک خدا پر ایمان لانے کی طرف متوجہ کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

قرآن نے جن انبیاء کو اولوالعزم کہا ہے ان میں حضرت موسیٰؑ کی شخصیت نمایاں ہے حضرت موسیٰؑ حضرت یعقوبؑ کی اولاد میں سے تھے۔ ان کا زمانہ سولہویں صدی قبل مسیح کا تھا۔ حضرت موسیٰؑ اس دور میں پیدا ہوئے۔ جب فرعون نے بنی اسرائیل کے گھر پیدا ہونے والے بیٹوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہوا تھا۔ لیکن اللہ کی قدرت سے آپؑ نے فرعون کے گھر میں شاہانہ انداز میں پرورش پائی۔ آپؑ کے کار دعوت میں نصیحت وہدایت کا بڑا سامان موجود ہے۔ قرآن حکیم کی سینتیس سورتوں اور پانچ سو چودہ آیات میں آپؑ کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔

دعوت کا موضوع:

تمام انبیاء کرام کو سب سے پہلے توحید کی دعوت دینے کا حکم دیا گیا کیونکہ توحید الٰہی کی حیثیت بنیادی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی آواز سنائی دی تو اس میں توحید ہی کی صدا تھی۔ دوسری ہدایت جو ہوئی وہ عبادت رب اور نماز کا حکم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾[1]

(بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میری ہی عبادت کرو۔)

---

[1] طٰہٰ:۱۴

”هذا أول واجب على المكلفين أن يعلموا أنه لا إله إلا الله، وحده لا شريك له - وحدني وقم بعبادتي من غير شريك - وأقم الصلاة عند ذكرك لي.“[1]

(میں ہی معبود ہوں کوئی اور نہیں۔ یہی پہلا فریضہ ہے تو صرف میری ہی عبادت کئے چلے جانا کسی اور کی کسی قسم کی عبادت نہ کرنا، میری یاد کے لئے نمازیں قائم کرنا)

﴿يَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾[2]

(اے موسیٰ میں ہی اللہ ہوں سارے جہاں کا مالک)

سب سے پہلے عقیدہ توحید کی بات کی اس لئے کہ یہ مرکز دین ہے اور تمام نبیوں نے سب سے پہلے شرک کے خلاف ہی جہاد کیا۔ پھر اس آیت مبارکہ میں نماز کے لئے اقامت کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے اندر اہتمام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ نماز کا حکم اللہ کے ذکر کو قائم و دائم رکھنے کے لئے دیا گیا ہے۔ یہ تو عمومی دعوت تھی خصوصی دعوت فرعون کی اصلاح اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانا تھی۔ حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے پہلے فرعون کو دعوت دینے کا حکم دیا۔

﴿وَقَالَ مُوْسٰي يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ حَقِيْقٌ عَلٰي اَنْ لَّا اَقُوْلَ عَلَي اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ﴾[3]

(میرا منصب یہی ہے کہ اللہ کا نام لے کر کوئی بات حق کے سوا نہ کہوں، میں تم لوگوں کے پاس تمہارے رب کی طرف سے صریح دلیل ماموریت لے کر آیا ہوں، لہذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے)

”وباسم تلك الحقيقة الكبيرة.. حقيقة الربوبية الشاملة للعالمين.. طلب موسى من فرعون أن يطلق معه بني إسرائيل.إن بني إسرائيل عبيد لله وحده فما ينبغي أن يعبدهم فرعون لنفسه! إن الإنسان لا يخدم سيدين، ولا يعبد إلهين. فمن كان عبدا لله، فما يمكن أن يكون عبدا لسواه. وإذ كان فرعون إنما يعبد بني إسرائيل لهواه فقد أعلن له موسى أن رب العالمين هو الله“[4]

(اب اس عظیم حقیقت کے عنوان سے اور اللہ کی ربوبیت عامہ اور حاکمیت شاملہ کے نظریہ کے تحت موسیٰ علیہ السلام نے یہ مطالبہ کیا کہ فرعون بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ کے ساتھ واپس اپنے وطن جانے کی اجازت دے دے۔ بنی اسرائیل صرف اللہ کے بندے اور غلام تھے۔ لہذا فرعون کو یہ حق نہ پہنچتا تھا کہ وہ انہیں اپنا بندہ اور غلام بنا

1 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۵/ ۲۷۷

2 القصص: ۳۰

3 الاعراف: ۱۰۵

4 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۳/ ۱۳۴۶

لے کیونکہ کوئی بھی انسان دو آقاؤں کا غلام نہیں بن سکتا۔ نہ وہ دو الٰہوں کا معبود بن سکتا ہے، جو شخص عبد اللہ ہو وہ کسی اور کا عبد نہیں ہو سکتا۔ ایک طرف فرعون بنی اسرائیل کو اپنی خواہشات کا غلام بنا رہا تھا اور دوسری جانب حضرت موسیٰ یہ اعلان کر رہے تھے کہ صرف اللہ ہی رب العالمین ہے)

گویا کہ حضرت موسیٰ کی دعوت کا ایک پہلو فرعون کو ایک اللہ کی بندگی کی دعوت دینا، اسے راہ راست دکھانا اور دوسرا بنی اسرائیل جو ان کے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے تھے

﴿اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَا اَنَّ الْعَذَابَ عَلي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾[1]

(بیشک ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ اسی پر عذاب ہو گا جس نے جھٹلایا اور پیٹھ پھیری)

رد عمل:

آپؑ نے فرعون کو رب العالمین پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ تو فرعون کے رد عمل میں جہاں ربوبیت الٰہی کا استہزا تھا وہاں اپنے استکبار کی وجہ سے الوہیت و ربوبیت کا دعویٰ بھی تھا اس کا جواب یہ تھا کہ اگر میرے علاوہ کسی اور کو رب مانا تو میں قیدی بنا کر سخت سزا دوں گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِين﴾[2]

(فرعون نے کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمہیں قید کر دوں گا)

"هذه هي الحجة وهذا هو الدليل: التهديد بأن يسلكه في عداد المسجونين. فليس السجن عليه ببعيد. وما هو بالإجراء الجديد! وهذا هو دليل العجز، وعلامة الشعور بضعف الباطل أمام الحق الدافع. وتلك سمة الطغاة وطريقهم في القديم والجديد! غير أن التهديد لم يفقد موسى رباطة جأشه.. وكيف وهو رسول الله؟ والله معه ومع أخيه؟ فإذا هو يفتح الصفحة التي أراد فرعون أن يغلقها ويستريح. يفتحها بقول جديد، وبرهان جديد"[3]

یہ ہے سرکشوں کی دلیل اور حجت یہ کہ تمہیں جیل میں ڈال دیا جائے گا۔ جیل تو تیار ہے اور دور بھی نہیں ہے اور یہ کچھ نیا نہیں ہے جب سرکش عاجز آجاتے ہیں اور جب ان کو احساس ہو جاتا ہے کہ ان کا موقف تو سچائی کے مقابلے میں کمزور پڑ رہا ہے تو پھر لاجواب سرکشوں کا قدیم زمانے سے یہ آخری ہتھیار ہوتا ہے لیکن حضرت موسیٰ حوصلہ نہیں ہارتے۔ آخر وہ رسول برحق ہیں۔ ان کے اور ان کے بھائی کے ساتھ، اللہ بھی کھڑا ہے اور دیکھ رہا ہے چنانچہ فرعون جس بحث کا سلسلہ ختم کرنا چاہتا تھا حضرت موسیٰ اس کا دوسرا باب کھول دیتے ہیں۔ آپ ایک نئے

---

1 طٰہٰ:۴۸

2 الشعراء:۲۹

3 سید قطب، فی ظلال القرآن،۵/۲۵۹۳

موضوع پر سوال کر دیتے ہیں ایک نیا استدلال

﴿قال أولو جئتك بشيء مبين ﴾[1]

(موسیٰ نے کہا "اگرچہ میں لے آؤں تیرے سامنے ایک صریح چیز بھی)

حضرت موسیٰ نے فرعون کا جواب سن کر بڑی استقامت کا مظاہرہ کیا اور بجائے خوفزدہ ہونے کے فرعون کو دلائل و استدلال اللہ کے عطا کردہ معجزات سے دعوت دین کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی۔

اسلوب دعوت:

حضرت موسیٰ نے چونکہ فرعون کے گھر میں پرورش پائی اور انھیں اس کے انداز فکر اور طرز عمل کا تجربہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے انھیں دعوت کے سلسلے میں نہ صرف انھیں حفاظت کے لئے معجزے عطا کیے بلکہ زبان کے بارے میں بھی ہدایات دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اذْهَبْ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي- اذْهَبَا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى - فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى﴾[2]

(تم اور تمھارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور میرے ذکر میں ڈھیلے نہ پڑنا۔ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ بے شک وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔ پس اس کو نرمی کے ساتھ دعوت دینا، شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے۔)

حضرت موسیٰ نے دعوت کے سلسلے میں جو اسلوب اختیار کیا ایک ذکر الٰہی یعنی داعی کا انذار، اس کی دعوت، دوسرا نرم لہجے میں گفتگو تاکہ دعوت اثر انداز ہو اور تیسرا مقصد دعوت یا دعوت کا نتیجہ کہ شاید وہ نصیحت حاصل کر لے یا اس کے دل میں خوف یعنی مخاطب میں تذکر اور خشیت پیدا ہو۔ اور ساتھ ہی قوم کو اللہ کی نصرت مانگنے اور صبر کرنے کی تلقین بھی کی۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿قَالَ مُوْسٰي لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾[3]

(موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا" اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے، اور آخری کامیابی انہی کے لیے ہے جو اس سے ڈرتے ہوئے کام کریں)

---

1 الشعراء:۳۰

2 طٰہٰ:۴۲۔۴۴

3 الاعراف:۱۲۸

"فكان خلاف ما رامه وضد ما قصده فرعون. وهكذا عومل في صنيعه أيضا، إنما أراد قهر بني إسرائيل وإذلالهم، فجاء الأمر على خلاف ما أراد: نصرهم الله عليه وأذله، وأرغم أنفه، وأغرقه وجنوده.ولما صمم فرعون على ما ذكره من المساءة لبني إسرائيل، {قال موسى لقومه استعينوا بالله واصبروا} ووعدهم بالعاقبة"[1]

قدرت نے فرعون کی چال کو ناکام بنا دیا وہ اور اس کی قوم غرق ہو کر رہ گئی اور بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے عروج و ترقی دی حضرت موسیٰ نے فرعون کے تکبر اور ظلم کے مقابلے میں صبر و تحمل سے کام لیا اور اپنی قوم کو بھی اس بات سے آگاہ کیا کہ اللہ پہلے ہی فرما چکا ہے کہ تم لوگ ہی ہر طرح سے اچھے رہو گے بس تم اس سے صبر اور مدد مانگتے رہو۔

حضرت موسیٰ کے دعوتی اسلوب میں تبشیر و انذار

فرعون کے بنی اسرائیل پر ظلم و ستم اور شدید ہو گئے۔ تب حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو اللہ سے مدد مانگنے اور صبر کی تلقین کی انھیں یہ بشارت دیتے کہ یہ زمین اللہ کی ہے اور اللہ جس کو چاہے گا اس کا وارث بنائے گا۔ اور صبر کرنے والوں اور متقیوں کا انجام اچھا رہے گا۔ اور بنی اسرائیل کو یہ بشارت بھی دیتے کہ جلد ہی اللہ انھیں دشمن کے مقابلے میں فتح نصیب کرے گا۔ اور اس سر زمین کے مالک ہوں گے۔

الغرض حضرت موسیٰؑ کی دعوتی ذمہ داریوں کا ایک دور یہاں ختم ہوا کہ انھیں تاریخ کے سب سے بڑے مجرم کا سامنا تھا۔ کار دعوت میں آپؑ نے صبر و استقامت اور عزم و ہمت کی شاندار مثال قائم کی۔ آپؑ نے معجزات اور دلائل و براہین سے فرعون اور اس کی قوم کو دعوت دی لیکن جب مخاطبین میں ہدایت قبول کرنے کے آثار باقی نہیں رہتے تو تب اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو محفوظ کرنے اور معاندین کو ان کے برے انجام تک پہنچانے کا سامان کرتا ہے اور ایسا ہی فرعون کے ساتھ بھی ہوا۔

فرعون سے نجات پانے کے بعد بنی اسرائیل کو دعوت دینی شروع کی۔ لیکن آپکی قوم نے ایک نافرمانی کے بعد دوسری نافرمانی کی۔ آپ نے انھیں جہاد کی ترغیب دی۔ اللہ کی نعمتوں کی یاد دہانی کروائی۔ لیکن اس کے باوجود ان کی قوم نے سرکشی اختیار کی۔ ناحق انبیاء کرام کو قتل کیا۔ ان کی تکذیب کی، یہاں تک کہ جب حضرت موسیٰ کوہ طور پر گئے۔ تو قوم شرک میں مبتلا ہو گئی۔ اور ایک بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ پھر تورات کو ماننے سے انکار کیا۔ غرض انھوں نے حضرت موسیٰ کو تکلیف اور اذیت پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آپؑ نے ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات پائی۔

---

1 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۳/۴۶۰

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰؑ آل یعقوب کے آخری نبی تھے۔ آپؑ کو رشد و ہدایت کے لئے کتاب انجیل مقدس دی۔ آپؑ اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان کوئی اور نبی نہیں آئے۔ آپؑ کا ذکر قرآن مجید کی چودہ سورتوں میں ہوا۔ ابن مریم، کلمۃ، روح، مسیح، اور عبد اللہ کے ناموں سے آپؑ کا تذکرہ قرآن میں ہوا ہے۔ آپؑ کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا جو انبیاء کرام کے طریق دعوت اور طرز عمل سے آگاہ تھے۔ آپؑ کی دعوت میں جہاں دعویٰ رسالت ہے وہاں آپؑ سابقہ شریعت کی تصدیق بھی کرتے تھے

دعوت کا موضوع:

آپؑ کی دعوت کا موضوع اور اسلوب بھی وہی ہے جو سابقہ انبیاء کرام کا تھا آپؑ کی دعوت کے بنیادی نکات بھی اللہ کی بندگی، رسول کی اطاعت اور تقویٰ ہی تھے اس کے علاوہ آپؑ انھیں حلت حرمت کی تعلیم دینے کے لئے مبعوث ہوئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

حلت و حرمت کا الٰہی قانون:

انبیاء کی دعوت کا ایک اساسی اصول قوانین الٰہی کی پابندی ہے۔ حلال و حرام اور جواز و عدم جواز کے وہی پیمانے درست ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔ بنی اسرائیل نے من مانے قوانین بنا رکھے تھے اور ان کے مذہبی گروہ نے خود ساختہ شریعت مسلط کر رکھی تھی۔ حضرت عیسیٰ نے انھیں خود ساختہ شریعت کی جگہ حلت و حرمت کا الٰہی دستور بتایا۔ جیسے قرآن میں ارشاد ہے:

﴿وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ﴾[1]

(اور میں تعلیم وہدایت کی تصدیق کرنیوالا بن کر آیا ہوں جو تورات میں سے اس وقت میرے زمانہ میں موجود ہے۔ اور اس لیے آیا ہوں کہ تمہارے لئے بعض ان چیزوں کو حلال کردو جو تم پر حرام کی گئیں ہیں۔)

تقویٰ اور اطاعت رسول:

﴿وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ﴾[2]

(میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانیاں لیکر آیا ہوں۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو)

---

1 آل عمران:۵۰

2 ایضاً

یعنی اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول کی تکذیب کی جرأت نہ کرو۔ حضرت عیسیٰؑ کی اصل تعلیم اسی عبدیت اور اسی توحید کی تھی۔ ان کی قوم نے اسے مسخ کرکے تثلیث بنادیا۔ جو شرک ہی کی ایک کھلی ہوئی شکل ہے۔ اس کے بعد ایک اللہ کی بندگی کرنے کی طرف دعوت دی۔

بندگی رب:

ایک رب کی عبادت پیغمبرانہ دعوت کا اصل الاصول ہے۔ حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک ہر نبی کی دعوت میں یہ اصول موجود رہا ہے۔ لوگوں کی انفرادی اور اجتماعی گمراہی اور فساد کا سبب بندگی رب سے انحراف ہی ہے حضرت عیسیٰؑ نے بھی پر زور لہجے میں بندگی رب پر اور تقویٰ پر زور دیا۔ قرآن مجید اس دعوت کا ذکر یوں کرتا ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾[1]

(کچھ شک نہیں کہ خدا ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے)

"اس میں اشارہ اسی طرف ہے کہ اللہ کے مخلوق، مربوب اور عبد ہونے کے اعتبار سے پیغمبر اور امتی سب یکساں ہیں۔ "فاعبدوہ"۔ یعنی صرف اسی کی پرستش کرو، بغیر کسی کی شرکت وآمیزش کے۔۔۔ تثلیث کا شرک جن ظالموں کی بھی ایجاد ہو بہر حال حضرت مسیح کا دامن اقدس اس آلودگی سے بالکل پاک اور منزہ ہے۔"(2)

﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾[3]

(میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا آپ نے حکم دیا تھا، یہ کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ میں اسی وقت تک ان سے خبردار تھا جب تک ان میں رہا جب آپ نے مجھے واپس بلالیا تو پھر ان کی خبر رکھنے والے آپ ہی تھے اور آپ ہر چیز سے خبردار ہیں۔)

"ما قلت لهم إلا ما أمرتني به: أن اعبدوا الله ربي وربكم، وكنت عليهم شهيدا ما دمت فيهم، فلما توفيتني كنت أنت الرقيب عليهم، وأنت على كل شيء شهيد."[4]

میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا آپ نے حکم دیا تھا ' یہ کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی

1 آل عمران:۵۱

2 دریابادی، تفسیر ماجدی،۱۶۸

3 المائدہ:۱۱۷

4 سید قطب، فی ظلال القرآن،۲/۱۰۰۰

ہے اور تمہارا رب بھی۔ اور آپؑ یہ فرماتے ہیں کہ میں تو ان پر نگران صرف اس وقت تک کے لئے تھا جب میں ان کے سامنے تھا۔ لیکن اپنی وفات کے بعد میں نگران نہ تھا۔

حضرت عیسیٰ کے دعوتی اسلوب میں تبشیر وانذار

حضرت عیسیٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ میری دعوت اور میں بنی اسرائیل کے لیے اجنبی نہیں ہیں انھوں نے کہا کہ میں سابقہ شریعت یعنی تورات کی تصدیق کر رہا ہوں اور مجھ پر ایمان لانے والے اسی شریعت یعنی تورات کے ہی پابند ہوں گے اور میں ان احکام کا پابند ہوں جن کا حکم تورات دیتی ہے. اور کچھ چیزیں جو تمھارے لئے حلال تھی اور تم پر حرام ہو گئی تھی ان کو حلال کرنے کے لئے آیا ہوں۔ اور باقی ماندہ تعلیم میرے بعد ایک نبی آئے گا جو تمھیں دے گا۔ اور میں واضح اعلان کر رہا ہوں کہ ہم دونوں کا رب اللہ کی ذات ہے صرف اسی کی بندگی کرو اور یہی سیدھا راستہ ہے حضرت عیسیٰؑ نبوت ملنے سے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے تک مسلسل اپنی قوم کو دعوت دیتے رہے۔ آپ نے اپنی زندگی اسی تبلیغ کے لئے وقف کر دی۔ انھوں نے ایک اللہ پر ایمان لانے ،اسی کی عبادت کرنے اور اپنی اطاعت کا حکم دیا۔ مگر آپ جتنی کوشش کرتے اسرائیلی اتنی آپ کی مخالفت کرتے۔ یہاں تک کہ آپ کی جان کے درپے ہو گئے۔ جب آپؑ تیس سال کے ہوئے تو نبوت دی گئی اور تین سال بعد تینتیس سال میں زندہ اٹھا لئے گئے۔ اور آپ کی قوم تین خداؤں کی قائل ہو گئی۔ جبکہ آپ نے انھیں توحید کا درس دیا تھا۔

حضرت محمد ﷺ

حضرت محمد ﷺ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپؐ پر اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید نازل ہوئی۔ قرآن مجید رشد وہدایت کی کتاب ہے۔ اور آپؐ راشد وہادی ہیں۔ آپؐ قرآن کا عملی نمونہ اور اسوہ ہیں۔ قرآن مجید کا ہر ایک جملہ اور اس کی آیات کسی نہ کسی حیثیت میں آپؐ کی صفات سے تعلق رکھتی ہیں۔ لہٰذا دوسرے انبیاء کی طرح یہ محدود نہیں کیا جاسکتا کہ آپؐ کا ذکر قرآن مجید میں کتنی بار ہوا ہے۔ آپؐ کا ذکر پورے قرآن پر محیط ہے۔

آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ تمام انبیاء ایک خطے ایک قوم کی طرف مبعوث کیے گئے تھے ان کی تعلیم صرف انھی کی قوم کے لئے تھی۔ لیکن حضرت محمد ﷺ کو قیامت تک کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا۔ اور آپ ﷺ کی تعلیم بھی قیامت تک کے لوگوں کے لئے ہے۔

دعوت کا موضوع:

آپ ﷺ نے مختلف مراحل میں اپنی قوم کو دعوت و تبلیغ کی۔ اور اپنی دعوت میں مختلف اسلوب اپنائے۔ آپ ﷺ کی دعوت کا موضوع عقیدہ توحید اور خالص اللہ کی بندگی سے تھا۔ آپ ﷺ نے نبوت ملتے ہی

دعوت اسلام شروع کر دی۔ پہلے خفیہ تبلیغ جاری رکھی۔ بعد میں اعلانیہ تبلیغ کا سلسلہ شروع ہوا۔

توحید کی دعوت:

عرب والے بتوں کے پجاری تھے تو آپ ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز توحید سے کیا۔ کہ اے لوگو! اس بات پر ایمان لاؤ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں کیونکہ یہی بات تمھیں آخرت میں نجات دلائے گی اور آپ ﷺ نے دعوت کا آغاز اپنے خاندان سے شروع کیا۔ آپ ﷺ نے اپنے خاندان کو دعوت طعام پر بلایا۔ اور انھیں ایک رب کو ماننے کی طرف دعوت دی۔

"والله الذي لا إله إلا هو إني لرسول الله إليكم خاصة وإلى الناس كافة، والله لتموتن كما تنامون، ولتبعثن كما تستيقظون، ولتحاسبن بما تعملون، ولتجزون بالإحسان إحسانا وبالسوء سوآ وإنها لجنة أبدا، أو لنار أبدا، والله يا بني عبد المطلب ما أعلم شابا جاء قومه بأفضل مما جئتكم به؟ إني قد جئتكم بأمر الدنيا والآخرة"[1]

(اس اللہ کی قسم اسکے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے۔ میں اللہ کی طرف سے رسول مبعوث ہوا ہوں، سارے جہان کے لوگوں کے لیے اور تمھاری طرف خاص طور پر۔ بخدا تمھیں نیند کی طرح اچانک موت آئے گی۔ اور جیسے تم خواب سے بیدار ہوتے ہو اس طرح تم مرنے کے بعد زندہ کیے جاؤ گے۔ اور جو کام تم کرتے ہو اس کا حساب لیا جائے گا۔ اچھے اعمال پر اچھا بدلہ اور برے اعمال پر بری جزا ملے گی اور تمھارا ٹھکانہ یا تو ابدی جنت یا ابدی جہنم ہو گا۔ اور اے عبد المطلب کی اولاد میں تم سب کے لئے دین و دنیا کی خیر و برکت لے کر آیا ہوں۔ دنیا میں کوئی بھی شخص اپنی امت کے لیے اس سے بہترین تحفہ نہیں لایا۔ میں تمھارے لئے دنیا اور آخرت کی خیر و برکت لے کر آیا ہوں۔)

﴿وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ﴾[2]

(تم سب کا ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ رحم کرنے والا اور نہایت مہربان ہے)

عقیدہ توحید کی طرف بلانا ہی آپ ﷺ کی دعوت کا اصل موضوع تھا اور اس اصل عظیم کو قائم کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دیا۔

آپ ﷺ نے کوہ صفاء سے مکہ والوں کو پکار کر یوں بشارت دی۔ کہ اگر تم اس بات کا اقرار کرو کہ اللہ کے

1 الحلبی، احمد بن ابراہیم، السیرۃ الحلبیۃ، (البیروت: دار الکتاب العلمیہ، ۱۴۲۷ھ)، ۱/۴۰۵

2 البقرہ: ۱۶۳

سوا کوئی معبود نہیں تو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمھارے حق میں گواہی دوں گا۔ اور تمھاری شفاعت کروں گا۔

پھر ان کو دین کی طرف راغب کرنے کے لئے یہ اسلوب اپنایا کہ:

اے قوم قریش اگر تم نے کلمہ توحید قبول کر لیا تو سارے عرب میں تمھارے دین کا ہی بول بالا ہو گا۔ وہ تمھارے ہی طریقے کو اپنالیں گے۔ اور عجم بھی تمھارا مطیع ہو جائے گا۔

قوم کا رد عمل:

﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ- وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَى آلِهَتِكُمْ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ﴾[1]

(کیا اس نے سارے خداؤں کی جگہ بس ایک ہی خدا بنا ڈالا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اور سرداران قوم یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ "چلو اور ڈٹے رہو اپنے معبودوں کی عبادت پر یہ بات تو کسی اور ہی غرض سے کہی جا رہی ہے)

آپ ﷺ تیرا سال تک مکی زندگی میں اسلام کی دعوت پھیلانے میں سرگرم رہے۔ آپؐ نے مکہ کی گلیوں کوچوں میں گھوم پھر کر اسلام کی تبلیغ کی۔ آپؐ بازاروں، میلوں، کعبہ کی زیارت کے لئے آنے والے وفود کو دعوت دین دی۔ عقیدہ توحید کی طرف بلانا ہی آپ ﷺ کی دعوت کا اصل موضوع تھا اور اس اصل عظیم کو قائم کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دیا۔ سورہ زمر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ - وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ - قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ- قُلِ اللَّهَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَهُ دِينِي﴾[2]

(اے نبی ﷺ ان سے کہو، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس کی بندگی کروں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے میں خود مسلم بنوں۔ کہو، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔ کہہ دو کہ میں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اسی کی بندگی کروں گا، خوب سن رکھو)

((إِنَّكَ سَتَأْتِي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الكِتَابِ، فَإِذَا جِئْتَهُمْ فَادْعُهُمْ إِلَى أَنْ يَشْهَدُوا أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ))[3]

(آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا اور یہ نصیحت فرمائی: تم اہل کتاب کے پاس جا رہے ہو، انھیں سب سے پہلے لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، کی گواہی دینے کی طرف بلاؤ)

---

1 الصف:۵۔۶

2 الزمر:۱۱۔۱۴

3 البخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب بعث ابی موسیٰ، و معاذ الی الیمن، ح ۴۳۴۷

طائف میں دعوتی سرگرمیاں:

دعوت کے سلسلے میں جب آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ کے ہمراہ طائف کا ارادہ کیا تو آپؐ نے وہاں دس روز قیام کیا اور عوام وخواص کے سامنے دین اسلام کی حقانیت کو بیان کیا، آپؐ نے طائف کے روساء کو دعوت دی لیکن ہر طرف سے آپؐ کو مایوسی ہی ہوئی۔، کیونکہ انھوں نے نہ صرف دعوت کو جھٹلایا بلکہ آپؐ کا مذاق اڑانا شروع کر دیا لیکن آپؐ نے دین اسلام کی خاطر سب کچھ برداشت کیا اور ان کے لئے ہدایت کی دعا کی۔

اسلوب دعوت:

دعوت دین میں آپ ﷺ کا گفتگو کا انداز، دعوت کا اسلوب اور لوگوں کو ان کے ذہن کے مطابق تفہیم کا طریقہ کار بہت ہی دلنشین تھا۔ آپ ﷺ کبھی دعوت دین میں سننے والوں کو زبانی سمجھاتے اور کبھی مٹی پر لکیریں لگا کر بات ذہن نشین کرائی جاتی۔ آپ ﷺ نے تاریخی واقعات کے ذریعے اور کبھی اشاروں کنایوں سے لوگوں کو دین کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی۔ آپؐ نے چیخ چیخ کر اور غصے میں نہ کبھی دعوت دی بلکہ اپنے صحابہ کرامؓ کو بھی نرمی اور آسانی کرنے کا حکم دیا۔

طرز تکلم:

آپؐ نے دین کی دعوت میں ہمیشہ نفسیات انسانی کو پیش نظر رکھا، آپؐ نفسیات انسانی کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت سے مالا مال تھے۔ آپؐ دوسروں سے ملاقات کے دوران چند ہی لمحوں میں اس کے مزاج، اس کے سمجھنے کی استعداد کو جانچ لیتے پھر اسی کے مطابق اس سے گفتگو فرماتے۔

موقع محل کی مناسبت سے استدلال

آپؐ موقع محل دیکھ کر گفتگو فرماتے۔ آپؐ ایک مرتبہ نماز عصر کے بعد خطبہ ارشاد فرمارہے تھے اتنے میں سورج غروب ہونے لگا آپؐ چونکہ دنیا کی بے ثباتی پر خطبہ دے رہے تھے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اب دنیا کی گزری ہوئی عمر کے مقابلے اتنا حصہ رہ گیا ہے جتنا کہ اس سورج کو غروب ہونے میں۔ دنیا کی بے ثباتی کی بہترین مثال آپؐ نے فرمائی۔ اسی طرح پہلی دفعہ کوہ صفا پر دعوت میں آپؐ نے لوگوں سے اپنی سچائی کا اعتراف کروایا اور پھر انھیں ایمان لانے کی طرف بلایا۔

اصول تدریج

آپؐ نے تیرا سالہ مکی دور میں تدریج کا اسلوب اپنایا، پہلے لوگوں کو عقائد کی تعلیمات کی تبلیغ کی پھر جب ان میں عقائد راسخ ہو گئے پھر انھیں دوسرے احکام سکھائے

تالیف قلب:

آپؐ کا وہ سلوک جو آپؐ نے غیر مسلموں اور نو مسلموں کے ساتھ رکھا تاکہ وہ دین کی طرف رغبت اور استقامت حاصل کریں۔ وہ دوسروں کی دلجوئی تھا۔ اسی طرح آپؐ نے فتح مکہ کے بعد عام معافی کا اعلان کیا آپؐ کے اس رویئے اور اسلوب سے بہت سارے لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی اسلوب میں تبشیر و انذار

آپؐ کی ساری تعلیمات ہی نیکیوں پر بشارت اور برے اعمال پر انذار پر مشتمل تھی۔ جیسے سیرت ابن ہشام میں ہے۔ کہ نبیؐ پاک نے اپنی بعثت کا مقصد لوگوں کو تبشیر و انذار کرنا بتایا۔

”وَلَكِنَّ اللَّهَ بَعَثَنِي إِلَيْكُمْ رَسُولًا، وَأَنْزَلَ عَلَيَّ كِتَابًا، وَأَمَرَنِي أَنْ أَكُونَ لَكُمْ بَشِيرًا وَنَذِيرًا، فَبَلَّغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي، وَنَصَحْتُ لَكُمْ، فَإِنْ تَقْبَلُوا مِنِّي مَا جِئْتُكُمْ بِهِ، فَهُوَ حَظُّكُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“[1]

قریش کا ایک وفد مطالبات لے کر آیا اور معجزات کا مطالبہ کرنے لگا۔ تو آپؐ نے یوں جواب دیا۔ کہ (اللہ نے مجھے ان کاموں کے لئے نہیں بھیجا۔ بلکہ مجھ پر کتاب نازل کی۔ اور مجھے حکم دیا کہ میں تمھیں بشارت دوں اور تمھیں ڈراوں۔ پس اب میں نے تم تک اپنا پیغام پہنچا دیا اگر تم عمل کروگئے تو دونوں جہانوں کی کامیابی ملے گی۔)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقوں پر لوگوں کو خوش خبری سنائی اور انذار کیا۔ اس کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اس سے نیکی اور اطاعت اور شکر گزاری کا جذبہ بڑھتا ہے جیسے غزوہ تبوک کے موقع حضرت عثمان نے جب بہت سارا مال اللہ کی راہ میں دیا۔ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بشارت اور دعا دی۔

”غَفَرَ اللَّهُ لَكَ يَا عُثْمَانُ مَا أَسْرَرْتَ وَمَا أَعْلَنْتَ وَمَا أَبْدَيْتَ وَمَا أَخْفَيْتَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا يُبَالِي عُثْمَانُ مَا عَمِلَ بَعْدَهَا “[2]

(اے عثمان اللہ تمھیں بخش دے جو دولت تم نے دی اور جو دولت تم رکھ کر آئے ہو اور جو کچھ قیامت تک رونما ہونے والا ہے۔ آپؓ کو کوئی پروہ نہیں ہونی چاہیئے کہ کوئی نیک عمل کریں۔)

کہ آج کے بعد اگر وہ کوئی عمل نہ بھی کریں تو یہ ان کے لیے کافی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میرے اندر اور زیادہ نیکی کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس طرح حضرت کعب بن مالک نے جب اللہ سے توبہ

---

1 ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، (شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابي الحلبي واولادہ بمصر، ۱۳۷۵ھ) ۱/ ۲۹۶

2 الأصفهاني، أبو نعيم أحمد بن عبد الله، فضائل الخلفاء الأربعة، (المدينة المنورة: دار البخاري للنشر والتوزيع،)، ۱۴۱۷ھ، ۱/ ۸۵

کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی جس کی بنا پر انھوں نے تھوڑا سا مال رکھ کر باقی سب اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دیا۔ اس طرح نبی پاک ﷺ نے صبر کرنے والوں کو بشارتیں دی آپ ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر کو جو اسلام کی راہ میں بہت ستائے گئے انھیں فرمایا:

''أبشر، عمار، تقتلك الفئة الباغية'' (1)

''انھیں شہادت کی خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا۔ اے عمار تمھیں بشارت ہو کہ تمھیں باغی لوگ شہید کریں گے''

اس طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ جو سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے تھیں اور آپ رضی اللہ نے اسلام کے لیے بہت سارا مال وقف کیا۔ اور ہر مشکل وقت میں نبی پاک کی ڈھارس بنی رہی۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کے ذریعے جنت میں محل کی خوشخبری دی۔ حدیث نبوی ہے:

((أَنْ يُبَشِّرَهَا بِبَيْتٍ مِنْ قَصَبٍ فِي الْجَنَّةِ)) (2)

''کہ حضرت خدیجہ کو جنت میں محل کی بشارت دے دیں''

((وفي رواية عن أبي طارق رضي الله تعالى عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم بسوق ذي المجاز يعرض نفسه على قبائل العرب يقول: «يا أيها الناس قولوا لا إله إلا الله تفلحوا۔))(3)

(ابو طارق سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ کو ذوالمجاز کی منڈیوں میں دیکھا قبائل کے سامنے دعوت دین دیتے ہوئے یوں بشارت دے رہے تھے اے لوگو کہو! کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے ایسا کہو گے تو دونوں جہانوں کی کامیابی پاؤ گے۔)

''حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا شمار طبقہ صحابہ کے جلیل القدر علماء میں ہوتا تھا۔ حضور ﷺ کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہتے نعلین مبارک پہناتے سرکار دو عالم ﷺ نے انھیں جنت کی بشارت سنائی تھی۔''(4)

بشارت کے ساتھ ساتھ انذار کے پہلو کو بھی مد نظر رکھا۔ حدیث نبوی ﷺ ہے۔ کہ آپؐ نے کوہ صفاء سے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا

((يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لاَ أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللهِ ضَرًّا وَلاَ نَفْعًا، يَا مَعْشَرَ بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لاَ أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللهِ ضَرًّا وَلاَ نَفْعًا، يَا مَعْشَرَ بَنِي

---

1 الذھبی، شمس الدین ابو عبد اللہ، تاریخ اسلام، (بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۹۹۳) ۳/۵۷۷

2 المسلم، الجامع الصحیح، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل خدیجہ، ح ۲۴۳۲

3 الحلبی، السیرۃ الحلبیۃ، ۲/۳

4 الازھری،، ضیاء النبی ﷺ، ۲/۲۴۱

قُصَيٍّ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لاَ أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلاَ نَفْعًا، يَا مَعْشَرَ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لاَ أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلاَ نَفْعًا، يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ أَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لاَ أَمْلِكُ لَكِ ضَرًّا وَلاَ نَفْعًا))[1]

(اے اہل قریش اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ میں تمھارے لئے کوئی اختیار نہیں رکھتا کہ تمھیں اللہ کے پاس سے کوئی فائدہ یا نقصان دلاؤں اور اے بنو عبد المناف تم بھی خود کو آگ سے بچاؤ کیونکہ میں اللہ کے نزدیک تمھیں فائدہ یا ہلاکت کا اختیار نہیں رکھتا ہوں۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے بنو قصی، بنو عبد المطلب اور فاطمہ بنت محمد کو بلا کر کہا کہ اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ میں تمھارے لئے اللہ کے ہاں کسی نقصان یا فائدے کا اختیار نہیں رکھتا اور حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ تم قرابت کی وجہ سے حق رکھتی ہو اور یہ حق میں دنیا میں ہی پورا کروں گا اور جہاں تک تعلق ہے آخرت کا تو اس میں مجھے کوئی اختیار نہیں ہے۔)

"فقال: يا معشر قريش أنقذوا أنفسكم من النار، يا معشر بني كعب! أنقذوا أنفسكم من النار، يا فاطمة بنت محمد! أنقذي نفسك من النار، فإني والله لا أملك لكم من الله شيئا۔"[2]

(اے قریش کے گروہ! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، اے گروہ بن کعب! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، اے فاطمہ بنت محمد! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ)

میں اللہ تعالیٰ سے تمھارے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔

"وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقِفُ عَلَى مَنَازِلِ الْقَبَائِلِ مِنَ الْعَرَبِ فَيَقُولُ: يَا بَنِي فُلَانٍ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ، آمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْ تَخْلَعُوا مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ هَذِهِ الانداد، وَأَن تؤمنوا بى وتصدقوا بى، وَتَمْنَعُونِي حَتَّى أُبَيِّنَ عَنِ اللَّهِ مَا بَعَثَنِي بِهِ۔"[3]

حج کے دنوں میں جب مختلف قبائل مکہ کی طرف آتے تو آپ ان کو دعوت دین دیتے ہوئے انھیں انذار کرتے سیرت ابن کثیر میں ہے کہ آپ ﷺ ہر قبیلہ کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے اور ان سے فرماتے: اے بنی فلاں! میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو اور ان کی بندگی کا طوق اپنے گلے سے اتار پھینک دو اور مجھ پر ایمان لاؤ۔ میری تصدیق کرو اور کفار کی دست درازیوں سے میرا دفاع کرو تاکہ میں تمھیں وضاحت سے بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیا دے کر تمھاری طرف مبعوث کیا ہے۔

---

1 الترمذی، الجامع الکبیر، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الشعراء، ح ۳۱۸۵

2 صفی الرحمٰن المبارک پوری، الرحیق المختوم، (دمشق: دار العصماء، ط: اول، ۱۴۲۷ھ) ۱/ ۳۷

3 ابن کثیر، السیرۃ النبویہ ﷺ، (بیروت: دار المعرفہ للطباعۃ النشر التوزیع، ۱۳۹۵ھ) ۲/ ۱۵۵

اعلانیہ تبلیغ کا حکم ملتے ہی آپ ﷺ نے اپنے رشتہ داروں کو جمع کیا اور انھیں یوں انذار فرمایا

"واللہ لتموتن كما تنامون، ولتبعثن كما تستيقظون، ولتحاسبن بما تعملون، ولتجزون بالإحسان إحسانا وبالسوء سوآ وإنها لجنة أبدا، أو لنار أبدا"[1]

(بخدا تمھیں اس طرح موت آئے گی کہ جیسے تم سوتے ہو اور تم قبروں سے ایسے اٹھالئے جاؤ گے جس طرح تم خواب سے جاگتے ہو۔ اور جو بھی تم عمل کرو گے تم سے اس کے بارے میں باز پرس ہو گی۔ تمھیں اچھے کاموں کا اچھا بدلہ ملے گا اور برے کاموں پر سزا ملے گی۔)

ضیاء النبی ﷺ میں قریش کو انذار کرنے کا ایک واقعہ یوں درج ہے:

"اے گروہ قریش! اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچاؤ۔ میں عذاب شدید سے پہلے تمھیں واضح طور پر بروقت ڈرانے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ میری اور تمھاری مثال ایسے ہے جیسے ایک آدمی ہو اور اس نے دشمن کو دیکھ لیا ہو۔ پس وہ چل پڑے تاکہ وہ اپنے رشتہ داروں کو دشمن کی آمد سے باخبر کر دے۔ پھر اسے یہ اندیشہ لاحق ہو کہ دشمن کہیں اس سے پہلے نہ پہنچ جائے۔ دور سے ہی زور زور سے یہ اعلان شروع کر دے یا صباحا یا صباحا اتیتم اتیتم جاگو جاگو دشمن پہنچ گیا دشمن پہنچ گیا۔"[2]

نبی پاک ﷺ نے ہر ممکن طریقے سے کفار کو انذار کیا۔ کفار آپ ﷺ کی ہدایت و دعوت کو ٹھکراتے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت سے سخت تنبیہات آتی چلی جاتی تھی۔ حضور سخت پریشان تھے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ عذاب جو پہلی قوموں پر آتا رہا وہ اس پر بھی آجائے۔ ایک بار حضور ﷺ کی پریشانی دیکھ کر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پوچھا کہ آپ ﷺ بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسا کوں نظر آرہا ہے

"تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ابو بکر مجھے سورہ ھود اور اس مضمون کی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔"[3]

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ﴾[4]

(اے محمد کہہ دو کہ لوگو! میں تمھارے لئے صرف وہ شخص ہوں جو برا وقت آنے سے پہلے صاف صاف خبردار کر دینے والا ہوں۔)

---

1 الحلبی، السیرۃ الحلبیۃ، ۱/ ۴۰۵

2 الازھری، ضیاء النبی ﷺ، ۲/ ۲۷۰

3 گیلانی، سید اسعد، رسول اکرم کی حکمت انقلاب، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن پرائیوٹ لمیٹڈ، ۱۹۹۵ء) ۱۰۹

4

الغرض تمام انبیاء کرام کے دعوتی اسلوب سے جو مشترکہ پہلو اخذ کیے گے ان میں سے ایک یہ کہ تمام انبیاء نے سب سے پہلے دعوت کا آغاز اپنے گھر کیا اور توحید کی دعوت دی، سب کی دعوت کا آغاز ایک اللہ کی وحدانیت پر ایمان، اطاعت رسول، آحرت پر ایمان اور شرک کا ابطال تھا۔

تمام انبیاء کرام نے اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے دعوت دی اس میں ان کا کوئی ذاتی مفاد نہ تھا انھوں نے بے لوث ہو کر دعوت دی اور کسی اجرت کا سوال نہ کیا، دعوت میں نرمی کا اسلوب اختیار کیا اور دعوت کے رد عمل میں انھیں بہت سے مصائب کا سامنا کرنا پڑا لیکن ان کے پایہ استقامت میں لغزش نہ آئی، بلکہ صبر ،شکر، استقامت کا مظاہرہ کیا۔ انھیں امثال، استدلال ، معجزات، تبشیر اور انذار سے دعوت دین دی۔ انھیں نصیحت و خیر خواہی اور نعمتوں کی یاد دہانی کرا کر دین کی طرف بلایا۔ انھیں اللہ کی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے استغفار کا حکم دیا۔ اور آخری نبی ﷺ نے بھی لوگوں کی ذہنی استعداد دیکھ تدریج اور استدلال اور دلائل دے کر لوگوں کو دین کی دعوت دی۔

فصل دوم

قرآن مجید میں تبشیر وانذار کے مخاطبین

قرآن مجید دعوت دین اور اسالیب دعوت انبیاء کے تفصیلی مطالعہ یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تبشیر و انذار کے مخاطبین بنیادی طور پر دو طرح کے ہیں۔ایک مبشرین (جنھیں خوش خبری دی گئی) اور دوسرے منذرین (جنھیں برے انجام سے ڈرایا گیا ہو)۔ وہ خوش نصیب جن کو خوش کن خبروں سے نوازا گیا ان کو متعدد ذیلی عناوین کے تحت زیر بحث لایا جاسکتا ہے۔ کہیں مسلمین اور مومنین مخاطب ہیں تو کہیں صابرین اور متقین۔اسی طرح جن مخاطبین کو اپنے برے انجام پر متنبہ کیا گیا ہے ان میں کہیں منکرین ومشرکین مذکور ہیں تو کہیں کافرین ومنافقین اور مترفین زیر بحث آتے ہیں۔ذیل میں اس اجمال کی تفصیل زیر بحث لائی جائے گی۔

بشارات کے مخاطبین

مسلمین:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بشارتوں سے نوازتے ہوئے مسلمانوں اور مومنوں کا الگ الگ ذکر کیا ہے۔ اہل علم کی تشریحات کو دیکھا جائے تو اپنے عمومی معنوں میں ایمان اور اسلام سے مراد ایک ہی ہے۔اصطلاحی معنوں میں اسلام کا معنی ہے نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خبریں اور احکام لے کر آئے ان کو درست مانتے ہوئے تسلیم کرنا۔انہی حقائق کو ماننا اور یقین کے ساتھ تصدیق کرتے ہوئے ان ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرنا ایمان ہے۔اس اعتبار سے ایمان اور اسلام مماثل ہیں البتہ لغت کے اعتبار سے ان میں فرق ہے۔

ایمان کا لغوی معنیٰ ہے یقین کے بعد اطمینان اور بے خوفی۔انسان اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا کر اپنے آپ کو رب کائنات کی ہدایت سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو خوف سے محفوظ کرلیتا ہے۔اسلام کا لغوی معنی ہے اطاعت کرنا اور سلامتی میں داخل ہونا۔جب انسان اسلام قبول کرلیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور دنیا اور آخرت کی سلامتی میں داخل ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ:

”أن يأخذوا بجميع عرى الإسلام وشرائعه، والعمل بجميع أوامره، وترك جميع زواجره ما

استطاعوا من ذلك". [1]

اسلام سے مراد تمام احکامات کو بجالانا اور ہر ممنوعات سے بچ جانا۔ سلم سے مراد اسلام، اطاعت اور صلح جوئی بھی مراد ہے۔)

"أن يستسلم المؤمنون بكلياتهم لله، في ذوات أنفسهم، وفي الصغير والكبير من أمرهم. أن يستسلموا الاستسلام الذي لا تبقى بعده بقية ناشزة من تصور أو شعور، ومن نية أو عمل، ومن رغبة أو رهبة، لا تخضع لله ولا ترضى بحكمه وقضاه. استسلام الطاعة الواثقة المطمئنة الراضية. الاستسلام"[2]

(جب ایمان والے مکمل طور پر اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جھکا دیں اور ہر معاملے میں ان کا مکمل وجود اللہ کے لئے ہو جائے۔ ان کے خیالات و شعور اور ان کی نیتیں، عمل، خواہشات اور قناعت کا کوئی بھی حصہ بھی آزاد نہ رہ جائے۔)

دیگر علماء نے بھی وضاحت کی ہے کہ اسلام سے مراد فرمابرداری[3] اور احکام شرعیہ کو ماننا اور قضاء و قدر کو تسلیم کرنا اور اس پر راضی رہنا ہے۔[4]

گویا کہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دینا اور اللہ کی ہدایت کے مطابق زندگی گزارنا، اسی عقیدے اور طرز عمل کا نام اسلام ہے۔ اسی بنیاد پر اسلام، اللہ تعالیٰ کا وہ دین قرار پاتا ہے جسے اس نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾[5]

(اللہ پاک کے نزدیک دین اسلام ہے)

گویا جو لوگ اس دین کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین اختیار کریں گے تو وہ خسارے میں رہیں گے اور ہدایت یافتہ وہی ہے جو اس دین میں پوری طرح داخل ہو جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾[6]

(اے ایمان والو! تم میں سب پوری طرح اسلام میں داخل ہو جاؤ)

---

1 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۱/۵۶۵

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۱/۲۰۶

3 دریابادی، تفسیر ماجدی، ٦٦

4 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۱/۷ ۵۴

5 آل عمران:۱۹

6 البقرۃ:۲۰۸

اسلام کا لفظ س۔ ل۔ م۔ سَلَمَ سے نکلا ہے اس کے لغوی معنی بچنے محفوظ رہے اورامن و سلامتی پانے اور سلامتی کرنے کے ہیں۔ گویا کہ اسلام کے اصل معنی سلم صلح میں داخل ہونے کے بیان کیے گئے ہیں۔

مطالعہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے دو درجے ہیں۔ایک تو یہ کہ محض زبان سے اقرار کر کے مسلم ہو جانااور دوسرا یہ کہ ایمان باللہ دل میں اتر جائے، جیسے سورۃ الحجرات میں ہے:

﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا﴾ [1]

(دیہاتی کہتے کہ ہم ایمان لے آئے، کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو اسلام کے دائرے میں آگئے ہو)

سورۃ البقرہ میں ہے:

﴿إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾[2]

(جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انھوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہو)

تفسیر ماجدی میں ہے:

"اسلام لانے کے معنی ہیں اپنے آپ کو تمام تر خدائے واحد کے سپرد کر دینا، اس کا پرستار بن جانا۔ عقیدہ، معاشرت، معاملات غرض کہ زندگی کے ہر بڑے چھوٹے شعبہ میں اسی کے قانون کو قبول کرنا۔ اور اس کے احکام کی اطاعت کرنا، اصطلاح میں اسلام و ایمان گویا مترادف ہے، اور یہی دین اسلام ہمیشہ انبیاء کا رہا ہے۔"[3]

حدیث کی رو سے مسلمان کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

((الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ)) [4]

(مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں)

حدیث جبرئیل میں خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسلام کی تعریف یہ بیان ہوئی ہے:

((الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا))[5]

---

1 الحجرات:۱۴

2 البقرۃ:۱۳۱

3 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۶۷

4 البخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم، ح ۱۰

5 المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب معرفۃ الایمان والاسلام والقدر، ح ۸

(اسلام یہ ہے کہ تم کلمہ توحید کی گواہی دو محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار، نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو۔ اگر استطاعت زادِ راہ ہو تو حج بھی کرو)

قرآن مجید میں متعدد بار مسلمین کا ذکر ہوا ہے اور دو آیات مبارکہ ایسی ہیں جن میں مسلمین کو بشارت دی گئی۔ سورۃ النحل میں ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ﴾[1]

(اے نبی ﷺ ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا۔ جس میں ہر چیز کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ جو ہدایت اور رحمت ہے اور مسلمانوں کے لیے خوش خبری ہے)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے وہ کتاب اتاری ہے جس میں ہر چیز کو وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے یعنی ساری باتیں جو انسان کو ہدایت کی طرف لانے والی اور گمراہی کی طرف لے جانے والی ہیں، کھول کھول کر بیان کرتی ہے۔ جو لوگ فرمانبردار ہیں یعنی اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کا مطیع و فرمابردار بنا دیں ان کو یہ قرآن نجات کا رستہ بتاتا ہے اور جو اس پر عمل کرتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب اللہ کی طرف سے رحمت اور جنت کی خوشخبری ہے۔

ابن کثیر مسلمانوں کی اس بشارت کا ذکر یوں کرتے ہیں:

"وبشارة للمسلمين الذين آمنوا بالله ورسله."[2]

(مسلمانوں کے لیے بشارت اور ہدایت ہو کہ وہ اس بات سے خوش ہو جائیں کہ انھوں نے اپنے رب اور رسول کی پیروی کر کے ہدایت پالی ہے۔)

امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"کہ اس میں ان لوگوں کے لیے بشارت ہے جو اپنے آپ کو بالکلیہ اپنے رب کے حوالے کر دیں یہ ان کو صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرے گی پھر جو اس صراط مستقیم کو اختیار کر لیں گے ان پر خدائے رحمان و رحیم کی عظیم رحمت ہو گی۔ اور یہ عظیم رحمت کی پیشگی بشارت ہے۔"[3]:

﴿ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ ﴾[4]

(آپ فرما دیجیے کہ اس کو روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا تاکہ ان لوگوں کو مضبوط کرلے جو ایمان لائے اور یہ کلام ہدایت ہے اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے۔)

---

1 النحل:۸۹

2 ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴/۶۰۳

3 اصلاحی، امین احسن، تدبر القرآن، ۱/۴۹۵

4 النحل:۱۰۲

اس بشارت اور خوشخبری کا تعلق ان کے قرآن سے تعلق پر اور ہدایت پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے اور اسلام کی نصرت اختیار کرنے کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ سورہ اعراف میں ہے:

﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[1]

(سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم کی اور اس کی نصرت اور حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)

وہ لوگ جو کامل طریقے سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں اور قرآن اور اس کی تعلیمات کو برحق جانیں ہر بات پر امنا و صدقنا کہنے کو تیار رہیں۔ اور کسی قسم کا شک ان کے دل میں نہ آئے اس پر عمل کرنے سے دلوں کو اللہ سے جوڑ لیں اور وہ اس کی سچائی پر مطمئن ہو جائیں ایسے مسلمانوں کو ہدایت اور بشارت دی گئی ہے۔

جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾[2]

(حقیقت میں تو مومن وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا۔ اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا)

قرآن حکیم کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ایسے مسلمانوں کو خوش کن بشارات سے نوازا گیا ہے۔ جو اپنے آپ کو مکمل طور پر اسلام میں داخل کر دیں۔ جو اللہ اور اس کے رسول پر پختہ ایمان رکھنے والے اور سر تسلیم خم کرنے والے ہوں اور جو عدل واحسان کرنے والے، رشتہ داروں پر خرچ کرنے والے ہوں۔ فحاشی، گناہ اور حد سے تجاوز کرنے والے نہ ہوں۔ وعدے کے پابند ہوں اور اسلام کے لئے ہجرت، جہاد اور صبر جمیل کرنے والے ہوں۔ وہ جو عہدوں اور قسموں کو توڑنے والے نہ ہوں۔ اسلام پر عمل پیرا ہونے والے مسلمانوں کو اخروی نعمتوں اور باغات کی بشارت دی گئی۔

مومنین

قرآن حکیم کے مطابق مبشرین کا دوسرا طبقہ مومنین کا ہے۔ ایمان کا مطلب تصدیق کرنا کے ہیں۔ یعنی زبان سے اقرار اور دل سے یقین رکھنا ایمان کہلاتا ہے۔ یعنی جو خبر دے اس کے حکم کا یقین کرنا۔ اور یقین بھی ایسا کہ اس کے حکم کو قبول کیا جائے اور اس کی بات کی تصدیق کی جائے۔ حدیث جبرئیل میں ایمان کی تعریف یوں بیان کی

---

1 الاعراف:۱۵۷

2 الحجرات:۱۵

گئی ہے:

((أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ))[1]

(ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کا اوراس کے فرشتوں کا اس کی کتابوں کا اس کے رسولوں کا اور قیامت کا یقین رکھو تقدیر الٰہی کو یعنی ہر خیر وشر کے مقدم ہونے کو سچا جانو)

ایمان باللہ سے مراد اللہ کی وحدانیت، اس کے خالق ہونے اور کل کائنات کے مالک اور پروردگار ہونے کا زبان سے اقرار اور دل سے اس کی تصدیق کرنا اور عمل پیرا ہونا، گویا اس کا اقرار کرنا اور اسکی تصدیق کرنا اور عمل پیرا ہونے کا نام ایمان ہے۔ ایمان بالملائکہ پر یقین سے مراد فرشتے اللہ کی نورانی مخلوق ہیں اور اسی کے حکم کے تابع اور فرمابردار ہیں۔ ان سے نافرمانی سرزد نہیں ہوتی۔ ایمان بالکتب سے مراد اللہ نے اپنے انبیاء علیہ السلام پر جو کتب نازل کی وہ برحق ہیں۔

اسی طرح ایمان بالرسالت سے مراد انسانوں کی ہدایت کے لئے بے شمار انبیاء کرام کو دنیا میں بھیجا جس کا سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا اور سب سے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر ختم ہوا۔ تمام انبیاء کرام پر ایمان لانا اور حضور ﷺ کو آخری نبی ماننا ایمان بالرسالت کہلاتا ہے۔

ایمان بالآخرۃ سے مراد یہ یقین رکھنا کہ یہ دنیا دار العمل ہے، اس سے چلے جانے کے بعد ایک نئی زندگی کا آغاز ہوگا۔ اور اپنے اعمال کا جواب دہ ہونا پڑے گا۔ نیک لوگوں کو جنت اور ناکام لوگوں کے لئے جہنم ہے۔ اور اچھی، بری تقدیر پر ایمان رکھنا۔

ابن کثیر ایمان بالکتب اور ایمان بالآخرۃ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"أي: يصدقون بما جئت به من الله، وما جاء به من قبلك من المرسلين، لا يفرقون بينهم، ولا يجحدون ما جاؤوهم به من ربهم وبالآخرة هم يوقنون أي: بالبعث والقيامة، والجنة، والنار، والحساب، والميزان. وإنما سميت الآخرة لأنها بعد الدنيا"[2]

(کتابوں پر ایمان سے مراد جو اللہ کی جانب سے آپ پر نازل ہوا اور جو پہلے انبیاء پر نازل ہو چکا ہے سب کی تصدیق یہ نہیں کہ کچھ پر ایمان رکھیں اور کچھ پر نہیں۔۔ بلکہ رب کا ہر حکم مانتے ہیں اور ایمان باللہ کے ساتھ ساتھ ایمان بالآخرۃ بھی رکھتے ہیں۔ یعنی جنت و دوزخ، حساب و کتاب، اور مرنے کے بعد جی اٹھنے اور قیامت سب باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اور اسے آخرت بھی کہتے ہیں اس لیے کہ یہ قیامت کے فنا ہونے کے بعد وقوع پذیر ہوگی۔

---

1 المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب معرفۃ الایمان والاسلام، ح۸

2 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۱/۱۷۰

قرآن مجید میں مومنین کا تذکرہ کثرت سے آیا ہے اور متعدد آیات ہیں جن میں مومنین کو بشارت دی گئی ہے۔

﴿وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا﴾ (1)

(ان ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری اور بشارت کہ ان کو اچھا اجر ملے گا)

ابن کثیر لکھتے ہیں:

''وهو القرآن، بأنه يهدي لأقوم الطرق، وأوضح السبل ويبشر المؤمنين به الذين يعملون الصالحات على مقتضاه أن لهم أجرا كبيرا أي: يوم القيامة. '' (2)

(یہ قرآن بہترین راہ کی طرف رہبری کرتا ہے۔ ایماندار جو ایمان کے مطابق فرمان نبوی پر عمل بھی کریں انہیں یہ بشارتیں سناتا ہے کہ ان کے لئے اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے انہیں بے شمار ثواب ملے گا۔)

مزید ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا﴾ (3)

(اور مومنین کو خوشخبری دیتا ہے جو نیک کام کرتے ہیں کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر و ثواب ہے)

''فهذه هي قاعدته الأصيلة في العمل والجزاء. فعلى الإيمان والعمل الصالح يقيم بناءه۔''(4)

(مومنین کے لئے تبشیر بھی ہے۔ ان لوگوں کے لئے خوشخبری ہے جو عمل صالح کرتے ہیں۔)

یہاں ایمان کے بعد عمل صالح کی قید لگائی گئی ہے۔ سورہ توبہ میں ایسے مومنوں کو بشارت سنائی گئی ہے جن میں مندرجہ ذیل صفات پائی جائیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (5)

(توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے حمد کرنے والے روزے رکھنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے، اور آپ ایمان والوں کو خوش خبری سنا دیں)

---

1 الکہف:۲

2 ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴۸/۵

3 الاسراء:۹

4 سید قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ۲۲۱۵/۴

5 التوبہ:۱۱۲

بشارت کی بنیاد اہل ایمان کے یہ خواص ہیں:

توبہ:

توبہ کرنے والوں کے لیے بشارت اس طرح ہے کہ جب کوئی آدمی اللہ سے سچے دل سے معافی طلب کرتا ہے تو اس کے سابقہ تمام گناہوں کی مغفرت فرماتا ہے اور اس کا مقام رب کے ہاں ایسا ہوتا ہے کہ جیسے یہ گناہ سے بالکل پاک صاف ہو۔

عبدیت:

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس سے اللہ کی عظمت ظاہر ہو۔ اور جو لوگ ہر تکلیف اور راحت میں صرف ایک اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوں ان کے لئے اللہ کی طرف سے ایسی عبادت پر بشارت دی گئی ہے۔

حمد وثنا:

تعریف کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ کی ہر وقت اور ہر حال میں راحت میں تکلیف میں غمی میں خوشی میں سفر اور حضر میں اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں۔

صوم رمضان:

روزہ اس عمل کو کہتے ہیں جس کے لئے ہمارے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص ماہ رمضان میں ایمان سے روزے رکھے گا تو اس کو گناہوں سے نجات ملے گی۔

رکوع وسجود:

رکوع کرنے والے، یہ نماز کا اہم رکن ہے اور اس کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی یہودیوں نے نماز میں اس رکن یعنی رکوع کو نکال دیا تھا۔ اس وجہ سے قرآن مجید میں اس کی فضیلت و فرضیت کو بیان کیا گیا ہے۔ ایک مومن کے لیے سجدہ سکون اور رب کی قربت کا ذریعہ ہے۔ اسی لئے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو سجدہ کرنا خواہ کسی بھی مقصد کے لئے ہو شرک کے زمرے میں آتا ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

دوسروں کو نیک کام کرنے کا حکم دینا اور برے کاموں سے بچنے کا حکم دینا۔ امت محمدیہ کو قرآن مجید نے متعدد مقام پر فرمایا کہ اے مسلمانوں! اللہ نے تمہیں دوسروں کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے بچنے کا حکم دیا ہے اس کام کے لئے بہت طاقت اور قوت کی ضرورت ہے اس وجہ سے اس فریضہ کو مل کر کرنے سے ہی بہترین نتائج ملتے ہیں

اسی لئے یہ فریضہ حکومت کو سپرد کیا گیا ہے۔

حفاظت حدود:

یہ مجاہدوں اور مومنین کی آخری صفت بیان ہوئی ہے کہ وہ حدود کی حفاظت کرتے ہیں ۔ حدود اللہ سے مراد وہ قوانین اور ضوابط ہیں جن کی حفاظت کا انفرادی اور اجتماعی دونوں طریقوں سے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے۔

الغرض ایسے ہی ایمان رکھنے والوں کو جنت کی بشارت سنائی گئی ہے۔ کیونکہ مومن توبہ کرنے والے اللہ کی عبادت بجا لانے والے اور حمد و ثنا کرنے والے ہیں اور رمضان میں روزے رکھنے والے اور اللہ کے لئے رکوع و سجدے کرنے والے ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پابند اور حدود و قیود کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو بشارت ہے جن کے اندر صفات مندرجۂ بالا موجود ہوں اور مؤمن کامل وہی ہوتا ہے جو صفات مذکورہ کا حامل ہو۔ بشارات کی معراج اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ ہونا ہے۔۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [1]

(اور اللہ تو یقیناً مومنوں کے ساتھ ہے)

مومنین کے لیے اس سے بڑی خوشخبری کیا ہو سکتی ہے کہ اسے دونوں جہانوں کی کامیابی بشارت دی گئی:

﴿ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ- لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ-﴾[2]

(یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور پرہیزگار رہے ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی بشارت و خوشخبری ہے۔)

دنیا میں بشارت سے مراد نیک خواب اور آخرت میں جنت ہے جیسے ابن کثیر فرماتے ہیں:

''الرؤيا الصالحة يبشرها المؤمن''[3]

(دنیا کی بشارت نیک خواب ہیں جن سے مومن کو خوشخبری سنائی جاتی ہے)۔

﴿هُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ [4]

(مومنوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے)

---

1 الانفال:۱۹

2 یونس:۶۳۔۶۴

3 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۴/۲۸۰

4 النمل:۲

مومنین کو دنیا اور آخرت کی بھلائیاں کس بنا پر ملی اس کی تصدیق خود قرآن کرتا ہے کہ مومنین کے اندر یہ یہ صفات ہیں۔

﴿ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ ([1])

مومنین کی پہلی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ ان دیکھے ایمان لاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن باتوں کی خبر دی یا ہمارے پیارے نبی ﷺ نے ماضی یا مستقبل سے متعلق باتیں بتائیں ان پر بلا چوں وچرا ایمان لانا مومنین کی صفت ہے۔ قرآن کی رو سے مومنین کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ نماز خشوع وخضوع کا اہتمام کرتے ہیں:

''فيتجهون بالعبادة لله وحده، ويرتفعون بهذا عن عبادة العباد، وعبادة الأشياء. يتجهون إلى القوة المطلقة بغير حدود، ويحنون جباههم لله لا للعبيد والقلب الذي يسجد لله حقا، ويتصل به على مدار الليل والنهار، '' ([2])

(اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور انسانوں یا دوسروں کی غلامی سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ وہ لامحدود قوت وقدرت والی ذات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ان کے سر اللہ کے سوا کسی انسان کے آگے نہیں جھکتے۔)

اور تیسری صفت یہ بیان کی گئی اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے مالی فرائض، واجبات اور نفلی صدقات بھی بجالاتے ہیں۔ ان صدقات بھی بجالاتے ہیں۔ ان صفات کے بعد چوتھی صفات قرآن اور سابقہ انبیاء اور ان کی کتابوں پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں۔ اور پانچویں صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ آخرت پر یقین رکھنے والے ہیں اور ایسا یقین جو انھیں دنیا میں نیکیوں پر ابھارتا ہے اور برائیوں سے روکے رکھتا ہے۔ مومنین کی صفات کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ([3])

(وہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی کامیاب ہیں)

انھیں لوگوں کی جنت کی خوشخبری سناتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ادْخُلُوا﴾ ([4])

---

1 البقرۃ:۳

2 سید قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ۱/۴۰

3 البقرۃ:۵

4 الاعراف:۴۹

(تم داخل ہو جاؤ جنت میں تم پر کوئی خوف نہیں)

مومنین چونکہ بہت زیادہ صفات کے مالک ہوتے ہیں اس لئے ان کو ملنے والی بشارت بھی بڑی عظیم الشان ہو گی۔ جس کا تصور ایک انسانی ذہن نہیں کر سکتا۔ اور مفسرین کے نزدیک مومنین کی بشارت ایمان کے بعد عمل صالحہ ہیں۔ کیونکہ عمل صالحہ ہی ایمان کی دلیل ہے۔ غلام رسول سعیدی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت و پیروی کو دنیا اور آخرت میں سرفرازی اور سعادت کا موجب قرار دیتے ہیں، اور علامہ دریابادی کے نزدیک بشارت اس کے لئے ہے جس کے پیش نظر ہر عمل جس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور جو قواعد شرعی کے مطابق ہو۔

الغرض ایک مومن اللہ اور اس کے رسول پر کامل ایمان لانے کے بعد اللہ سے توبہ و استغفار کرنے والا، خشوع و خضوع سے نماز قائم کرنے رکوع و سجود کرنے عبادات بجالانے اللہ کی حمد و ثناء کرنے والا ہو اور روزے رکھنے والا ہو اور ان صفات کے ساتھ دوسروں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے والا ہو۔ اسی بنا پر اسے دنیا میں اور آخرت میں بشارتوں سے نوازا گیا ہے۔ اور روز آخرت اس کو سلام پیش کیا جائے گا۔ اور بغیر کسی خوف کے دخول جنت کی بشارت دی جائے گی۔

محسنین

لفظ محسن احسان سے مشتق ہے جو حسن سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے اچھے طریقے سے کام کرنا اور عمدگی کے ساتھ انجام دینا۔

نبی پاک ﷺ نے (حدیث جبریل میں) احسان کی وضاحت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی جب اس احساس کے ساتھ کی جائے گویا ہم اسے دیکھ رہے ہیں تو یہ احسان ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

((أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ)) [1]

(احسان کی حقیقت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ مرتبہ حاصل نہ ہو تو کم از کم اتنا یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمھیں دیکھ رہا ہے)

اس کے دو معنی ہیں ایک یہ ہے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر وہ اس مرتبہ تک نہیں پہنچ پاتا تو گویا اللہ تعالیٰ اس پر دیکھ رہا ہے۔

احسان کے معنی عمل کی خوبی یعنی احسان وہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کو پسند آجائے۔ اسلام جہاں بھلائی کا حکم دیتا ہے وہاں اسے خوب سے خوب تر طریقہ سے انجام دینے کی ہدایت کرتا ہے۔

1 المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب معرفۃ الایمان، والاسلام، والقدر، ح۸

قرآن مجید میں انسان کو دعا میں یہ بات سکھائی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بھلائی مانگیں۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [1]

(اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا)

احسان دو طرح سے ہوتا ہے ایک اللہ کے ساتھ احسان اور اس کا مطلب خالق کی تعظیم اور مخلوق کے ساتھ احسان یعنی مخلوق پر شفقت۔ جب انسان اپنے اندر یہ ملکہ پیدا کرے گا تو گویا کوئی بھی کام کرتے ہوئے اور عبادات کو بجالاتے ہوئے اس کے پیشِ نظر اللہ کی ذات ہو گی۔ تو وہ برائیوں سے بچا رہے گا اور اپنے عمل کو بہترین طور پر بجا لانے کی کوشش کرے گا۔

﴿مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَه لِلّٰهِ وَهوَ مُحْسِنٌ فَلَه اَجْرُه عِنْدَ رَبِّه﴾[2]

(جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور عملاً نیک روش پر چلے۔ اس کے لئے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے۔)

یہ وہ بنیاد ہے جس پر قرآن مجید میں محسنین اور نیک لوگوں کو بشارت سنائی گئی ہے، سورۃ الحج میں ہے:

﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنْكُمْ كَذَلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ﴾ [3]

(اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کا گوشت نہیں پہنچے گا اور نہ ان کے خون بلکہ اسے تمھارے دل کی پرہیز گاری پہنچتی ہے۔ اس طرح اللہ نے جانوروں کو تمہارا مطیع کر دیا ہے کہ تم اس کی راہنمائی کے شکریہ میں اس کی بڑائیاں بیان کرو اور نیک لوگوں کو خوش خبری سنا دیجیے)

تفسیر ابن کثیر میں وضاحت یوں ہے:

''وَبَشِّرْ يَا مُحَمَّدُ الْمُحْسِنِينَ، أَيْ: فِي عَمَلِهِمْ، الْقَائِمِينَ بِحُدُودِ اللَّهِ، الْمُتَّبِعِينَ مَا شَرَعَ لَهُمْ، الْمُصَدِّقِينَ الرسولَ فِيمَا أَبْلَغَهُمْ وَجَاءَهُمْ بِهِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ۔'' [4]

(جو لوگ نیک ہوں گے اور اللہ کی حدود کے پابند ہیں اور شریعت پر عمل کرنے والے ہوں گے رسولوں کی تصدیق کرنے والے ہیں تو وہ مبارکباد اور خوشخبری کے مستحق ہیں۔ احسان کا تقاضا اس لیئے کیا گیا۔ کہ انسان کی کامیابی

---

1 البقرہ:۲۰۱

2 البقرہ:۱۱۲

3 الحج:۳۷

4 ابن کثیر، القرآن العظیم،۵/۴۳۱

اور نجات کا انحصار احسان پر ہے۔ اللہ تعالی نے انسان کو بے شمار انعامات دیے۔ انسان پوری زندگی بھی خرچ کر ڈالے تو ان میں سے کسی ایک کا حق ادا نہ ہو۔)

قرآن مجید میں یہ ضمانت دی گئی ہے کہ احسان کرنے والے اللہ کی رحمت کے مستحق بن جاتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾[1]

(یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے)

اس سے بڑی خوش خبری کیا ہو سکتی ہے کہ محسنین کو اللہ تعالیٰ کی محبت جیسی نعمت عطا ہو جاتی ہے:

﴿فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴾[2]

(اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کے ثواب کی خوبی بھی عطا فرمائی اور اللہ نیکو کاروں سے محبت کرتا ہے)

مزید ارشاد فرمایا:

﴿فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ﴾ [3]

(اس لیے ان کو اللہ تعالیٰ ان کے قول کی وجہ سے ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے)

سید قطب تحریر کرتے ہیں کہ:

’’لقد علم الله صدق قلوبهم وألسنتهم وصدق عزيمتهم على المضي في الطريق وصدق تصميمهم على أداء الشهادة لهذا الدين الجديد الذي دخلوا فيه ولهذا الصف المسلم الذي اختاروه، واعتبارهم أن أداء هذه الشهادة– بكل تكاليفها في النفس والمال– منة يمن الله بها على من يشاء من عباده واعتبارهم كذلك أنه لم يعد لهم طريق يسلكونه إلا هذا الطريق الذي أعلنوا المضي فيه ورجاءهم في ربهم أن يدخلهم مع القوم الصالحين.لقد علم الله منهم هذا كله فقبل منهم قولهم، وكتب لهم الجنة جزاء لهم وشهد لهم– سبحانه– بأنهم محسنون، وأنه يجزيهم جزاء

1 الاعراف:۵۶

2 آل عمران:۱۴۸

3 المائدہ:۸۵

المحسنين۔" [1]

(اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ یہ سچے دل والے ہیں اور ان کی زبان میں صداقت ہے اور انھوں نے سیدھے راستے پر چلنے کا ارادہ کیا ہوا ہے اور شہادت حق کے فرض کو ادا کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں اور اس کو وہ اللہ کی طرف سے اپنے اوپر احسان مانتے ہیں کہ او فریضہ کو ادا کریں اللہ کو معلوم تھا کہ یہ اب اسلام کی راہ پر ہی چلنے والے ہیں اور انھیں امید ہے کہ اللہ انھیں نیک کاروں میں ہی شامل کرے گا۔ اور اللہ کو یہ سب باتیں معلوم تھی اس لئے اللہ نے ان کی باتوں کو قبول کرتے ہوئے ان کا اجر آخرت میں لکھ دیا۔ اور اسی پر شہادت قائم کر دی کہ یہ نیک لوگ ہیں اور محسنین کے لئے یہی جزا ہوتی ہے۔)

بلکہ اس سے بھی زیادہ فضل کا وعدہ فرمایا: ﴿سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ﴾ [2] (نیک رویہ رکھنے والوں کو مزید فضل سے نوازیں گے)

قرآن مجید کے مطابق محسنین کی ضد ظالمین ہیں، جن کے لیے تنبیہ ہے، فرمایا:

﴿وَهَذَا كِتَابٌ مُصَدِّقٌ لِسَانًا عَرَبِيًّا لِيُنْذِرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَبُشْرَى لِلْمُحْسِنِينَ﴾ [3]

(اور کتاب ہے تصدیق کرنے والی عربی زبان میں تاکہ ڈرائے ظالموں کو اور نیک کاروں کو خوش خبری)

سید قطب شہید احسان پر قائم رہنے والوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یصور لهم جزاء المحسنين، ويفسر لهم هذه البشرى التي يحملها إليهم القرآن الكريم، بشرطها، وهو الاعتراف بربوبية الله وحده والاستقامة على هذا الاعتقاد ومقتضياته" (4)

(تاکہ ظالموں کو متنبہ کر دے اور نیک روش اختیار کرنے والوں کو بشارت دے دے احسان کرنے والوں کو جو جزا ملے گی اس کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ قرآن تمھیں یہ یہ بشارتیں دیتا ہے اس شرط پر کہ وہ اللہ کی توحید کا اور اسی کے رب ہونے کا اقرار کریں اور پھر اس بات پر قائم بھی رہیں۔)

سورۃ الذاریات میں محسنین کی صفات بیان کی گئی ہیں ۔ جو ان کی دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُو وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُو وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ

---

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۲/ ۹۶۳

2 الاعراف: ۱۶۱

3 الاحقاف: ۱۲

4 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۶/ ۳۲۵۹

وَالْمَحْرُومِ﴾[1]

(وہ رات کو بہت کم سویا کرتے ہیں اور صبح کے وقت استغفار کیا کرتے تھے اور ان کے مال میں مانگنے والوں اور سوال سے بچنے والوں کا حق تھا)

قرآن مجید کے مطابق ایسے محسنین ان بشارتوں کے حامل ہیں جو اللہ کی حدود کے پابند ہوں، رسولوں کی صداقت کو دل سے ماننے والے ہوں اور اس کے ساتھ شریعت پر مکمل عمل پیرا ہوں, ہر کام میں ان کا عمل بہترین ہو۔ اللہ کے احکام کو بجالانے میں بہترین مظاہرہ کیا ہو۔ اس طرح ان کی جہاد میں کوششیں بھی بہترین ہوں تو ایسے لوگوں کو اللہ نے اپنا محب بنایا ہے۔ اس وجہ سے کہ رات کو کم سونا ان کا شیوہ ہے اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور صبح وشام استغفار کرتے ہیں۔ اور وہ اپنے اموال میں غرباء اور سائل کا حق نکالتے ہیں۔

متقین

متقین سے مراد صاحبان تقویٰ ہیں۔ لفظ تقویٰ وقیٌ یا وقایہٌ سے بنا ہے جس کے معنی حفاظت اور پردہ کے ہیں۔ "تقویٰ سے مراد اللہ کی نافرمانی سے ڈرنا اور اس کے احکامات کی نافرمانی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا اور ایسے کاموں سے اپنے آپ کو بچاناجو اس کی منشاء کے خلاف ہوں، تقویٰ کے لفظی معنی کسی چیز یا کام سے باز آنا چھوڑ دینا یا بچنا اور دُور رہنا کے ہیں۔

تقویٰ کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا مقام ہے اللہ نے متقین سے وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ ان کے ساتھ ہے سورۃ النحل میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا﴾[2]

(اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو پرہیز گار یا متقی ہیں)

متقین کی وضاحت میں علامہ ابن کثیر نے کیا خوب لکھا ہے:

"{للمتقين} قال: المؤمنين الذين يتقون الشرك بي، ويعملون بطاعتي.وقال سفيان الثوري، عن رجل، عن الحسن البصري، قوله: {للمتقين} قال: اتقوا ما حرم الله عليهم، وأدوا ما افترض عليهم.وقال أبو بكر بن عياش: سألني الأعمش عن المتقين، قال: فأجبته. فقال لي سل عنها الكلبي، فسألته فقال: الذين يجتنبون كبائر الإثم. قال: فرجعت إلى الأعمش، فقال: نرى أنه كذلك. و لم ينكره.وقال قتادة {للمتقين} هم الذين نعتهم الله بقوله: {الذين يؤمنون بالغيب

---

1 الذاریات:۱۷۔۱۹

2 النحل:۱۲۸

ويقيمون الصلاة} الآية والتي بعدها ''[1]

(متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائیں اور شرک سے کنارہ کش ہو کر صرف اللہ کے حکم کو مانیں اور جن کے اندر یہ خوبی بھی ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور ہدایت پر قائم رہتے ہیں اور اللہ سے پر امید ہو کر جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کو سچ تسلیم کرتے ہیں حسن بصری کے قول کے مطابق جو فرائض کا خیال رکھیں اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچیں وہ متقی کہلاتے ہیں۔ متقی کے بارے میں حضرت اعمش نے حضرت ابو بکر سے پوچھا انھوں نے بھی یہی جواب دیا حضرت کلبی نے کہا کہ متقی وہ ہیں جو گناہ کبیرہ سے بچیں قتادہ کے فرمان کے مطابق جو بغیر دیکھے ایمان لائے اور نماز قائم کرنے والے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے جبکہ جریر طبری کے نزدیک ان تمام صفات کے مالک لوگ ہی متقی ہیں۔)

تقویٰ دل کی خاص کیفیت کا نام ہے۔ایک حدیث میں یوں ارشاد نبوی ہے ((التَّقْوَى هَاهُنَا))[2](تقویٰ یہاں ہے)۔اور یہ کہہ کر نبی پاک ﷺ نے اپنے دل کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ دل کی پاکیزہ ترین اور اعلیٰ کیفیت کا نام ہے ۔ جو تمام نیکیوں کی محرک ہے۔تقوی کے بغیر انسان کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔انسان کے اندر تقوی کی صفت موجود ہو گی تب ہی انسان خدا کے خوف سے برائیوں سے بچا رہے گا۔

متقین کے لیے قرآن مجید میں بشارتوں کا ایک وسیع میدان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بڑا اجر و مقام ہے سورۃ مریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ﴾[3]

(صرف اس لیے ہم نے آسان کر دیا قرآن کو آپ ﷺ کی زبان میں اتارا تاکہ آپ خوش خبری سنائیں اس سے متقیوں کو) سید قطب نے یوں وضاحت کی ہے:

''وبعد فإن هذه البشرى للمؤمنين المتقين، غاية هذا القرآن. ولقد يسره الله للعرب فأنزله بلسان الرسول- صلى الله عليه وسلم- ليقرأوه'' [4]

(یہ قرآن مومنین و متقین کے لئے بشارت ہے اور بشارتیں دینا قرآن کریم کے اولین مقاصد میں سے ایک ہے۔)

1 ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱/۱۶۳

2 المسلم، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم ظلم المسلم، ح۲۵۶۴

3 مریم:۹۷

4 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۴/۲۳۲۱

متقین کے لیے اس سے بڑی خوش خبری کیا ہو سکتی ہے کہ انھیں جنت کی خوش خبری یوں سنائی جا رہی ہے۔

﴿وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾[1]

(اپنے رب کی بخشش کی طرف دوڑو اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین جتنی ہے جو پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے)

"یعنی اس چیز کی طرف جلدی کرو جس سے تمہیں اپنے رب کی مغفرت حاصل ہو اور رب کی مغفرت اس کے احکام پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے اس سے باز رہنے سے حاصل ہوتی ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد ہے اسلام کی طرف جلدی کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی جنت کے حصول کا ذریعہ ہے 'حضرت علیؓ نے فرمایا اس سے مراد فرائض کی ادائیگی ہے ' حضرت عثمانؓ نے فرمایا اس سے مراد اخلاص ہے"[2]

مذکورہ آیت میں ان متقین کا بتایا گیا جن کے لئے جنت تیار کی گئی ہے۔ ان کی صفات بتائی گئی ہیں کہ یہ تنگی اور خوشحالی ہر حال میں اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ غصہ پر قابو رکھنے والے اور درگزر کرنے والے اور اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنے والے ہیں۔

متقی اور پرہیز گار یعنی وہ لوگ جو اللہ کا ڈر رکھتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں اور احکام کی پیروی کرتے رہے قیامت کے روز ان کی عزت افزائی اور پذیرائی کی جائے گی، جنت ان کے قدموں میں پیش کر دی جائے گی کیونکہ انھوں نے ہر کام جنت کے حصول کے لئے نہیں بلکہ رضائے الٰہی کے لئے کیا اس بنا پر جنت کو ان کے قریب کر دیا جائے گا۔ نہ کہ وہ چل کے جنت کی طرف جائیں گے کیونکہ جنت صلہ ہے رضائے الٰہی کی طلب کا۔ اس میں اہل جنت کی پذیرائی اور عزت افزائی کا بیان آ گیا کہ اہل جنت کے لیے جنت کو قریب کر دیا جائے گا۔ اس طرح سورۃ ق میں ہے

﴿وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ﴾[3]

(اور پاس لائی جائے گی جنّت پرہیز گاروں کے کہ ان سے دور نہ ہو گی)

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ﴾[4]

(بے شک متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے) متقین درج ذیل صفات کے حامل ہوتے ہیں

1 آل عمران:۱۳۳

2 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۲/ ۳۷۱

3 ق:۳۱

4 الذاریات:۱۵

اللہ تعالیٰ، قیامت، فرشتوں، قرآن اور انبیاء پر ایمان رکھنے والے، اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لیے انفاق فی سبیل اللہ پر کاربند رہنے والے، نماز قائم کرنے والے، زکوۃ دینے والے، وعدہ پورا کرنے والے، مصیبت اور سختی کے وقت صبر سے کام لینے والے، مجاہد۔ جو جہاد میں حصہ لینے سے کبھی جھجک کا مظاہرہ نہیں کرتے۔

مندرجہ بالا خوبیوں کا حامل ہی متقی کہلاتا ہے جس کو خدا تعالیٰ اپنا دوست رکھتا ہے۔﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾[1] (بے شک اللہ تعالیٰ متقین کو دوست رکھتا ہے)﴿أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾[2] (بے شک اللہ متقین کے ساتھ ہے)

متقین کی سب سے بڑی خوشخبری جس سے اسے نوازا گیا وہ رب تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا ہے۔ اجتمائی طور پر قرآن میں متقین کی جو جو صفات بتائی گئی ہیں ان میں سے ان کا بالغیب اللہ پر یقین، تہہ دل سے اللہ کا ذکر اور اس کی طرف رجوع کرنے والے، حدود الٰہی کے محافظ، اعمال و اطاعت کی پابندی کرنے والے متقی جو کبیرہ گناہ کے ارتکاب اور صغائر پر اصرار سے مجتنب ہوتا ہے متقی کا دل چونکہ خوف الہیٰ سے معمور ہوتا ہے اور خوف خدا ایک وقت روحانی دنیا اور حسی دنیا کی اصلاح کرتا ہے اسی لئے اللہ کا فرمان ہے کہ جنت متقیوں کے قریب کر دی جائے گی۔ اور متقین کو جو نعمتیں میسر ہوں ہونگی وہ دنیا کی نعمتوں سے مختلف اس لئے ہوں گی کیونکہ ان کو فنا ہے نہ زوال، متقین کا جنت میں استقبال کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ اور وہاں ان کو ہر چیز ان کی خواہش کے مطابق میسر ہوگی اور سب سے بڑی نعمت دیدار الٰہی ان کو نصیب ہوگا۔

صابرین

قرآن مجید میں متعدد آیات مبارکہ ہیں جن میں صبر کرنے والے کو اللہ نے اپنا ساتھی قرار دیا ہے اور اسے پسند فرمایا۔ اس دنیا کو دارالامتحان اور آزمائش کی جگہ قرار دیا گیا ہے اور ان آزمائشوں کے وقت تلقین کی گئی کہ نماز اور صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے نصرت و مدد طلب کی جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾[3]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر اور نماز سے مجھ سے مدد طلب کرو کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ

---

1 التوبہ:۴

2 ایضاً:۳۶

3 البقرۃ:۱۵۳

ہوتا ہے۔

صبر، نفس کو روکنے اور ان امور سے باز رکھنے کا نام ہے جن کو وہ ناپسند کرتا ہے۔ صبر کی تین قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرنا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے رکنے پر صبر کرنا، تکلیف پہنچانے والی اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر صبر کرنا اور اس پر ناراضی کا اظہار نہ کرنا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص معیت حاصل کرنے کا مقام ہے جو اس کی محبت، اس کی مدد، اس کی نصرت اور اس کے قرب کا تقاضا کرتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نماز سے مدد لینے کا حکم دیا ہے، کیونکہ یہ دین کا ستون اور اہل ایمان کا نور ہے۔ نماز بندے اور اس کے رب کے درمیان رابطے کا ایک ذریعہ ہے۔ جب بندہ مومن کی نماز کامل ہو تو یقیناً یہ تمام امور میں سب سے بڑی مددگار ہے، کیونکہ یہ فواحش اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

مولانا دریابادی کے بقول صابر وہ ہے، جو:

"انتہائی غم ناک و درد انگیز واقعہ پر بندہ عقل کو نفس پر غالب رکھے۔ زبان کو شکوہ اور ناشکری سے نہ آلودہ ہونے دے اور نظر مسبب الاسباب پر، اسکی مصلحت وحکمت پر اسکی شفقت ورحمت پر رکھے۔"[1]

سورۃ البقرۃ میں ان آزمائشوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ایمان کا دعویٰ کرنے اور اپنے عمل کے ساتھ گواہی دینے کی صورت میں اہل ایمان کو جھیلنا پڑتی ہیں۔ ایسے مواقع پر صبر و تحمل کی عملی مثال بن جانے والوں کے لیے بشارات کا سلسلہ موجود ہے۔ قرآن کریم میں اس حقیقی وعدے کا اظہار سورہ البقرہ میں یوں کیا گیا ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾[2]

(اور ہم آزمائیں گے انھیں خوف، بھوک، مالوں اور جانوں کی کمی اور پھلوں سے اور صبر کرنے والوں کو بشارت دے دو) سید قطب، صابرین سے متعلق ایک دوسری آیت قرآنی کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ. الَّذِينَ إِذا أَصابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قالُوا: إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ راجِعُونَ إنا لله ،كلنا كل ما فينا كل كياننا وذاتيتنا لله وإليه المرجع والمآب في كل أمر وفي كل مصير التسليم التسليم المطلق تسليم الالتجاء الأخير المنبثق من الالتقاء وجهاً لوجه بالحقيقة الوحيدة، وبالتصور الصحيح.هؤلاء هم الصابرون الذين يبلغهم الرسول الكريم بالبشرى من المنعم الجليل"[3]

1 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۷۶

2 البقرۃ:۱۵۵

3 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۱/۱۴۵

(صبر کرنے والوں کو اس بات کی بشارت دے دیں کہ جب بھی ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو ان کا کہنا ہے کہ ہم اللہ کے لئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ہمارے جسم کی تمام طاقتیں اور ہمارا پورا وجود اور شخصیت اللہ ہی کے لئے ہے اسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے اور اس کائنات کی سچی اور حقیقی ذات یعنی اللہ کے سامنے ہم کھڑے ہیں اور اسی سے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ایسی ہی سوچ رکھنے والے صابرین کو رسول کریم ﷺ اچھے بدلے اور انعام کی بشارت دیتے ہیں اور اللہ بھی اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ صبر کرنے والوں کے لئے خوشخبری ہے۔)

مولانا مودودی صبر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”صبر کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی جلد باز نہ ہو۔اپنی کوششوں کے نتائج دیکھنے کے لئے بے تاب نہ ہو۔اسکا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ آدمی تلون مزاجی اور ضعف رائے اور قلت عزم کی بیماری میں مبتلا نہ ہو“۔[1]

جو شخص جس طرح کی عبادت کرے گا ویسا ہی اس کو اجر بھی ملے گا حساب سے عبادت کرنے والے کو حساب کا اجر اور بے حساب عبادت کرنے والے کو بے حساب اجر دیا جائے گا جو اللہ کے راستے میں خرچ کر تا رہے اور وہ زکوٰۃ، نماز، روزہ اور حج میں حساب نہیں رکھے گا۔اور اللہ کی عبادت میں مصروف رہے گا خواہ مقدار فرض سے کسی قدر زیادہ ادا ہو جائے۔اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس کے استحقاق عبادت کے لحاظ سے اجر دیتا تو یہ حساب سے اجر ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے صابرین بندوں کو اپنے فضل سے بے حساب اجر دے گا

سورۃ الزمر میں ہے:﴿يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾[2](بے شک جو لوگ صبر کرتے ہیں ان کے لیے بے پناہ اجر ہے)۔

سورہ الدھر میں جنت کو صبر کی ہی جزا قرار دیا گیا ہے:﴿وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا﴾[3](اور ان کے صبر کے بدلے میں انھیں جنت اور ریشمی لباس عطا کرے گا)

تفہیم القرآن میں ہے کہ:

”درحقیقت صالح اہل ایمان کی پوری دنیوی زندگی ہی کو صبر کی زندگی قرار دیا گیا ہے۔ہوش سنبھالنے یا ایمان لانے کے بعد سے مرتے دم تک کسی شخص کا اپنی ناجائز خواہشوں کو دبانا، اللہ کی باندھی ہوئی حدوں کی پابندی کرنا اللہ کے عائد کیے ہوئے فرائض کو بجالانا۔اللہ کی خوشنودی کے لیے اپنا وقت اپنا مال اپنی محنتیں، اپنی قوتیں

---

1 مودودی، ابوالاعلی، تحریک اور کارکن، (لاہور: دارالعروبہ منصورہ)۱۹۷

2 الزمر:۱۰

3 الدھر:۱۲

اور قابلیتیں حتیٰ کہ ضرورت پڑنے پر اپنی جان تک قربان کر دینا اور ہر خطرے اور تکلیف کو برداشت کر لینا جو راہ راست پر چلنے میں پیش آئے"[1]

ہر مشکل میں اللہ کی رضا پر راضی ہو جانے والا ہی صابر ہوتا ہے۔ جس کی نظر خدا پر ہوتی ہے۔ اور وہ اسی کے سامنے دست بدعا ہوتا ہے۔ تو ایسے لوگوں کو صبر کی بنا پر بشارت کا اعلان رب تعالیٰ خود فرماتا ہے اور صابرین کو بے حساب اجر ملتا ہے ہر آدمی جس حساب سے عمل کرتا ہے اسی کے مطابق اجر پاتا ہے۔ لیکن صابر کے بارے میں فرمایا کہ اس پر اللہ کا خصوصی فضل ہو گا اور اللہ کے فضل کی کوئی حد نہیں اس لئے صابرین کو بلاحساب اجر سے نوازا جائے گا۔ کیونکہ جنت ان (صابرین) ہی کی چیز ہے کہ وہ انتہائی مشکل حالات میں بھی بندہ اپنی عقل کو اپنے نفس پر غالب رکھتا ہے اور کسی قسم کا شکوہ اپنی زبان پر نہیں لاتا۔

یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اس وعدے پر اعتماد ہے کہ تم نے دنیا میں جس طرح صبر سے کام لیا اس کی بدولت آج تم اس کے مستحق ہوئے ہو۔ پس کیا خوب ٹھکانہ آخرت کا ٹھکانہ ہے۔ جو صبر کرنے والوں کو ملتا ہے۔

مخبتین

سورہ الحج میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ﴾[2]

(تم سب کا معبود برحق ایک ہی ہے تم اس کے تابع فرمان ہو جاؤ عاجزی کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیجیے)

خبت (جس سے مخبتین بنا ہے) کے معنی نرم خوئی اور عاجزی کے ہیں۔ مقاییس اللغۃ میں ہے: "يقال: اخبت يخبت اخباتا إذا خشع"[3]

امام راغب لکھتے ہیں کہ:

"الخبت: المطمئن من الأرض، وأخبت الرجل: قصد الخبت أو نزله. نحو: أسهل وأنجد.فهذا المعنى الحقيقي، ثم قال:ثمّ استعمل الإخبات استعمال اللين والتواضع .فهذا المعنى المجازي، والعلاقة بينهما المشابهة، ثم قال:قال الله تعالى: وَأَخْبَتُوا إِلى رَبِّهِمْ،وقال: وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ أي:المتواضعين "[4]

1 مودودی، تفہیم القرآن، ۶/۱۹۸

2 الحج: ۳۴

3 ابن فارس، مقاییس اللغۃ، ۲/۲۳۸

4 اصفہانی، المفردات القرآن، ۱/۲۰

(الخبت نشیبی اور نرم زمین کو کہتے ہیں اور اخبت الرجل کے معنی نشیبی اور نرم زمین کا قصد کرنے یا وہاں اترنے کے ہیں۔ اس کے بعد لفظ الاخبات نرمی اور تواضع کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں دو مقامات پر یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔)

جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

''الإخبات الإنابة ''[1]

(گویا اخبات کا معنی انابت یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا ہے)

تفسیر قرطبی میں ہے:

''الْإِخْبَاتُ الْخُشُوعُ لِلْمَخَافَةِ الثَّابِتَةِ فِي الْقَلْبِ، وَأَصْلُ الْإِخْبَاتِ الِاسْتِوَاءُ، مِنَ الْخَبْتِ وَهُوَ الْأَرْضُ الْمُسْتَوِيَةُ الْوَاسِعَةُ: فَالْإِخْبَاتُ الْخُشُوعُ وَالِاطْمِئْنَانُ، أَوِ الْإِنَابَةُ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ الْمُسْتَمِرَّةُ ذَلِكَ عَلَى اسْتِوَاءٍ. إِلى رَبِّهِمْ'' [2]

(اخبات سے مراد دل میں موجود خوف کی وجہ سے اختیار کیا ہوا خشوع ہے اور اخبات کی اصل استوار ہے یہ خبت سے مشتق ہے اس سے مراد کھلی اور ہموار زمین ہے۔ لہٰذا اخبار سے مراد خشوع، اطمینان یا مکمل طور پر مسلسل اللہ کی ذات کی کی طرف جھکاؤ ہے۔)

سورہ ھود میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَى رَبِّهِمْ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾[3]

(بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے اور اپنے رب کی طرف جھکے رہے یہی لوگ اہل جنت ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے)

گویا کہ اخبات اختیار کرنے والے کو اس لیے جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے کہ اس کے اندر خدا کا خشوع اور ڈر ہے اور اس بنا پر وہ ہر برائی سے بچتا ہے اور اپنی عبادت کے وقت اس کا دل مطمئن ہوتا ہے اور وہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنے والا ہوتا ہے اس لیے اسے جنت کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''فآمنت قلوبهم وعملت جوارحهم الأعمال الصالحة قولا وفعلا من الإتيان بالطاعات وترك المنكرات، وبهذا ورثوا الجنات، المشتملة على الغرف العاليات، والسرر المصفوفات، والقطوف

1 سیوطی، جلال الدین، الدر المنثور، (دار الفکر بیروت)، ۴/۴۱۴

2 قرطبی، شمس الدین، الجامع الاحکام القرآن، (القاہرہ: دار الکتب المصریۃ القاہرہ ۱۹۶۴ء) ۹/۲۱

3 ھود: ۲۳

الدانيات، والفرش المرتفعات، والحسان الخيرات، والفواكه المتنوعات، والمآكل المشتهيات والمشارب المستلذات، والنظر إلى خالق الأرض والسموات، وهم في ذلك خالدون''[1]

(مخبتین ایمان والا دل رکھنے والے اور ان کے جسم کے اعضاء فرمابردار اور اپنے قول و عمل سے اللہ کے حکم کو بجالانے والے اور اس کی نافرمانی سے بچنے والے اور سید قطب ان کی صفات کا جائزہ یوں لیتے ہیں کہ مخبتین جو مومن جن کے سامنے اللہ کا ذکر ہو تو وہ خوف کی وجہ سے کانپ اٹھتے ہیں اور یہ صبر کرنے والے، خشوع و خضوع سے نماز قائم کرنے والے، اور مال میں سے خرچ کرنے والے، اور امام ماجدی کے نزدیک احکام شریعت کے آگے گردن جھکا دینے والے مخبتین ہیں ان سب صفات کے ساتھ تفسیر تبیان میں ان کی ایک اور صفت کہ یہ کسی پر ظلم نہیں کرتے اور اگر ان پر ظلم ہو جائے تو یہ بدلہ نہیں لیتے ایسی صفات رکھنے والے لوگ ہی جنت کے وارث کہلائیں گے۔ ان کے لئے بلند و بالا بالا خانے ہوں گے۔ تخت اور خوشوں اور میوہ جات سے ابھرے ہوئے فرش، انتہائی خوبصورت بیویاں اور مختلف اقسام کے بہترین ذائقے والے پھل، مزے دار کھانے کی اشیاء اور اللہ کو دیکھنے کی سب سے بڑی نعمت ہو گی جو مستقل ہوں گی۔)

''ويعقب بتقرير الوحدانية: فإلهكم إله واحد وبالأمر بالإسلام له وحده: فله أسلموا. وليس هو إسلام الإجبار والاضطرار، إنما هو إسلام التسليم والاطمئنان: «وبشر المخبتين. الّذين إذا ذكر الله وجلت قلوبهم» فبمجرد ذكر اسم الله يحرك الوجل في ضمائرهم ومشاعرهم'' [2]

یہ لفظ ایک حقیقی مومن اور اس کے رب کے درمیان پائے جانے والے تعلق کی بہت ہی اچھی تصویر کشی کرتا ہے۔ مومن مکمل طور پر اللہ کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے۔ اور ہر قسم کے حالات میں مطمئن رہتا ہے اس کے نفس میں ایک ٹھہراؤ ہوتا ہے، اس کا دل مطمئن ہوتا ہے اور اسے امن، قرار اور رضا کی کیفیت مل جاتی ہے۔ اے نبیؐ بشارت دے دو عاجزانہ روش اختیار کرنے والوں کو، جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کا ذکر سنتے ہیں تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ محض اللہ کا نام سنتے ہی ان کے شعور اور ضمیر میں خوف خدا پیدا ہو جاتا ہے اور وہ کانپ اٹھتے ہیں۔ یعنی اپنے پروردگار کا خشوع و انقیاد دل میں پیدا کر لیا۔ ''الاخبات هُوَ الخشوع والخضوع'' [3]

مخاطبین منذرین

قرآن کے تبشیر و انذار سے مزین اسلوب دعوت کے مخاطبین کا ایک طبقہ ان لوگوں کا ہے جن کو ان کے

1 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۴/ ۳۱۵

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۴/ ۲۴۲۳

3 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۴۹۵

سوء عمل کی بدولت تنبیہات کے ذریعے برے انجام کے خدشے سے خبر دار کیا ہے۔ انذار کا معنی ہے: کسی خطرہ سے خبر دار کرنا اور منذرین وہ ہیں جنھیں ان کے اعمال بد، اخلاق رزیلہ اور پھر ان کے انجام بد پر متنبہ کیا گیا۔ مبشرین کی ضد منذرین ہے۔ جس طرح قرآن مجید میں نیک اعمال کرنے والوں کو بشارتوں سے نوازا گیا اس طرح دوسرے طبقے یعنی منذرین کو خبر دار کیا گیا۔

منکرین:

قرآن مجید میں اللہ پر ایمان نہ رکھنے والے منکرین کو خبر دار کیا گیا ہے۔ بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبانی لوگوں کو انذار کیا کہ لوگوں کو ڈرائیں کہ اللہ کے سوا دوسرا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ بس اسی پر ایمان لاؤ۔

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنْذِرٌ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾[1]

(کہہ دو کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں اور خدائے یکتا اور غالب کے سوا کوئی معبود نہیں۔)

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر انذار کا مقصد اول انسانوں کی اصلاح ہے۔ اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں کو سورۃ البینہ میں یوں انذار کیا گیا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ﴾[2]

(بے شک وہ لوگ جنہوں نے اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا جہنم کی آگ میں ہوں گے۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں یہی لوگ مخلوق میں سب سے بُرے ہیں۔)

غلام رسول سعیدی منکرین کا انجام یوں بیان کر رہے ہیں کہ ان کا مستقل ٹھکانہ جہنم ہے اس لئے کہ جان بوجھ کر کفر اور شرک کر رہے ہیں اور نبیوں کے حق واضح کرنے کے باوجود شرک کر رہے ہیں:

"پہلے کفار کے عذاب اور پھر مؤمنین کے اجر و ثواب کا ذکر فرمایا تا کہ مؤمنین اللہ کے عذاب کے ڈر سے گناہوں کو ترک کرتے رہیں، کفار کی وعید میں دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے: ایک یہ کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور دوسری چیز یہ ہے کہ وہ تمام مخلوق میں بدترین ہیں۔ مشرکین اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے تھے اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دے کر اللہ تعالیٰ کی بے توقیری کرتے تھے اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے

---

1 ص:۶۵

2 البینہ:۶

پہلے ان کفار کا عذاب بیان فرمایا اور پھر جو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بے توقیری کرتے تھے، پھر ان مشرکین کا عذاب بیان فرمایا جو شرک کرتے تھے"[1]

اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کے لیے جس سرزمین کو منتخب کیا سب سے پہلے وہاں کے لوگوں کو انذار کیا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ﴾ [2]

(اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو ڈراؤں)

یعنی اگر تم ایمان نہ لاؤ تو اس قرآن کے ذریعہ سے اللہ کے عذاب سے ڈراؤں کُمْ کا خطاب اہل مکہ کو ہے اور مَنْ بَلَغَ کا خطاب تا قیامت سب لوگوں کو ہے بہت سارے مقامات پر قرآن مجید میں اہلِ مکہ کو براہ راست مخاطب کر کے انذار کیا گیا۔ نبی پاک ﷺ کو بعثت کے بعد یہ ہدایت ملی کہ:

﴿ قُمْ فَأَنْذِرْ﴾[3]

(کھڑے ہو جائے اور لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایے)

اس طرح سورۃ الشعراء میں یوں حکم خداوندی ملا:

﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ [4](اور اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرایئے)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"ما أنزل الله على العرب من كتاب قبل القرآن، وما أرسل إليهم نبيا قبل محمد صلى الله عليه وسلم، وقد كانوا يودون ذلك ويقولون: لو جاءنا نذير أو أنزل علينا كتاب، لكنا أهدى من غيرنا، فلما من الله عليهم بذلك كذبوه وعاندوه وجحدوه." [5]

(اللہ کی طرف سے نہ تو عربوں کے لئے پہلے کوئی کتاب آئی اور نہ ہی نبی کریم ﷺ سے پہلے کوئی رسول ان کی طرف آیا اسی لئے وہ کئی مدت سے اس انتظار میں تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی رسول آتا اور اللہ کی کتاب ہمارے لئے نازل ہوتی تو ہم فوراً اس کے فرمابردار اور پابند ہوتے لیکن جب ان کی خواہش کے مطابق اللہ کے رسول

---

1 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۹۱۱/۱۲

2 الانعام:۱۹

3 المدثر:۲

4 الشعراء:۲۱۴

5 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۵۲۵/۶

اور کتاب ان کی طرف آئی تو یہ جھٹلانے لگے اور منکر ہوئے۔) تفسیر فی ظلال القرآن میں ہے:

”وبعد إنذار شخصه- صلّى الله عليه وسلّم يكلف إنذار أهله. لتكون لمن سواهم عبرة، أن هؤلاء يتهددهم العذاب لو بقوا على الشرك لا يؤمنون“ (1)

(نبی کریم ﷺ کو عذاب سے خبردار کرنے کے بعد آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ اپنے رشتہ داروں کو ڈرائیں اس لئے کہ دور کے لوگ بھی ڈریں اگر آپ ﷺ کے عزیز و اقارب ایمان نہیں اور شرک پر مرے تو معذبین میں سے ہوں گے تو اور لوگوں کے لیے جاننا چاہیے کہ کوئی رعایت نہ ہو گی)

مذکورہ بالا آیات مبارکہ کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی دعوت کا نقطہ آغاز ”انذار آخرت“ ہے آپ ﷺ کو مکہ والوں کو انذار کا حکم دیا گیا کیونکہ ایک لمبے عرصے سے ان کے پاس کوئی انذار کرنے والا نہیں آیا تھا۔ اس لئے انہیں مدتوں سے تمنا تھی کہ اگر اللہ کا رسول ہم میں آتا اگر کتاب اللہ ہم میں اترتی تو ہم سب سے زیادہ مطیع اور پابند ہو جاتے۔ لیکن جب اللہ نے ان کی یہ دیرینہ آرزو پوری کی تو جھٹلانے اور انکار کرنے لگے۔ تاہم ایسے لوگوں کے لیے اتمام حجت کے طور پر انذار کا عمل ہی تجویز کیا گیا۔ ایک جگہ آپ ﷺ کی نبوت کا مقصد ہی اہلِ مکہ کو انذار کرنا بتایا:﴿وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ (2)(تا کہ تم ام القری اور اس کے ارد گرد بسنے والوں کو ڈراؤ۔)

سید قطب لکھتے ہیں:

”وسميت مكة أم القرى، لأنها تضم بيت الله الذي هو أول بيت وضع للناس ليعبدوا الله فيه وحده بلا شريك وجعله مثابة أمن للناس وللأحياء جميعاً ومنه خرجت الدعوة العامة لأهل الأرض ولم تكن دعوة عامة من قبل وإليه يحج المؤمنون بهذه الدعوة، ليعودوا إلى البيت الذي خرجت منه الدعوة“(3)

(مکہ مکرمہ کو ام القری اس لئے کہا گیا کہ اس میں وہ گھر ہے جسے سب سے پہلے اللہ وحدہ کی عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا اور اسے امن اور لوگوں کے آنے جانے کی جگہ قرار دیا گیا۔ فقط انسانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ ہر زندہ چیز کے لئے اسے جائے امن قرار دیا گیا اور مکہ مکرمہ ہی سے تمام روئے زمین کے باشندوں کے لئے دعوت اٹھی۔ اس سے قبل تمام انبیاء کی دعوت کبھی دعوت عامہ نہیں رہی اور یہ ام اس لیے بھی ہے کہ یہاں تمام اہل ایمان حج کے لئے

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۵/۲۶۱۹

2 سبا: ۴۴

4 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۲/۱۱۴۸

آتے ہیں تا کہ یہاں سے دعوت اسلامی کو لے کر دنیا میں پھیل جائیں۔)

اہل مکہ کی ہٹ دھرمی دیکھ کر پھر انھیں ان کے انجام سے یوں خبر دار کیا گیا:

﴿فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ﴾ [1]

(تو اے نبی ﷺ اگر یہ لوگ اعراض کریں آپ کہہ دیجیے کہ میں نے تو تمھیں خبر دار کر دیا ہے۔ ایک ایسی خوفناک کڑک سے جیسی کہ قوم عاد اور قوم ثمود کی کڑک تھی)

مزید ارشاد فرمایا:

﴿أَمْ أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ﴾ [2]

(کیا تم اس سے بے خوف ہو کر کہ وہ جو آسمان میں ہے تم پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دے پھر تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا)

یہاں نبی پاک کی ذریعہ سے کفار مکہ کو ڈرایا جارہا ہے کہ اگر تم اس طرح کفر و شرک پر اڑے رہے اور راہ ہدایت نہ پکڑی تو اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار کر لیے جاؤ گے۔

کافرین:

کفر سے مراد کسی چیز کو چھپا کر رکھنا اللہ کی نعمتوں کو چھپانا اور اس پر شکر ادا نہ کرنا کفران نعمت اور کفر ہے۔ اور اللہ اور اس کے نبی کی نبوت کا انکار سب سے بڑا کفر ہے۔ قرآن مجید میں جس جس جگہ لفظ کفر استعمال ہوا ہے وہاں اس سے مراد نعمتوں اور اللہ کا انکار کرنا ہے۔[3]

جیسے کہ سورۃ نمل میں انھی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

﴿لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَفَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيم﴾ [4]

(تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری ' اور جس نے شکر کیا تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے شکر کرتا ہے ' اور جس نے ناشکری کی تو بیشک میرا رب بے پرواہ ' بزرگی والا ہے)

اس آیت مبارکہ میں بھی کفر سے مراد کفران نعمت اور ناشکری ہے۔ یہاں کفر قرآن کے انکار کے لیے بولا گیا ہے کیونکہ کافر سے مراد وہ شخص ہے جو ایک ہی وقت میں اللہ کی توحید اور نبوت او شریعت کا انکار کرے:

1 حم السجدہ:۱۳

2 الملک:۱۷

3 علامہ سعیدی، تبیان القرآن،۱/۲۷۹

4 النمل:۴۰

﴿وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ﴾[1] (لہٰذا سب سے پہلے تم ہی اس کے منکر نہ بن جاؤ)

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کفار کو خبردار کیا گیا ہے۔ کافروں کی ہٹ دھرمی کا اعتراف خود قرآن نے یوں کیا: ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنْذِرُوا مُعْرِضُونَ﴾[2] (اور کافر لوگ جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں منہ موڑ لیتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنی ذات اور صفات اور اپنی توحید پر دلائل قائم فرمائے تاکہ لوگ اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں اور ان نشانیوں سے صاحب نشان تک پہنچ سکیں ان کی آسانی کے لئے انبیاء و رسل (علیہم السلام) کو مبعوث فرمایا، ان کی ہدایت کے لئے کتابیں اور صحائف نازل کیے اور رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ ان کو آخرت کے اجر وثواب کی طرف رغبت دی اور دوزخ کے عذاب سے ڈرایا اور یہ کفار ان دلائل میں غور وفکر کرنے سے مسلسل اجتناب اور اعراض کرتے رہے۔ پھر قرآن کی زبان میں بتادیا گیا کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان پر کوئی بھی نصیحت کارگر نہیں ہو سکتی۔ سورۃ یٰسین میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾[3]

(برابر ہے کہ انھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں)

ان تمام آیات مبارکہ میں کافروں کو انذار کیا گیا ہے ان کے علاوہ متعدد آیات مبارکہ ایسی ہیں کہ ان کو انذار کے بعد کفر پر ڈٹے رہنے کے باعث ان کے انجام بد سے خبردار کیا گیا ہے۔ سورہ النباء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا﴾[4]

(بے شک ہم نے ڈرا دیا ہے تمھیں جلد آنے والے عذاب سے اس دن دیکھ لے گا ہر شخص جو اس نے آگے بھیجے تھے اور کافر (بعد حسرت) کہے گا کاش! میں خاک ہوتا)

مشرکین

شرک کا لغوی معنی ہے دو یا دو سے زیادہ لوگ کسی ایک معین چیز کے مالک ہوں تو وہ دونوں اس کی ملکیت میں شریک ہیں، اور دین میں شرک یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کا شریک ٹھہرائے اور یہ سب سے بڑا کفر ہے اور شرک صغیر یہ کہ بعض کاموں میں اللہ کے ساتھ غیر اللہ کی بھی رعایت کرے جیسے ریاء اور نفاق۔ کسی شخص کو الوہیت میں شریک ماننا جیسے مجوس اللہ کے سوا واجب الوجود مانتے ہیں یا اللہ کے سوا کسی کو عبادت کا مستحق مانتے ہیں جیسا کہ بت

---

1 البقرہ:۴۱

2 الاحقاف:۳

3 یٰسین:۱۰

4 النباء:۴۰

پرست اپنے بتوں کو عبادت کا مستحق مانتے ہیں۔

مشرکین کو انذار کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی مشرک کی بخشش نہیں فرمائے گا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا عَظِيمًا﴾[1]

(مشرکین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ ہر گناہ معاف کر سکتا ہے لیکن اللہ شرک کرے والوں کو کبھی بھی معاف نہیں کرے گا)

اور شرک کو ایک دوسرے مقام پر بڑے ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾[2]

(بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے)

چونکہ مشرک مخلوق کو خدا کے برابر درجہ دیتا ہے، اور غیر اہل کو عبادت کا اہل سمجھتا ہے، اس لیے شرک کرنے والے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾[3]

(جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں)

مزید ان کو انذار کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَيُنْذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا﴾[4]

(اور ان لوگوں کو بھی ڈرادے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے)

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ﴾[5]

(وہ کہتے ہیں کہ رحمان اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ وہ تو اللہ کے بندے ہیں جنھیں عزت دی گئی ہے)

سبحان اللہ، اللہ ان کے شرک سے پاک ہے۔ جس طرح اللہ کا کوئی نائب نہیں اسی طرح الوہیت میں اس کا

---

1 النساء:۴۸

2 لقمان:۱۳

3 المائدہ:۷۲

4 الکہف:۴

5 الانبیاء:۲۶

کوئی شریک نہیں ہے لہٰذا وہ ہر شرک سے پاک ہے شرک کرنے والوں کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ نُجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ﴾[1]

(اور ڈرا دے لوگوں کو اس دن سے کہ آئے گا ان پر عذاب تب کہیں گے ظالم اے رب ہمارے مہلت دے ہم کو تھوڑی مدت تک کہ ہم قبول کر لیں۔ تیرے بلانے کو اور پیروی کر لیں رسولوں کی کیا تم پہلے قسم نہ کھاتے تھے کہ تم کو نہیں لگنا)

پھر ان کے انجام بد کے بارے میں بتایا گیا:

﴿وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ﴾[2]

(اور انھیں بہت ہی قریب آنے والی (قیامت) سے ڈرایئے جبکہ دل حق کو پہنچ جائیں گے اور سب سے خاموش ہوں گے ظالمین کا کوئی ولی دوست ہو گا نہ سفارش کہ جس کہ جس کی بات مانی جائے گی)

منافقین:

منافق سے مراد وہ لوگ جو زبان پر دعویٰ اسلام رکھتے ہیں لیکن دل ان کے تصدیق نہیں کرتے۔ صرف زبان سے دعویٰ و اقرار کرتے ہیں جس میں قلبی تصدیق ہرگز شامل نہیں ہوتی۔ ان انسانوں کو اصطلاح شریعت میں منافق کہا گیا ہے۔

نفاق کی حقیقت یہ ہے کہ انسان بھلائی کا اعلان و اظہار کرتا ہے لیکن اندر ہی اندر شر کو چھپائے رکھے اور جب موقع دیکھے شر کے پھیلانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے لیکن شر کے پھیلانے کا انداز ایسا اختیار کرے کہ ضرورت کے وقت وہ شر کو اپنی چرب زبانی اور چالاکی سے خیر ثابت کرنے کی پوری کوشش کرے اور اس منافقت کو تین اقسام میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ایمان کا اظہار ہو لیکن حقیقت میں وہ تمام ضروریات ملی کا منکر اور تعلیم الٰہیہ کا شدید دشمن ہو، فسق و فجور کی کثرت اور عدوان وضلالت کا اثر اس درجہ غالب آگیا ہو کہ دنیا کو دین پر اور کفر کو اسلام پر ترجیح دے، ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے تذبذب اور اضطراب میں ہو۔

قرآن نے واضح کیا ہے کہ:

---

1 ابراہیم:۴۴

2 المومن:۱۸

﴿إِنَ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا﴾[1]

(بے شک منافقین جہنم کے نچلے درجے میں ڈالے جائیں گے)

مزید ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴾[2]

(اللہ نے منافق مرد اور منافق عورتیں اور کافروں کے لیے دوزخ کی آگ کا وعدہ فرمایا ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہی بس ہے ان کو اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے عذاب مقیم ہے)

یعنی ایسا عذاب جو آکر جائے گا نہیں، قائم ہو کر اور جم کر رہ جائے گا۔ یعنی اس دوزخ کی آگ سے زیادہ کسی اور سزا کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ اللہ کی لعنت کے معنی اللہ کی خصوصی رحمت سے دور کر دینے کے ہیں۔[3] اللہ تعالیٰ منافقین کے کئے گئے جرائم کا تذکرہ یوں کرتے ہیں کہ وہ برائی کرنے والے اور اس کا حکم دیتے اسی طرح خود بھی نیکی نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی اس سے منع کرتے ہیں اور احکامات کی پیروی نہیں کرتے۔[4] سو کفار اور منافقین کا دوزخ میں ہمیشہ رہنا مقدر کر دیا ہے۔ ان کے کفر و نفاق کے لیے دوزخ کی آگ کافی ہے۔ اور یہ اللہ کی رحمت سے محروم اور ذلیل و خوار ہوں گے اور ان پر نہ ختم ہونے والا عذاب ہو گا۔ اس کے علاوہ بے شمار مقامات پر منافقین کے انجام بد کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

مترفین:

مترفین سے مراد عیش و عشرت اور کثرت دولت کا شکار لوگ ہیں۔ التُّرْفَةُ : التوسع في النعمة وہ آسودہ حال اور کثرت دولت میں ہے[5] سورۃ المومنون میں ہے: ﴿وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾[6] (اور دنیا کی زندگی میں ہم نے اس کو آسودگی دے رکھی تھی)

سورہ سباء میں عیش پسند اور خوشحال لوگ، جو انسانیت کی محبت اور معاشرے کی بدحالی سے منہ موڑے

---

1 النساء:۱۴۵

2 التوبہ:۶۸

3 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۴۴۶

4 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۵/ ۱۸۸

5 اصفہانی، مفردات القرآن، ۱/ ۱۴۴

6 المومنون:۳۳

رہتے ہیں، کسی صورت ہدایت ربانی کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتے، جب بھی ان کا سامنا دعوت ہدایت سے ہوتا ہے تو وہ اسے ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ یہ رویہ ناشکری سے بڑھ کفر کے دائروں میں داخل ہو جاتا ہے۔ ایسے طبقات کو جب ان کے اس عمل کے انجام پر متنبہ کیا جاتا ہے تو اس پکار کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ﴾[1]

(اور اہم نے جس بستی میں بھی کوئی رسول بھیجا تو اس کے آسودہ حال لوگوں نے اسے یہی کہا کہ جو پیغام تم لے کر آئے ہو ہم اس کے منکر ہیں)

سید قطب شہید لکھتے ہیں کہ:

"فهي قصة معادة، وموقف مكرور، على مدار الدهور. وهو الترف يغلظ القلوب، ويفقدها الحساسية ويفسد الفطرة ويغشيها فلا ترى دلائل الهداية فتستكبر على الهدى وتصر على الباطل، ولا تتفتح للنور.والمترفون تخدعهم القيم الزائفة والنعيم الزائل، ويغرهم ما هم فيه من ثراء وقوة، فيحسبونه مانعهم من عذاب الله، ويخالون أنه آية الرضى عنهم، أو أنهم في مكان أعلى من الحساب والجزاء:"[2]

(یہ ایک عام رویہ ہے جسے بار بار بیان کیا جاتا ہے ہمیشہ سے ہی ایسا ہوتا ہے کہ خوشحالی سے دل سخت ہو جاتے ہیں اور ان کے اندر سے احساس ختم ہو جاتا ہے۔ ان کی فطرت بگڑ کر باطل کے نیچے دب جاتی ہے اور انھیں ہدایت کی دلیلیں نظر ہی نہیں آتی۔ اس لیے ہدایت کے مقابلے میں مفسدین اپنے آپ کو اونچا سمجھتے ہیں اور ان کے دلوں کو بند کر دیا جاتا ہے ان کا کہنا ہے کہ ہمیں اللہ نے مال اور اولاد سے نواز کر فضلیت دی ہے اور اللہ ہم سے خوش نہ ہوتا تو اتنی نعمتیں نہ دیتا اور جب وہ ہم سے راضی ہے تو پھر وہ ہم کو عذاب نہیں دے گا۔)

سورۃ الزخرف میں یوں ارشاد ہوا:

﴿وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ﴾ (3)

(اسی طرح تم سے پہلے جس بستی میں بھی ہم نے کوئی نذیر بھیجا اس کے کھاتے پیتے یا آسودہ حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انھی کے نقش قدم کی پیروی کر رہے ہیں)

"آخر ہمیشہ ان لوگوں نے ہی کیوں دین کو قبول کرنے سے منع فرمایا۔ اس کی دو وجوہات ہیں: ایک کھاتے پیتے

1 سباء:۳۴

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۵/ ۲۹۱۰

3 الزخرف:۲۳

اور خوشحال طبقے اپنی دنیا بنانے اور اس سے لطف اندوز ہونے میں اس قدر منہمک ہوتے ہیں کہ حق اور باطل کی بزعم خویش از کار بحث میں سر کھپانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ دوسرے یہ کہ قائم شدہ نظام سے ان کے مفاد پوری طرح وابستہ ہو چکے ہوتے ہیں، سو وہ حق کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں"[1]

گویا کہ ضیعف لوگ ہی ہمیشہ انبیاء پر پہلے ایمان لاتے ہیں۔ ہمیشہ یوں ہوتا ہے کہ اہل ثروت اور کھاتے پیتے لوگوں کی جھوٹی قدریں ان کو دھوکہ دیتی ہیں۔ ان کی دولت اور قوت ان کو دھوکے میں ڈالتی ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا یہ اثر ورسوخ ان کو عذاب الٰہی سے بھی بچالے گا۔ اور ان کا خیال ہے کہ اللہ نے جو دولت ان کو دی ہے یہی تو اللہ کی رضا کی علامت ہے اور یہ کہ وہ حساب وکتاب اور جواب دہی کے مقام سے بلند ہیں۔

الغرض قرآن مجید میں ان صفات کے حامل مبشرین کو بشارتیں اور خوشخبری دی گئی۔ جو اپنے آپ کو کلیۃً اسلام کے دائرے میں داخل کرنے والے اور اللہ اور اس کے رسولوں کی اطاعت کرنے والوں کو رحمت اور فضل کی بشارت دی اسی طرح مومنین کا ذکر کثرت سے کیا گیا جو نیک اعمال کرنے، اقربا پروری کرنے والے، وعدے کی پاسداری اور اسلام کے لئے ہجرت، جہاد کرنے والے، رجوع الی اللہ اور امر بالمعروف و نھی عن المنکر کو بجالانے والے ہیں۔ اسی لئے آخرت میں ان کا استقبال سلام و دعا کے ساتھ کیا جائے گا۔ اور متقین کا مقام اللہ کے ہاں سب سے اونچا ہو گا کیونکہ وہ حدود الہیٰ کے محافظ، کبیرہ گناہ سے بچنے والے اور خشوع کرنے والے ہیں انھیں جنت کا وعدہ اور بشارت اس کی وسعت کے ساتھ دیا گیا ہے۔ خوف، بھوک، جانوں ومالوں، پھلوں کی کمی اور ہر آزمائش پر صبر کرنے والوں کو جنت، ریشمی لباس اور بے پناہ حساب کی بشارت دی گئی۔ محسنین اور عاجزی کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں فلاح کی اور ہمیشہ رہنے والی جنت کی بشارت دی گئی ان صفات کی بنا پر قیامت کے روز ان کی عزت افزائی کی جائے گی اور جنت کو ان کے قریب کر دیا جائے گا۔ یہ اللہ کے خصوصی فضل اور رحمت کے مستحق ہوں گے۔ اس کے برعکس منذرین جو عذاب دیئے جائیں گے۔ جو کفر و شرک میں مبتلا ہوں گے اور اللہ کی آیات کو جھٹلانے والے اور منافقین جو کہ نیکی سے روکنے والے اور بدی کو پھیلانے والے ہیں اس لئے ان پر اللہ کی لعنت، اللہ کی رحمت سے دوری، دوزخ کی آگ کا وعدہ، دردناک اور نہ ختم ہونے والا عذاب ہے آخرت میں ان کے لئے رسوائی ہے اور ان کا نہ کوئی دوست اور نہ ہی ان کی سفارش قبول کی جائے گی۔ یہی اللہ کا شعار ہے کہ وہ ماننے والوں کو بے پناہ نعمتوں اور بشارتوں سے نوازتا ہے اور نہ ماننے والوں کو اسی طرح عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

---

1 مودودی، تفہیم القرآن، ۴/ ۵۳۳

فصل سوم

تبشیر وانذار کی حکمتیں

سورۃ النحل میں قرآن کریم نے اہل ایمان کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ کی طرف بلائیں، ایمان لانے کی اور حسن عمل کی ترغیب دیں بالحمکة والموعظة الحسنة: حکمت ودانش اور خوبصورت وعظ ونصیحت کے ساتھ۔ پھر جب بحث وتمحیص کا موقع آجائے تو مکالمہ اور مجادلہ بطریق احسن کیا جائے۔ یہ دعوت دین کی بنیادی صفات اور تقاضے ہیں، جو انبیاء کی سیرتوں کا مستقل حصہ رہے ہیں۔ انسان کو قائل کرنا دلیل کے ساتھ اور مائل بہ عمل کرنا جذبات واحساسات کی تہذیب کے ساتھ، یہ دعوت دین کی حکمت ہے اور قرآن کریم اسی حکمت سے مزین ہے۔

تبشیر کی حکمتیں

اللہ رب العالمین نے انسان کو باختیار مخلوق بنایا ہے اور جو ضابطہ حیات اس نے انسان کے لیے پسند فرمایا ہے ، اسے جبر واکراہ کے ساتھ انسان پر تھوپا نہیں بلکہ اس کی طرف دعوت دی ہے ترغیب اور ترہیب کے ذریعے تاکہ انسان اپنی عقل وشعور کے ساتھ، ارادہ اختیار کے، فیصلہ کرکے اس طریق مستقیم کو اپنالے کیونکہ اس ضابطہ حیات کو اپنا لینے میں انسان کے لیے فلاح وکامرانی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اسی ترغیب وترہیب کا دوسرا نام تبشیر وانذار ہے۔ بشارتیں اس لیے کہ حسن عمل کی طرف رغبت پیدا ہو اور تنبیہات اس لیے کہ انسان انجام بد کی خوف سے بد اعمالیوں کے راستے سے گریز کرے۔

قرآن مجید کے اسلوب تبشیر میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ بشارتوں کا مقصد امید عطا کرنا اور اندر اچھے کاموں کی طرف رغبت پیدا کرنا ہے۔ اس کے علاوہ، خوشخبری کو ہر نفس پسند کرتا ہے، جس سے حسن عمل کا ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے۔ ہر نیکوکار یہ چاہے گا کہ اس کے نیک اعمال کا اسکو بدلہ دیا جائے جو اس کے لیے اطمینان قلبی کا باعث بنے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار

اللہ تعالی کی قدرت کاملہ سے دنیا میں کچھ ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ کہ ان کو دیکھ کر انسان ورطۂ حیرت میں آجاتا ہے۔ کہ اس کی کبھی وہ توقع بھی نہیں کرسکتا۔ اور کچھ واقعات ایسے ہیں۔ جو زمانے میں پہلی دفعہ اور

ایک ہی بار رونما ہوئے۔ جیسے حضرت عیسٰی کی پیدائش۔ سورۃ آل عمران میں بیان ہوا ہے:

﴿ إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴾(1)

(اس وقت جب فرشتوں نے کہا۔ کہ اے مریم بے شک اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتا ہے کہ ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہو گا۔ اس کا نام مسیح ابن مریم ہو گا) پھر حضرت مریمؑ نے تعجب کا اظہار کیا:

﴿قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ﴾ (2)

(مریمؑ نے کہا۔ اے میرے رب میرے ہاں بچہ کیسے ہو گا۔ حالانکہ مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ تک نہیں لگایا)

"اس آیت مبارکہ سے اللہ کی وسیع قدرت کا پتہ چلتا ہے وہ مسبب الاسباب ہے ہر کام کا سبب خود ہی پیدا کرتا ہے"(3)

پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ جو اس بشارت کے اندر موجود تھی اس کا اظہار یوں فرمایا:

﴿ كَذَلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴾ (4)

(اس طرح اللہ پیدا کرتا ہے۔ جو چاہتا ہے، جب وہ کسی کام کا ارادہ چاہتا ہے، تو کہتا ہے "کُن" ہو جا "فیکون" پس وہ ہو جاتا ہے)

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

"إذا قضى أمرا فإنما يقول له كن فيكون} أي: فلا يتأخر شيئا، بل يوجد عقيب الأمر بلا مهلة، كقوله تعالى: {وما أمرنا إلا واحدة كلمح بالبصر} أي: إنما نأمر مرة واحدة لا مثنوية فيها، فيكون ذلك الشيء سريعا كلمح بالبصر"(5)

اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ کریں تو اتنا کہہ دینا کہ ہو جا اور بس وہ کام ہو جاتا ہے جب اس کا حکم آجائے تو پھر اس میں کوئی تاخیر نہیں ہوتی جیسے اللہ کا فرمان کہ جب ہمارا حکم آجائے تو آنکھ جھپکتے ہی وہ کام فوراً ہو جاتا ہے

حضرت زکریاؑ نے ایک مرتبہ حضرت مریمؑ کے پاس فرحت افزا پھل دیکھے تو حیران ہو کر ان سے پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے ہیں۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ کی طرف سے عنایت ہوئے۔ حضرت زکریا علیہ السلام

---

1 آل عمران:۴۵

2 ایضاً:۴۷

3 رفعت اعجاز، مفہوم القرآن (لاہور: بیت القرآن طبع اول، ۲۰۰۶) ۲۴۸

4 آل عمران:۴۷

5 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۲/۴۴

بڑھاپے کے عالم میں تھے۔ انھوں نے خیال کیا کہ اگر خدا اپنی قدرتِ کاملہ سے غیر معمولی طور پر مریم کو رزق عطا کر دیتا ہے، جس کے لئے بظاہر وسائل نظر نہ بھی آرہے ہوں تو وہ رب کریم انہیں بڑھاپے میں بھی اولاد عطا کرے گا جو ان کے لیے امید اور سہارا بنے گی۔ جب اُنھوں نے اللہ تعالیٰ سے اس امید کے ساتھ دعا کی تو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُنھیں نیک اولاد پیدا ہونے کی بشارت دی۔

سورۃ مریم میں اس بشارت کا ذکر اس طرح سے کیا گیا ہے:

﴿يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَى لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا﴾[1]

(اے زکریا ہم تمھیں ایک فرزند کی خوش خبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہو گا۔ اور ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام پیدا نہیں کیا)

حضرت زکریا علیہ السلام نے جب فرشتوں سے یہ خوش خبری سنی تو اُنھوں نے تعجب کا اظہار کیا کہ وہ بوڑھے ہو چکے ہیں اور ان کی زوجہ بانجھ ہیں، ایسے حالات میں تو عام حالات میں ایسے نہیں ہوا کرتا۔ ایسے میں فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے ساتھ ہونے والے معجزے کا اظہار یوں کیا:

﴿قَالَ كَذَٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا﴾ [2]

(حکم ہوا کہ اسی طرح ہو گا تمہارے رب نے فرمایا کہ مجھے آسان ہے اور میں پہلے تمہیں بھی تو پیدا کر چکا ہوں)

غلام رسول سعیدی، اس آیت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"اللہ نے اپنی قدرت کا اظہار یوں کیا۔ یہ پیدائش اسی طرح ہو گی، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے اس میں کچھ غلط نہیں اور نہ ہی اس کے خلاف کچھ ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس پر دلیل قائم کی کہ یہ میرے لئے آسان ہے، میں تم کو عدم سے وجود میں لا چکا ہوں۔[3]

گویا اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ اب بوڑھے مرد اور عورت سے بچہ پیدا کرنے کے لیے وہ ان پر جوانی لوٹا دے۔ بلکہ وہ ان کے بڑھاپے ہی کی حالت میں ان میں جوانوں کی سی قوت اور توانائی پیدا کر دے گا اور ان کی بیوی سے بانجھ پن کے مرض کے باوجود انھیں اولاد سے نوازے گا یہی اللہ کی عظیم قدرت کی دلیل ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم کو دی جانے والی بشارت کا ذکر ہے۔

---

1 مریم:۷

2 ایضاً:۹

3 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۷/۲۵۶

سورۃ الھود میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى ﴾ (1)

(اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے)

اس بشارت کو سننے کے بعد حضرت سارہ نے تعجب کا اظہار کیا جس کو یوں بیان کیا گیا۔ سورہ ھود میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ قَالَتْ يَا وَيْلَتَى أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ﴾ (2)

(وہ بولی تعجب مجھ پر! کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میرے ہاں اولاد ہو حالانکہ میں بڑھیا ہو گئی ہوں اور میرا شوہر بھی بوڑھا ہے، یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے)

{یاویلتی} ایسا کلمہ ہے جس کو حسرت، ندامت اور تعجب کے اظہار کے طور پر بولا جاتا ہے۔ مفسرین نے اس کے مختلف معنی بیان کئے ہیں۔ لیکن اس واقعہ کے سیاق وسباق کے مطابق یہاں اس کے معنی تعجب کے اظہار کے لئے ہی استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے امام ماجدیؒ فرماتے ہیں کہ (بہ اعتبار اسباب ظاہر کے حضرت سارہؓ کا یہ خوشخبری سن کر اسباب ظاہری ومادی کے لحاظ سے اس پر تعجب کرنا بالکل قدرتی تھا)(3)

جب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہؑ کو بشارت دی گئ۔ تو حضرت سارہؓ نے تعجب کا اظہار کیا کہ میں بوڑھی ہوں۔ اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں۔ یقیناً یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے۔ اس میں جو حکمت پوشیدہ ہے۔ اس کو مفسر ضیاء القرآن یوں تحریر کرتے ہیں:

”حضرت سارہؑ کو یہ بشارت اس لیے دی گئی۔ کہ حضرت ابراہیم کے ایک بیٹا اسماعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ کے بطن سے تھے۔ حضرت سارہؓ کو تمنا تھی۔ کہ مجھے بھی بیٹا ملے۔ لیکن بیٹا نہ ہوا۔ یہاں تک کہ وہ بوڑھی ہوگئی اور مایوس ہوگئی۔ اس وقت یہ بشارت آگئی۔ تو تعجب میں پڑ گئیں اور کہنے لگیں۔ یہ تو بہت عجیب بات ہے۔ کبھی دیکھنے اور سننے میں نہیں آئی۔ فرشتوں نے حضرت سارہؓ سے کہا۔ کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعجب کرتی ہے۔ تعجب کی کیا بات ہے۔ خدا تو ہر امر پر قادر ہے،،(4)

الغرض ان سب بشارتوں میں امید کے ساتھ خوشخبری، نعمت اور قدرت کاملہ کے اظہار کا اعلان پوشیدہ ہے۔ کہ اللہ ہی بے پناہ قدرت کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے (اسحاقؑ) کی بشارت دی

1 هود:٦٩

2 ایضاً:٧٢

3 دریابادی، تفسیر ماجدی،٥٠٦

4 الازھری، ضیاء القران،٣٧٨/٢

جب کہ وہ اس عمر سے گزر کے بوڑھے ہو چکے تھے۔اسی طرح حضرت زکریہؑ کو بیٹے کی بشارت دی جبکہ ان کی بیوی بانجھ تھی اور حضرت مریمؑ کو بیٹے کی بشارت دی جبکہ وہ کنواری تھی۔یہ تینوں بشارتیں خلاف معمول اس وقت دی گئی جب اس کی کوئی امید نہ تھی۔لیکن اللہ کی قدرت کی نشانیاں ان واقعات میں موجود ہیں۔اور حکمتیں کہ وہ کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتا ہے۔اور اسکو کرنے کے لیے صرف کن کہنے کی ضرورت ہے، اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔

حسن عمل کی ترغیب اور انعام کی عطا

سورۃالتوبہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾(1)

(بے شک مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر خرید لیے ہیں۔کہ اسکے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے۔یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تومارتے بھی ہیں۔اور مارے بھی جاتے ہیں۔یہ تورات، انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے۔اور اللہ سے زیادہ وعدے کا پورا کرنے والا کون ہے۔توجو سودا تم نے اُس سے کیا ہے۔اس سے خوش رہو۔اور یہی بڑی کامیابی ہے)

جان اور مال دونوں اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔یہ دونوں چیزیں عارضی ہیں لیکن اللہ اپنی ہی دی ہوئی چیزیں مانگ کر اس کے بدلے میں جنت کا سودا کرتا ہے۔یہ مسلمانوں کے لیے بہت بڑی بشارت ہے۔ جو لوگ اللہ کے راستے میں اپنی جان اور مال خرچ کرتے ہیں تو بدلے میں انھیں جنت دی جائے گی اسے اللہ نے تجارت سے تشبیہ دی ہے اور مذکورہ آیت میں جو تورات اور انجیل کا ذکر آیا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جانوں اور مالوں کی قربانی کا تصور ہر امت میں موجود تھا اور اس کے بدلے میں ہر امت سے جنت کا ہی وعدہ فرمایا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے:

((لَرَوْحَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَوْ غَدْوَةٌ، خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَلَقَابُ قَوْسِ أَحَدِكُمْ مِنَ الجَنَّةِ، أَوْ مَوْضِعُ قِيدٍ - يَعْنِي سَوْطَهُ - خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى أَهْلِ الأَرْضِ لَأَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا، وَلَمَلَأَتْهُ رِيحًا، وَلَنَصِيفُهَا عَلَى رَأْسِهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا))(2)

1 التوبہ:۱۱۱

2 البخاری، الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب الحور العین وصفاتھن، ح۲۷۹۶

(اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک صبح یا ایک شام گزار دینا دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے اور جنت میں تھوڑی سی جگہ بھی تمام دنیا سے اس کی چیزوں سے بہتر ہے بلکہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب سے بہتر ہے اور کسی کے لیے جنت میں ایک ہاتھ جگہ یا ایک کوڑا رکھنے کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اگر جنت کی کوئی حور زمین کی طرف جھانک ہی لے تو ساری زمین اور آسمان روشن ہو جائیں اور خوشبو سے معطر ہو جائیں۔ اور اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور ما فیہا سے بہتر ہے)

ابن کثیر لکھتے ہیں:

" يخبر تعالى أنه عاوض عباده المؤمنين عن أنفسهم وأموالهم إذ بذلوها في سبيله بالجنة، وهذا من فضله وكرمه وإحسانه، فإنه قبل العوض عما يملكه بما تفضل به على عباده المطيعين له؛ بايعهم والله فأغلى ثمنهم. " (1)

اللہ تعالیٰ کے مومن بندے جب اس کی راہ میں جانوں اور مالوں کی قربانی دیتے ہیں تو اللہ اس کے عوض اپنے بندوں کو فضل و کرم اور لطف و رحم سے باغات جنت عطا فرمائے گا۔ جب کوئی اللہ کی دی ہوئی چیز کو واپس اسی کے راستے میں خرچ کرتا ہے تو اس کی اطاعت گزاری سے اللہ تعالیٰ خوش ہو کر اسے اپنے فضل و کرم سے نوازتا ہے۔ سبحان اللہ، اللہ کتنی ارزاں چیز کے بدلے میں کیسی زبردست اور گراں چیز دیتا ہے۔

مجاھدین نے اپنے جان و مال اللہ کو فروخت کر دیئے اور اللہ نے اسے بیع اور شراء کہا ہے یہ اس کا احسان ہے اس لیے کہ جان و مال کا اصل مالک تو اللہ ہی ہے اور جنت بھی اسی کی بنائی ہوئی ہے اس لئے اصل میں بیع اور شراء تو اللہ کی ہی ہوئی۔ اور احسان یہ ہے کہ جان و مال کی ملکیت اس نے ہمارے سپرد کر دی ہے اور پھر اللہ نے جنت جیسی قیمتی چیز ہمارے حوالے کر کے اس کے بدلے میں ہماری جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے۔ اب ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کی راہ میں خرچ کریں اور اس کے ہر حکم کو بجالائیں۔

حدیث نبویٰ ﷺ ہے

((تكفل الله لمن جاهد في سبيله، لا يخرجه من بيته إلا جهاد في سبيله، وتصديق كلمته، بأن يدخله الجنة، أو يرجعه إلى مسكنه الذي خرج منه، مع ما نال من أجر أو غنيمة))(2)

(جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اس کی راہ میں جہاد ہی کی غرض سے اور اس کے کلمات کی تصدیق کے لیے نکلا تو اللہ اس بات کا ضامن ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر دے یا جس جگہ سے وہ نکلا ہے اس کی طرف اجر یا

1 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۴/۲۱۸

2 المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الامارۃ، باب فضل الجہاد والخروج فی سبیل اللہ، ح۱۸۷۶

غنیمت کے ساتھ واپس ہو)

اس طرح جو لوگ اللہ کی دی ہوئی ہدایت کی پیروی کرتے ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ نہ کبھی گمراہ ہوں گے اور نہ بدبخت۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى ﴾ (1)

(تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی نہ تو وہ کبھی گمراہ ہو سکتا ہے اور نہ بدبخت)

اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں بے شمار مقامات پر جنت کی طرف رغبت اور شوق دلایا ہے اور اس کی رغبت میں نیک اعمال کرنے کے لیے ابھارا ہے۔ جس طرح اللہ کی محبت میں نیک عمل کرنا عین ایمان ہے۔ اس طرح جنت کی طلب بھی عین ایمان ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے بھی جنت کی صفات اور نعمتوں کا تذکرہ کیا ہے تاکہ ان کے ذکر سے نیک عمل کی رغبت پیدا ہو۔ ان آیات میں یہ حکمت پوشیدہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جہاد کرنے والوں کو بہترین اجر اور بدلہ فرما کر جو خوشخبری دیتا ہے۔ اس سے ہر ایک مومن کے اندر یہ رغبت پیدا ہوتی ہے۔ کہ وہ اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال کا نذرانہ پیش کرے۔ اس سے انسان کے اندر انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد کا شوق ابھرتا ہے۔ آیت کریمہ میں خوشیاں منانے کی بشارت جہاد کرنے والے مومنوں کو دی گئی اور بشارت کی وجہ یہ ہے کہ زوال پذیر اور حقیر چیز دے کر انھوں نے لازوال اور اعلیٰ نعمت کو بدلے میں لے لیا۔ اور اس سے بڑھ کر فائدہ اور اچھا بدلہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ مجاہدین کے لئے یہ بڑی کامیابی ہے اور پھر جنت کا وعدہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں یہ بھی فرمادیا کہ اللہ سے بڑھ کر کون اپنے وعدے کو پورا کرنے والا ہے اس بات کی طرف رغبت دلائی تاکہ شوق اور خوشی سے لوگ اپنی جانوں اور مالوں کو خرچ کریں۔

محبت اور قربت الٰہی کا ثمر

سورۃ یونس میں ہے:

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (2)

(خبردار بلاشبہ جو اولیاء اللہ ہیں۔ ان پر کوئی خوف نہیں اور وہ نہ رنجیدہ ہونگے)

اَلَا کا لفظ محاورہ عرب میں تہدید و تنبیہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ کا دنیا میں خوف و غم سے محفوظ ہونا اس اعتبار سے ہے کہ جن چیزوں کے خوف و غم میں عام طور سے دنیا والے مبتلا رہتے ہیں کہ دنیوی مقاصد آرام و راحت اور عزت و دولت میں ذرا سی کمی ہو جانے پر بے چین ہو جاتے ہیں اور ذرا سی تکلیف و پریشانی کے خوف کے

1 طٰہٰ:۱۲۳

2 یونس:۶۲

باعث ان سے بچنے کی تدبیروں میں رات دن کھوئے رہتے ہیں، اولیاء اللہ کا مقام ان سب سے بالا وبلند ہوتا ہے، ان کی نظر میں نہ دنیا کی فانی عزت و دولت، راحت و آرام کوئی چیز ہے جس کے حصول میں سر گرداں ہوں، اور نہ یہاں کی محنت و مشقت اور رنج کچھ قابل التفات ہے جس کی بنا پر پریشان ہوں بلکہ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت اور خوف و خشیت ان پر ایسی چھائی ہوتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا کی رنج وراحت کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

حدیث نبوی ﷺ ہے۔

((إِنَّ اللَّهَ قَالَ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ: كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ المُؤْمِنِ، يَكْرَهُ المَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَه)) [1]

مندرجہ بالا حدیث کی تشریح مفسر غلام رسول یوں کرتے ہیں کہ بیشک اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھے گا تو وہ میرے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔ اور جو شخص میرا تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے خواہ وہ فرض عبادت سے یا نوافل سے تو وہ میرا محبوب اور میں اس کا محبوب ہو جاتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں خدا ترس لوگوں کا کتنا بڑا درجہ ہے اور اللہ کے ہاں اس کا مقام کہ اللہ کا اس کا پریشان ہونے کو بھی ناپسند فرماتا ہے اور پھر اخروی بشارت یہ کہ میدان حشر میں جب سب خوف زدہ ہونگے تو یہ خوف وہراس سے محفوظ رہیں گے۔ اور دنیا میں جب لوگ عملی کوتاہیوں پر پشیمان ہوں گے تو اولیاء اللہ اس پشیمانی سے محفوظ ہوں گے کیونکہ انھوں نے اپنی زندگی کو عبث اور لایعنی امور میں صرف نہ کیا۔ آگے ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ [2]

(ان کے لیے خوشخبری ہے۔ دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں)

ان آیات مبارکہ میں اللہ کے ولیوں کے مخصوص فضائل، ان کی تعریف اور پھر دنیا اور آخرت میں ان کے لئے بشارت کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ رسول ﷺ سے پوچھا گیا۔ اولیاء اللہ کو ن ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

1 البخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب التواضع، ح ۶۵۰۲

2 یونس: ۶۴

((خِيَارُكُمُ الَّذِينَ إِذَا رُءُوا، ذُكِرَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ)) [1]

(بہتر تم میں وہ لوگ ہیں کہ ان کو جب کوئی دیکھے تو اللہ کی یاد آئے۔)

مزید ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کچھ بندے ایسے ہیں اور وہ انبیاء میں سے نہیں ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انکے رتبے کی وجہ سے انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔

عرض کی گئی یارسول اللہ آپ ہمیں خبر دیجیے وہ کون ہیں۔ اور ان کے اعمال کیا ہیں۔ تاکہ ہم ان سے محبت کرنے لگ جاہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ایسی قوم ہے۔ جو آپس میں نسبی رشتہ داری کے بغیر اور ایسے مالوں کے بغیر جنکی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر مہربانی کرتے ہوں محض اللہ کی خُوشنودی کے لیے آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ قسم خدا کی بے شک ان کے چہرے نور ہوں گے۔ اور بلاشبہ وہ نور کے منبروں پر ہوں گے۔ وہ خوف زدہ نہ ہوں گے جب لوگوں کو کوئی خوف ہو گا۔ اور وہ غم گین نہیں ہونگے جب لوگ غمزدہ ہونگے)

اولیاء اللہ کو جو دنیا اور آخرت میں بشارت دی گئی ہے۔ اس بشارت سے دنیا کی نیک نامی بھی مراد لی گئی ہے۔ اور علماء کہتے ہیں۔ کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ یہ بشارت عاجلہ اللہ کی رضا اور اللہ سے محبت فرمانے اور خلق کے دلوں میں محبت ڈال دینے کی دلیل ہے۔ مطلب یہ کہ یہ مقام اس وقت حاصل ہوتا ہے۔ جب کوئی حرکت وسکون اور کوئی بھی کام خدا کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ یعنی اس کا ظاہر وباطن دونوں اللہ کی رضاجوئی میں مشغول رہتے ہوں اور ایسے لوگوں کو بہترین قرار دیا گیا کیونکہ ان کو دیکھنے سے اور ان سے ملنے پر خدا کی یاد آجاتی ہے یعنی یہ دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں۔ ان آیات مبارکہ میں اولیاء اللہ کو ملنے والی دنیاوی اور آخری نعمتوں اور بدلے کا ذکر ہے۔ جس سے ہر انسان کے دل میں یہ رغبت پیدا ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو اس مقام تک لانے کی کوشش کرے۔

عظیم قربانی کا عظیم اجر

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ-فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (2)

---

1 القزوینی، ابن ماجہ، السنن، (دار الاحیاء الکتب العربیہ)، کتاب الزہد، باب من لایؤبہ لہ، ح ۴۱۱۹

2 آل عمران: ۱۶۹

(جو لوگ االلہ کی راہ میں قتل ہوئے۔ انھیں مرُدہ نہ کہو۔ وہ حقیقت میں زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا ہے۔ اس پر خوش و خرم ہیں اور مطمئن ہیں۔ کہ جو اہل ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں۔ اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں۔ ان پر نہ کوئی خوف ہو گا۔ اور نہ وہ غمزدہ ہونگے)

سید قطب شہید لکھتے ہیں:

"فإذا هؤلاء الشهداء أحياء، لهم كل خصائص الأحياء. فهم «يُرْزَقُونَ» عند ربهم. وهم فرحون بما آتاهم الله من فضله. وهم يستبشرون بمصائر من وراءهم من المؤمنين. وهم يحفلون الأحداث التي تمر بمن خلفهم من إخوانهم." (1)

کہ شہداء کو ایسے خصائص حاصل ہیں۔ جو زندہ لوگوں کو ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ انھیں ان کے رب کے ہاں کھانے دیئے جاتے ہیں۔ کھانے کے علاوہ ان پر فضل خداوندی ہے۔ اور اس فضل پر خوش ہیں۔ پھر ان کو اہل ایمان کے معاملات کی رپوٹ دی جاتی ہے

"اللہ کی راہ میں قتل کیا جانا ناپسندیدہ اور بری بات یا کوئی آفت اور مصیبت نہیں ہے 'کیونکہ جو شخص اللہ کی راہ میں قتل کر دیا گیا اللہ تعالیٰ اس کو قتل کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور اس کو انواع و اقسام کی نعمتوں اور ثواب سے نوازتا ہے اور اس کو طرح طرح کے رزق اور خوشیاں عطا فرماتا ہے"(2)

یہ بہت بڑی بشارت ہے جو شہدا کو ملتی ہے۔ صحیح مسلم میں شہداء کے جنت میں مقام و مرتبہ کے بارے میں ہے۔

((أرواحهم في جوف طير خضر، لها قناديل معلقة بالعرش، تسرح من الجنة حيث شاءت، ثم تأوي إلى تلك القناديل))(3)

(جب تمھارے بھائی احد میں شہید ہو گئے۔ تو اللہ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کی صورت میں جنت میں بسا دیا تو ان کی ارواح جنت کی نہروں پر اُڑتی اور وہاں کے میوے کھاتی تھیں۔ اور ان سنہری قندیلوں میں آکر ٹھہرتی تھیں۔)

آگے اس کی تفصیل یوں بیان کی گئی۔ جو اللہ نے ان کے لیے عرش کے نیچے لٹکائی ہیں اور جب انھیں جنت کی ایسی ایسی نعمتیں اور لذتیں ملیں۔ کہنے لگے اے کاش! ہمارے بھائیوں کو دنیا میں پتہ چلے کہ اللہ نے ہماری کیسی میزبانی فرمائی ہے۔ ایک روایت میں یوں رقم ہے کہ انھوں نے کہا۔ اے کاش! ہمارے بھائی بھی جہاد میں کوشش

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۱/ ۵۱۷

2 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۲/ ۴۵۷

3 المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الامارہ، باب أرواح الشھداء في الجنة، ح ۱۸۸۷

کریں۔ تب اللہ تعالیٰ نے درج بالا آیت نازل کی۔ جس سے ہمیں اپنے ان شہید بھائیوں کا فضل اور انعام کا پتہ چلا۔

اس آیت مبارکہ میں ایک حکمت یہ پوشیدہ ہے۔ کہ شہداء کی خوشخبری ان پر اللہ کا فضل وانعام قرآن مجید کے ذریعے دنیاوالوں تک پہنچایا گیا۔ تاکہ ان لوگوں کے اندر بھی یہ جذبہ اور رغبت پیدا ہو۔

سید قطب شہید لکھتے ہیں کہ:

''وكفيل وحده بأن يعلمنا أن الأمور في حقيقتها ليست كما هي في ظواهرها التي ندركها وأننا حين ننشئ مفاهيمنا للحقائق المطلقة بالاستناد إلى الظواهر التي ندركها. لا ننتهي إلى إدراك حقيقي لها وأنه أولى لنا أن ننتظر البيان في شأنها ممن يملك البيان سبحانه وتعالى.فهؤلاء ناس منا، يقتلون، وتفارقهم الحياة التي نعرف ظواهرها، ويفارقون الحياة كما تبدو لنا من ظاهرها.''[1]

اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ اس حقیقت کو ذہن میں بٹھانے کے بعد اس دنیا کے واقعات پر سوچنے کے انداز تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہ حقیقت انسان کی سوچ بدل دیتی ہے۔ اس کائنات کے بارے میں ایک مومن کے اندر ایک بالکل نئی سوچ پیدا ہو جاتی ہے کائنات کی یہ حرکت ایک مومن کے نقطہ نظر سے اپنے اندر تسلسل رکھتی ہے۔ وہ کبھی منقطع نہیں ہوتی۔ اس سے ایک مسلمان کے شعور میں عظیم انقلاب برپا ہوتا ہے۔ مسلمان کی زندگی اور موت دونوں کا استقبال ایک مخصوص نقطہ نظر کے ساتھ کرتے ہیں۔

ان آیات کریمہ سے مجاہدین جو فی سبیل اللہ جان دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں اور ان کے قدم طلب شہادت میں ہر وقت رواں دواں رہتے ہیں۔ ان آیات کریمہ میں شہداء کی کرامت اور فضیلت بیان کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا ذکر ہے جن سے شہداء کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل واحسان سے نوازا ہے اور اسی ضمن میں ان زندہ لوگوں کے لئے تسلی اور تعزیت ہے جن کے اقرباء نے جام شہادت نوش کیا تھا۔ نیز ان کو جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دینا اور ان میں شوق شہادت پیدا کرنا ہے

خوش انجامی کی طلب

نبی پاک ﷺ کی حیثیت داعی الی اللہ کی بھی ہے۔ آپ ﷺ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر آپ ﷺ کو مبشر کے لقب سے پکارا گیا۔ سورۃ الاحزاب میں ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ (2)

(اے نبی! ہم نے آپ کو بھیجا ہے۔ گواہ بنا کر خوشخبری دینے والا اور خبر دار کرنے والا)

1 سید قطب، فی ظلال القرآن ۱/۵۱۸

2 الاحزاب:۴۵

ہمیں بشارت ہمیشہ نیک اعمال اور پاکیزہ عقیدے پر دی جاتی ہے۔جو لوگ برائیوں اور کفر و شرک سے بچے رہیں گے۔ اوراعمال صالحہ انجام دیں گے اللہ کی رضا کی خاطر کام کریں گے۔تو انھیں ان کے نیک اعمال اور کامیابی پر بشارت دی جاتی ہے۔ ہر انسان کوئی اچھایا نیک کام کرنے کے بعد یہ پسند کرتا ہے۔کہ اس سے اس کے انجام کے بارے میں معلوم ہو۔اس کے ان اچھے کاموں کا کیا بدلہ ہو گا۔اس لیے قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر تبشیر یعنی ایسی بشارتیں دی گئی جس میں مسلمانوں کو اعمال صالحہ پر بدلے کے طور پر جو انعامات ملے سورۃ الاحزاب میں ہے۔

﴿ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا﴾[1]

(بشارت سنادیں ان لوگوں کو جو تم پر ایمان لائے ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے)

سید قطب شہید لکھتے ہیں:

"یجلو الظلمات، وینیر الطریق، وهكذا كان رسول الله- صلّى الله عليه وسلّم- وما جاء به من النور. جاء بالتصور الواضح البين النير لهذا الوجود، ولمكان الكائن الإنساني من هذا الوجود وخالقه، ويقوم عليها وجود هذا الإنسان فيه وللمنشأ والمصير، والهدف والغاية، والطريق والوسيلة- وينفذ إليها من أقرب السبل وأوسع الأبواب وأعمق المسالك والدروب" [2]

(آپ ﷺ دنیا سے ظلمتوں اور اندھیروں کو دور کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ اسی طرح دنیا میں روشنی لے کر آئے اور یہ روشنی ایک واضح تصور تھا۔ جس نے پوری کائنات کو منور کر دیا۔ اور انسان کا مقصد اس کی غرض اور اس کے حصول کا طریقہ متعین کیا۔ آپ ﷺ نے نہایت ہی واضح اسلوب میں اور نہایت ہی فطری انداز میں اس طرح دعوت دی کہ بات انسان کے دل کی گہرائیوں تک اتر جاتی ہے)

انبیاء کرام کی طرف سے بشارتیں سنانے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے فضل اور عمدہ اجر کے بارے میں معلوم ہو۔ پیغمبر کا یہ کام ہے۔ کہ وہ لوگوں کو زندگی کی حقیقت سے آگاہ کرے اور لوگوں کو ان کے اچھے انجام پر انھیں خوشخبری سنائے یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ آپ ﷺ مومنین کے لئے مبشر بن کر آئے۔

انذار کی حکمتیں

قرآن مجید حکمت سے بھری خبروں اور نصیحتوں اور عبرتوں کا خزانہ ہے، جو ہدایت ورشد کے ضمن میں

---

1 ایضاً: ۴۷

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۵/ ۲۸۷۲

درجہ کمال اور اپنی انتہاء کو پہنچی ہوئی ہیں۔ یعنی ان سرگزشتوں میں نہایت اعلیٰ درجے کی دل ودماغ کی گہرائیوں تک پہنچنے والی حکمتیں موجود ہے۔

اتمام حجت

اللہ کی طرف سے قرآن کے اسلوب انذار میں، اتمام حجت کی حکمت پوشیدہ ہے۔ یعنی اس کے بعد لوگوں کے پاس کوئی حجت باقی نہ رہے کہ انھیں دنیا میں کسی نے انجام بد سے خبردار نہیں کیا، غلط راستوں پر چلنے کے منطقی نتیجے سے آگاہ نہیں کیا۔ وہ ایسی عبرتوں کے پیغام سے بے خبر رہے ہیں۔ اور کوئی ان کو خبردار کرنے والا نہیں آیا یا حق کی طرف لانے میں ان کی کوئی راہنمائی نہیں کی گئی ہے۔

حجت کے طور پر سورۃ النساء میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾[1]

(اللہ نے بھیجا ہے۔ رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور ڈر سنانے والے بنا کر۔ کہ نہ رہے لوگوں کے لیے اللہ کے مقابلہ میں کوئی حجت)

گویا کہ انبیاء کرام کے بھیجنے کا مقصد لوگوں کو بشارت ونذارت کرنا ہے۔ انبیاء کرامؑ نے انسانوں کو ایمان لانے کی وجہ سے بشارتیں دیں۔ لیکن جو لوگ نافرمانی کرتے ہیں، انھیں جہنم کے عذاب سے ڈرایا تاکہ کل کوئی یہ دعوٰی نہ کرسکے کہ کوئی نذیر یعنی ڈرانے والا نہیں آیا۔ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ بندے سے سوال کریں گے کہ: تم نے اپنی زندگی کو کن کاموں میں گزارا، میرے بتائے ہوئے احکامات کے مطابق یا ان کے خلاف تو اُس وقت یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے انذار کے لیے کوئی نہیں آیا۔ پہلے یہ کام انبیاء اپنی اپنی قوم میں کرتے رہے۔ بعد میں جب نبی پاک ﷺ کو تمام دنیا میں نبی بنا کر بھیجا تو آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ آپ ﷺ کی اُمت پر فرض قرار دیا۔ کہ وہ دنیا کے کونے کونے میں اسلام یا دین کی روشنی کو پھیلائیں۔ تاکہ کوئی شخص یہ حجت بازی نہ کرسکے کہ اسکے پاس ڈرانے والا کوئی نہیں آیا۔

حقیقت بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بغیر انذار کے مخلوق کو عذاب میں مبتلا کر دیتے تو ضرور یہ مطالبہ کرتے کہ ہمارے پاس کوئی منذر یعنی خبردار کرنے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔ اس کا اظہار سورۃ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

---

1 النساء:۱۶۵

﴿وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَذِلَّ وَنَخْزَى﴾ (1)

(اگر ہم انھیں عذاب سے ہلاک کر دیتے۔ اس قرآن کے قبل ہی تو یہ لوگ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار تونے ہمارے پاس کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرنے لگتے۔ بجائے اس کے کہ ہم ذلیل ورسوا ہوتے)

مولاناسید حسن لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ اگر رسول کے بھیجنے اور آسمانی کتاب کے نازل کرنے سے پہلے ان کو کسی عذاب سے ذلیل ورسوا کر دیتا تو ان لوگوں کو اس عذر کی گنجائش باقی رہتی کہ عذاب کی ذلت اور رسوائی سے پہلے کوئی پیغام لے کر آیا۔ تو یہ لوگ اس پر ضرور عمل کرتے۔ اسی وجہ سے اس نے آسمانی کتابیں دے کر رسول بھیجے۔ تاکہ اللہ کی مرضی کے کاموں کے ثواب اور مرضی کے خلاف کاموں کے عذاب کا حال آسمانی کتابوں کے ذریعہ سے اللہ کے رسول ﷺ امت کے لوگوں کو اچھی طرح سمجھادیں۔“(2)

قیامت کے عذاب میں مبتلا کرنے سے قبل بھی حجت کے طور ہر جہنم کے داروغہ جہنمیوں سے سوال کریں گے۔ کہ کیا تمھیں کسی نے خبر دار نہیں کیا۔ دنیا میں اس برے انجام سے کسی نے ڈرایا نہیں تھا۔ اس کی تائید سورۃ الملک کی آیت سے ہوتی ہے:

﴿تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ﴾(3)

(قریب ہے کہ غصہ سے پھٹ جائے۔ جب اس میں فوج ڈالی جائے گی۔ تو اس کے نگہبان اس سے پوچھیں گے۔ کہ کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا)

سید قطب شہید لکھتے ہیں کہ:

”وواضح أن هذا السؤال في هذا الموضع هو للتأنيب والترذيل. فهي مشاركة لجهنم في الغيظ والحنق. كما هي مشاركة لها في التعذيب، وليس أمرّ من الترذيل والتأنيب للضائق المكروب! والجواب في ذلة وانكسار واعتراف بالحمق والغفلة، بعد التبجح والإنكار واتهام الرسل بالضلال۔“ (4)

(جہنم کے داروغہ جہنمیوں سے پوچھیں گے کیا تمھارے پاس کوئی خبر دار کرنے والا نہیں آیا تھا اور یہ بات

---

1 طہ:۱۳۴

2 دہلوی، سید احمد حسن، احسن التفاسیر اردو (لاہور: المکتبہ السلفیہ شیش محل روڈ ۱۹۹۴ء)۴/۲۰۸

3 الملک:۸

4 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۶/ ۳۶۳۵

واضح ہے کہ جہنم میں ان سے یہ سوال محض معلومات کے لیے نہ ہو گا بلکہ یہ ان کی سرزنش اور ان کو ذلیل کرنے کے لیے ہو گا۔ یہ لوگ اس وقت کس قدر ذلیل وخوار ہوں گے۔ اب وہ برخورداروں کی طرح اپنی غفلت اور حماقت کا اقرار کرتے ہیں جبکہ وہ پہلے بڑے غرور کے ساتھ رسولوں کو گمراہ کہتے تھے۔)

اس وقت یہ خود اقرار کریں گے پھر آگے ان کا جواب ہے جس میں وہ اقرار کریں گے کہ ہمارے پاس نذیر آئے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿قَالُوا بَلَى قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ﴾ [1]

(وہ کہیں گے کیوں نہیں، ڈرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے اسکو جھٹلایا۔)

گویا کفار کے لیے اب کوئی حجت باقی نہ رہی۔ کیونکہ انھوں نے خود گواہی دے دی یا اقرار کرلیں گے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تو انبیاء کرام کو بھیجا اور انبیاء کرام نے انذار کے ذریعے عذاب میں مبتلا ہونے کے اسباب بالکل واضح کر دیئے تھے تب کفار پر حق واضح ہو گا اور جہنم کی سختیاں ان سے برداشت نہیں ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کو چیخ چیخ کر پکاریں گے اور جہنم سے نکلنے کی التجاء کریں گے۔ سورۃ الفاطر میں ہے:

﴿ وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ﴾ [2]

(وہ اس میں چلائیں گے کہ اے رب ہم کو نکال لے اب ہم نیک عمل کیا کریں گے۔ نہ کہ وہ جو پہلے کرتے تھے) پھر اللہ تعالیٰ جواب دیں گے:

﴿أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَالِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ﴾ [3]

(کیاہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی۔ جس میں کوئی سبق لینا چاہتا تو سبق لے سکتا تھا۔ اور تمھارے پاس انذار کرنے والا بھی آچکا تھا۔ اب مزا چکھو ظالموں کا یہاں کوئی مددگار نہیں ہے)

عبد الماجد دریابادی اہل جہنم کے بُرے انجام کایوں ذکر کرتے ہیں:

"یہ سب دوزخ والوں سے ان کے جواب میں کہا جائے گا۔ آخرت میں جہنم والوں پر جو حجت قائم ہو گی، اس کا پہلا جزو یہی ہے۔ یعنی کیا تمہیں اتنی مہلت نہیں دی گئی تھی کہ تم آیات حق پر غور کرسکتے اور اپنا نفع ونقصان سوچ لیتے" [4]

---

1 الملک:۹

2 فاطر:۳۷

3 ایضاً:۳۷

4 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۸۹۲

اور پھر آخر میں کفار ساری طرف سے مایوس ہو کر غم کے مارے پچھتاتے ہوئے اس بات کا اظہار کریں گے:

﴿وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا﴾[1]

(اور کافر کہے گا۔ کہ اے کاش میں مٹی ہوتا) اتمام حجت کے لیے سورۃ یٰسین میں ارشاد فرمایا:

﴿لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾[2]

(تاکہ ایسے شخص کو ڈرائے جو زندہ ہو اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے) ابن کثیر فرماتے ہیں کہ

" لينذر هذا القرآن البين كل حي على وجه الأرض، كقوله: {لأنذركم به ومن بلغ}، وقال: {ومن يكفر به من الأحزاب فالنار موعده} وإنما ينتفع بنذارته من هو حي القلب، مستنير البصيرة، تادة: حي القلب، حي البصر. وقال الضحاك: يعني: عاقلا {ويحكما قال قق القول على الكافرين} أي: هو رحمة للمؤمن، وحجة على الكافر. " [3]

زمین پر رہنے والی سب مخلوق کو خبردار کرنا اور ڈرانا جس طرح دوسری جگہ فرمایا کہ تمھارے لئے بھی انذار اور جس تک بھی یہ پہنچے۔ اور جو اس کی نافرمانی کرے گا وہ سزا کے لائق اور جہنمی ہے پھر بتایا گیا کہ قرآن سے نصیحت وہی حاصل کر سکتے ہین جو زندہ ہوں گے اور نور والا دل یعنی عقل وشعور اور کافروں پر تو عذاب ثابت ہو چکا ہے اور یہ کتاب مومنین کے لئے رحمت اور منکرین کے لئے حجت ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں جو ہواؤں کا ذکر ہے ان کا مقصد یہ بیان ہوا ہے کہ جو کچھ ہمیں دکھایا جارہا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں پر اتمام حجت ہے یا انھیں بیدار کرنے کا ذریعہ ہے۔ یعنی جو لوگ اتنی بڑی نشانیوں کو دیکھ کر بھی کوئی سبق حاصل نہیں کرتے اور وہ غفلت کی سرمستی میں پڑے رہتے ہیں ان لوگوں پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿عُذْرًا أَوْ نُذْرًا﴾[4]

(اتمامِ حجت کے طور پر یا ڈراوے کے طور پر)

تفسیر سعدی میں ہے:

"أي: إعذارا وإنذارا للناس، تنذر الناس ما أمامهم من المخاوف وتقطع معذرتهم، فلا يكون لهم

---

1 النباء:۳۷

2 یٰسین:۷۰

3 ابن کثیر، القرآن العظیم،۶/ ۵۹۲

4 المرسلات:۶

حجة على الله." [1]

(یعنی لوگوں کا عذر دور کرنے اور ان کو انذار کرنے کے لیے، تاکہ وہ لوگوں کو خوف کے ذریعہ ان مقامات سے ڈرائیں جو ان کے سامنے ہیں، ان کے عذر منقطع ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ پر ان کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہے۔)

الغرض رسولوں کے بھیجنے کا مقصد قطع حجت ہے۔ یعنی مخلوق کی طرف سے اس عذر کو ختم کرنے کیلیے کہ ہمارے پاس کوئی رسول ڈرانے والا نہیں آیا تھا، ورنہ ان کا قول کہ اگر ہمارے پاس کوئی رسول انذار کرنے کے لئے آجاتا تو ہم ضرور اس کی پیروی کر کے راہ حق وہدایت پر آجاتے، جیسا کہ سورۃ طٰہٰ میں ان کے رویہ کی نشان دہی کی گئی ہے۔

﴿وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَذِلَّ وَنَخْزَى﴾ [2]

(اگر ہم اس کے آنے سے پہلے ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو پھر یہی لوگ کہتے کہ اے پروردگار، تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے ہی ہم تیری آیات کی پیروی اختیار کر لیتے۔)

اور اگر دیکھا جائے تو مخلوق خدا ہونے کے ناطے اللہ تعالیٰ پر اس کے بندوں کی طرف سے کوئی حجت ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ وہ خالق اور مالک و مختار ہے۔ اس کی مرضی وہ جو چاہے کرے۔ مگر اللہ تعالیٰ ہم پر بہت بڑا اکرم واحسان ہے کہ اس نے بندوں کے اس عذر کو بھی حجت سے تعبیر فرمایا۔ سو اب رسولوں کی بعثت کے بعد لوگوں کیلیے ایسا کوئی عذر بھی باقی نہیں رہے گا کیونکہ اب ان کے پاس اللہ کی طرف سے رسول آگئے ہیں اور کھلے اور روشن دلائل بھی ساتھ لے کر آیا ہیں۔ یہی قرآن مجید کا اسلوب انذار اور اس میں حکمت ہے۔ کہ اس نے پہلے سرکشی کرنے والوں کے لیے کسی قسم کی کوئی حجت باقی نہ چھوڑی انبیاء کرام کو بھیج کر انکے ذریعے نیکی وبدی اور اچھے اور برے کی تمیز سکھائی۔ اور اس کے بعد بھی اگر وہ منہ موڑیں گے تو پھر ان کے اخروی انجام بد سے آگاہ کیا۔ خود ان سے اقرار کروایا۔ کہ کوئی حجت باقی نہ رہے اور پھر ان کے لیے ہمیشہ جہنم میں رہنے اور پچھتاوے کو بیان کیا۔ کہ نہ وہ مریں گے اور نہ ہی ان سے عذاب کو ہلکا کیا جائے گا۔

برے انجام کا خوف

1 السعدی، عبد الرحمان بن ناصر، تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان، (مؤسسۃ الرسالۃ، ۲۰۰۲ء)، ۱/ ۹۰۳

2 طٰہٰ: ۱۳۴

قرآن مجید کے اسلوب انذار کی ایک حکمت یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی قوم یا بستی کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا بیشتر اس کے کہ ان کے پاس انذار کرنے والے انبیاء مبعوث نہ فرمائے ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيد ﴾[1]

(وہ تو تمھیں سخت تر عذاب سے قبل ڈرانے والے ہیں) انبیاء کرام کے انذار کرنے کے بعد بھی اگر ان کے اپنے ہاتھوں کے کیے ہوئے ظلم کی بنا پر اللہ تعالیٰ انھیں ہلاک کر دے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَى حَتَّى يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَى إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ﴾[2]

(اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جب تکان کے مرکزی مقام میں کوئی رسول نہ بھیجے جو ان پر ہماری آیات پڑھے اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے سوا اس کے کہ وہاں کے باشندے ظلم کرنے والے ہوں)

سورۃ بنی اسرائیل میں ہے:

﴿ وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا ﴾ [3]

(اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی بطور واضح نشانی دی۔ تو انھوں نے اس سے ظلم کیا اور ہم ڈرانے کے سوا کسی مقصد کے لیے نشانیاں نہیں بھیجتے)

ابن کثیر اس کی تفسیر میں چند واقعات کا ذکر کرتے ہیں:

''إن الله خوف الناس بما يشاء من آياته لعلهم يعتبرون ويذكرون ويرجعون، ذكر لنا أن الكوفة رجفت على عهد ابن مسعود فقال: يا أيها الناس، إن ربكم يستعتبكم فأعتبوه.''[4]

ابن کثیر اس کی تفسیر میں چند واقعات کا ذکر کرتے ہیں:

کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں پر معجزات اور نشانیاں بھیجتا ہے تو اس سے لوگوں کو ڈرانا مقصود ہے اللہ کی نشانیاں لوگوں کو ڈرانے کے لئے ہوتی ہیں تاکہ وہ اس سے عبرت حاصل کر سکیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے زمانے میں ایک دفعہ کوفے میں زلزلہ آیا تو نبی کریم ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم اللہ کی جانب متوجہ ہو جاؤ ایسے ہی حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں مدینہ منورہ میں کئی بار زلزلے کے جھٹکے محسوس کئے گے تو آپؓ نے لوگوں سے فرمایا کہ اللہ کی قسم تم سے ضرور کوئی بات سرزد ہوئی ہے اور اللہ کی دی ہوئی نشانیوں کے بعد اگر لوگ ہدایت نہ پائیں

---

1 سبا:٤٦

2 القصص:٥٩

3 الاسراء:٥٩

4 ابن کثیر، القرآن العظیم،٥/٩١

تو پھر اللہ تعالیٰ انھیں عذاب میں مبتلا کرتے ہیں۔، جیسے غلام رسول فرماتے ہیں:

"اور ہم صرف ڈرانے کے لیے معجزات بھیجتے ہیں اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ معجزہ تو اس لیے ہوتا ہے کہ وہ نبی کے دعوی نبوت کے صدق پر دلیل ہو تو پھر اس کی کیا توجیہ ہے کہ ہم صرف ڈرانے کے لیے معجزات بھیجتے ہیں۔ اس کا جواب وہ اس طرح دیتے ہیں کہ ہر چند کہ معجزہ نبی کے دعوی نبوت کے صدق کی دلیل ہوتا ہے، لیکن وہ اس حکم کو متضمن ہوتا ہے کہ اگر اس فرمائشی معجزہ کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے تو پھر تم ہلاک اور ملیا میٹ کر دینے والے عذاب کے مستحق ہونگے۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی قوم کی طرف عذاب نازل کیا یا انھیں ہلاکت میں ڈالا تو اس سے پہلے انذار کیا۔ سورۃ الشعراء میں ہے:

﴿ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ ﴾ [2]

(اور ہم نے جو بستی بھی ہلاک کی اس میں ان کے لیے ڈرانے والے ضرور تھے)

اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے۔ کہ جس طرح ایک مالی یا باغبان اپنے باغ میں خاردار جھاڑیوں کو برداشت نہیں کرتا۔ اور انھیں جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کرام کے ذریعے لوگوں کو انذار فرماتے رہتے ہیں۔ ہر ایک کے پاس منذرون بھیجتے ہیں۔ لیکن جب انسان اپنی کجروی اور سرکشی کی بنا پر حق کی طرف نہیں لوٹتا تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی زمین میں سے ان خاردار جھاڑیوں کو اکھاڑ پھینکتا ہے۔ یہ اللہ کے اس طریقے کی یاد دہانی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے قوموں معاملے میں اختیار فرمائی ہے۔ کہ وہ عادل اور بے پناہ رحم کرنے والا ہے۔ اسی وجہ سے انذار اور اتمام حجت کے بغیر وہ کسی بھی قوم کو ہلاک نہیں کرتا۔ اور قریش کو انذار کیا گیا ہے کہ سنت الہیٰ کے مطابق یاد دہانی کے لیے ایک منذر آگیا۔ اگر تم نے اس کی قدر نہ کی تو اس کا لازمی نتیجہ تمھارے سامنے آکر رہے گا۔ اور اس وقت یہ کوئی ظلم نہیں ہوگا بلکہ اللہ کی طرف سے عین عدل ہوگا۔

عبرت و نصیحت

قرآن مجید میں انذار کے اسلوب میں ایک حکمت یہ پوشیدہ ہے۔ کہ اس اسلوب کے ذریعے لوگ راہ راست پر آجائیں اور برائیوں سے توبہ کرلیں۔ سورۃ المومن میں ارشاد ہے:

﴿ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ

1 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۶/۷۴۹

2 الشعراء:۲۰۸

يُطَاعُ﴾[1]

(آپ لوگوں کو قیامت سے ڈرائیں۔ جب کلیجے حلق تک آجائیں گے لوگ غم میں ہوں گے۔ ظالموں کا کوئی دوست اور سفارشی نہ ہو گا۔ جس کی بات مانی جائے)

"الاستعداد للقاء اللہ والاستعداد للوقوف امام اللہ والعمل علی تحقیق نھایۃ اھل الجنۃ والابتعاد عن نھایۃ اھل النار، فیبلغھم اللہ بھذا الموقف ارجو ان تکون مستعداً۔"[2]

(اللہ تعالیٰ سے ملنے اور اس کا سامنے جواب دہی کی تیاری کے بارے میں کہا گیا تاکہ ایسے اعمال کیے جائیں جو جنت میں جانے کا سبب بنیں اور اہل جہنم کے انجام سے دور رہیں۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ پہلے سے اگاہ فرمارہے ہیں تاکہ تم تیار رہو۔)

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ کو حکم دے رہے ہیں، کہ آپ انھیں قیامت کے ہولناک دن سے ڈرائیں تاکہ وہ توبہ کریں اور اس شدید دن کے عذاب سے بچ جائیں۔ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ:

"جو لوگ ایمان نہیں لاتے اور کفر پر ہی ڈٹے رہتے ہیں۔ وہ بروز قیامت دوزخ کے عذاب اور اس کی شدید ہولناکی کا مشاہدہ کریں گے۔ اور جب ان لوگوں کو اتنے شدید قسم کے عذاب کا مشاہدہ کرایا جائے گا۔ جس کی تمام تر کیفیات کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا پھر تو ضرور ان لوگوں کے متعلق کہا جائے گا۔ کہ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے ہلاکت ہے۔"[3]

ان قصص کے بار بار تذکرے سے اللہ تعالیٰ ہمیں یہ یاد دہانی کروا رہے ہیں کہ اپنے انجام سے بے فکر نہ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔ وہ بہت بردبار اور حلیم ہے اور اس کی رحمت اس کے غضب پر حاوی ہے۔ لیکن جب انسان اپنے مقرر کردہ حدود سے باہر نکلتا ہے تو پھر وہ کبھی معاف نہیں کرتا آپ ﷺ نے نیک اور برے انسان کے انجام کے بارے میں فرمایا:

((اذا وضعت الجنازۃ))[4]

(جب جنازہ تیار کر کے رکھ دیا جاتا ہے اور لوگ اسے اٹھانے کے لئے آتے ہیں تو اس وقت اگر وہ کسی نیک شخص کا جنازہ ہو تو وہ کہتا ہے مجھے آگے بڑھاؤ لیکن اگر وہ نیک نہیں ہوتا تو وہ چیخ و پکار کرتا ہے کہ مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو تو اس وقت اس کی آواز کو انسان کے سوا ہر کوئی سنتا ہے اور اگر انسان سن لے تو وہ بے ہوش ہو جائے۔)

---

1 المومن:۱۸

2 زیدی، مثنی علوان، الانذار الالھی فی القرآن الکریم، (مکتبہ عین الجامعہ، ۲۰۰۸), ebook.univeyes.com/87592

3 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۱۲/۴۸۴

4 البخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب کلام المیت علی الجنازۃ، ح:۱۳۸۰

اسی بنا پر آپ ﷺ اُمت کو جنت کی رغبت دلاتے تھے اور انھیں دوزخ کے عذاب سے خبر دار کرتے تھے۔ پرانی امتوں کے برے انجام اور عذابوں کو دیکھ کر جب ابر دیکھتے تو پریشان ہو جاتے جب تک کہ بادل نہ برستا۔ حدیث مبارکہ ہے:

((إِذَا رَأَى مَخِيلَةً فِي السَّمَاءِ، أَقْبَلَ وَأَدْبَرَ، وَدَخَلَ وَخَرَجَ، وَتَغَيَّرَ وَجْهُهُ، فَإِذَا أَمْطَرَتِ السَّمَاءُ سُرِّيَ عَنْهُ)) [1]

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ ابر کا کوئی ایسا ٹکڑا دیکھتے جس سے بارش کی امید ہوتی تو آپ ﷺ کبھی آگے جاتے کبھی پیچھے جاتے کبھی گھر کے اندر تشریف لاتے کبھی باہر آجاتے اور چہرہ مبارک کا رنگ بدل جاتا لیکن جب بارش ہونے لگتی تو یہ کیفیت باقی نہ رہتی)

سید قطب اس ہولناک دن کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

"والآزفة القريبة والعاجلة وهي القيامة. واللفظ يصورها كأنها مقتربة زاحفة. والأنفاس من ثم مكروبة لاهثة، وكأنما القلوب المكروبة تضغط على الحناجر وهم كاظمون لأنفاسهم ولآلامهم ولمخاوفهم، والكظم يكربهم، ويثقل على صدورهم "۔[2]

(آزفہ کے معنی ہوتے ہیں قریب آنے والی، جلدی آنے والی، یعنی کہ قیامت، اور "آزفہ" لفظ قیامت کی تصویر اس طرح کھینچ رہا ہے کہ گویا وہ جلد پہنچنے ہی والی ہے۔ اس وقت انسانی سانس تیز ہوگا، لوگ ہانپ رہے ہوں گے۔ اور کلیجے منہ کو آرہے ہوں گے اور لوگوں پر بہت بڑا دباؤ ہوگا لیکن یہ پریشان دل لوگ دباؤ کا مقابلہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ سانس کی تیزی کو روک رہے ہوں گے۔ ڈر پر قابو پانے کی کوشش کریں گے، اور خوف کو چھپائیں گے۔ اور اس برداشت کی وجہ سے ان پر مزید دباؤ ہوگا، ان کے سینے پھٹ رہے ہوں گے۔)

غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ:

"جب کفار موت کے وقت عذاب کے فرشتوں کو دیکھیں گے تو ان کو بہت زیادہ خوف ہوگا اور ان کو یوں لگے گا کہ ان کے دل اچھل کر ان کے حلق سے باہر آگئے ہیں اور خوف کی شدت کی وجہ سے وہ بالکل گم سم ہوں گے اور دنیا سے جدائی اور اپنے رنج اور غم کو بیان کرنے کی ہمت نہیں پائیں گے "[3]

یعنی اصل مقصد انذار اور خبر دار کرنا ہے۔ ان لوگوں کو جو آیات مقدسہ سے منہ موڑیں۔ اور اس کی تکذیب اور کفر اور انکار سے کام لیں۔ سو یہ ان کو خبر دار کرتی ہے۔ کہ وہ اپنی اس روش سے باز آجائیں ورنہ ان کے

---

1 ایضاً، کتاب بدء الخلق، باب وھو الذي أرسل الرياح، ح:۳۲۰۶

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۵/ ۳۰۷۴

3 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۱۰/ ۳۳۸

لیے ایک بڑا ہی سخت اور ہولناک عذاب تیار ہے ان کے رب کی طرف سے۔اور قیامت کے دن کوئی ان کا سفارشی بھی نہیں ہو گا۔

انجام بد سے تنبیہ

ان غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو ڈرانے اور خبر دار کرنے کا حکم دیا۔جو اپنے انجام بد سے غافل ہیں تا کہ وہ کفر و انکار اور ہلاکت وتباہی کے راستے سے باز آجائیں۔سورۃ یٰسین میں ہے:

﴿ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أُنْذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ ﴾ [1]

(تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں۔نہیں ڈرائے گئے جن کے آباءواجداد، سو وہ غافل ہیں)

قرآن مجید میں انذار کی ایک حکمت یہ بتائی گئی ہے کہ ان لوگوں کو خبر دار کیا جائے جنہیں پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔اور غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو ان کے برے انجام سے ڈرانا ہے۔سورۃ القصص میں ہے:

﴿ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أَتَاهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴾ [2]

(تا کہ آپ ان لوگوں کو جن کے پاس آپؐ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ڈرائیں تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں)

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

''ولكن الله أوحاه إليك وأخبرك به، رحمة منه لك وبالعباد بإرسالك إليهم، {لتنذر قوما ما أتاهم من نذير من قبلك لعلهم يتذكرون} أي: لعلهم يهتدون بما جئتهم به من الله عز وجل.''[3]

(یہ اللہ کا حکم اور وحی ہے جو اس نے رحمت سے تجھ پر نازل کیا اور آپ کو اپنی مخلوق کے لئے نبی بنا کر بھیجا تا کہ آپ ﷺ ان کو ہوشیار اور خبر دار کریں ان لوگوں کو جن کے پاس آ ﷺ سے پہلے کوئی اور نبی نہیں آیا اس لیئے کہ وہ نصیحت اور ہدایت حاصل کریں۔)

سورۃ السجدہ میں ہے:

﴿ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أَتَاهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴾[4]

(بلکہ وہ تمھارے رب کی طرف سے بر حق ہے۔تا کہ لوگوں کو ڈرائیں۔جن کے پاس پہلے کوئی ڈرانے والا

---

1 یٰسین:۶

2 القصص:۴۶

3 ابن کثیر،القرآن العظیم،۶/۲۴۱

4 السجدہ:۳

نہیں آیا شاید کہ وہ ہدایت پا جائیں)

سورۃ ابراہیم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ﴾[1]

(اے نبی ﷺ آپ ان کو اس دن سے ڈرایئے جب ان ظالموں پر عذاب آئے گا۔ تو وہ کہہ اُٹھیں گے اے ہمارے رب ہمیں تھوڑی مدت کے لیے اور مہلت دے دیجیے)

سو اس دن کے آنے سے پہلے غفلت میں گھرے ہوئے لوگوں کو انذار کیا جا رہا ہے کہ پہلے ہی خبر دار ہو جائیں اور راہ مستقیم پر چلیں اس سے پہلے کہ مہلت مانگیں اور مہلت ختم ہو چکی ہو۔

سوئے عمل سے ترہیب

برے اعمال پر بندوں کو ڈرایا گیا ہے۔ تاکہ وہ اپنی اصلاح کریں۔ جیسے عمل دنیا میں کرے گا اسطرح کا بدلہ وہ دنیا میں پائے گا۔ دنیا میں برے اعمال کرنے والوں کا آخرت میں انجام یہ بتایا گیا ہے کہ اس دن ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ اور ان کا ٹھکانہ مستقل جہنم ہو گا۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے

﴿وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾[2]

(اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں ان کی برائی جیسی ہے ویسا ہی وہ بدلہ پائیں گے، ذلت ان پر مسلط ہو گی، کوئی اللہ سے ان کو بچانے والا نہ ہو گا، ان کے چہروں پر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہو گی جیسے رات کے سیاہ پردے ان پر پڑے ہوئے ہوں، وہ دوزخ کے مستحق ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے)

"عطف بذكر حال الأشقياء، فذكر عدله تعالى فيهم، وأنه يجازيهم على السيئة بمثلها، لا يزيدهم على ذلك،{وترهقهم} أي: تعتريهم وتعلوهم ذلة من معاصيهم وخوفهم منها،إخبار عن سواد وجوههم في الدار الآخرة، كما قال تعالى: {يوم تبيض وجوه وتسود وجوه فأما الذين اسودت وجوههم أكفرتم بعد إيمانكم فذوقوا العذاب بما كنتم تكفرون"[3]

(جب ان کی نیکیوں اور براہیوں کو برابر رکھا جائے گا اس وقت ان کی نیکیاں کم ہوں گی اور بدکاریوں سے ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے اور وہ ذلت کے مارے سیاہ اور کالے ہو جائیں گے اور یہ سمجھتے تھے کہ اللہ ان کے ظلم سے واقف نہیں ہے۔ جب کہ اللہ انھیں ڈھیل دے رہا تھا اس وقت ان کی آنکھیں چڑھ جائیں گی اور صورتیں بدل جائیں

1 ابراہیم:۴۴

2 یونس:۲۷

3 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۴/۲۶۴

گی اور انھیں اس عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ملے گا اور نہ کہیں چھپ کر پناہ ملے گی اللہ کے سامنے حاضر ہونگے اور کفار کے منہ ان کے کفر کی بنا پر کالے ہو جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ اب اپنے کفر کا مزہ چکھو۔)

﴿وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ﴾ [1]

(اور برے اعمال کرنے والا بھی وہ یہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کے برے اعمال کے درمیان دور دراز کا فاصلہ ہوتا، اور اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے)

اس آیت کے پہلے حصہ میں ترہیب ہے اور دوسرے حصہ میں ترغیب ہے۔[2]

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ﴾ [3]

(جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ عنقریب اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔)

اثم سے مراد ہر وہ کام جو جائز نہ ہو۔ اس سے منع کیا گیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جو گناہ چھپ کر کئے جاتے ان کو گناہ نہیں تصور کیا جاتا تھا۔ صرف ظاہری طور پر کیا جانے والا گناہ کو برا تصور کرتے تھے۔ اسلام میں ہر طرح کے گناہ کی ممانعت کی گئی ہے کیونکہ اس سے انسان کو اپنے برے اعمال پر جواب دینا پڑے گا۔

اللہ کی ناراضی

اللہ کی ناراضی پر انذار کیا گیا۔ کیونکہ اس سے انسان کے اچھے اعمال بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾ [4]

(یہ اسی طرح ہو گا کہ انہوں نے اس طریقے کی پیروی کی جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہے اور اس کی رضا کا راستہ اختیار کرنا پسند نہ کیا۔ اسی بنا پر اس نے ان کے سب اعمال ضائع کر دیئے۔)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سخت گیر سزا ان لوگوں کے لئے ہے۔ جنھوں نے ہر اس چیز کی پیروی کی جو اللہ تعالیٰ کو غصہ دلانے والی تھی۔ یہ سزا ان کی جانیں نکلنے سے شروع ہو جائے گی۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ انھوں نے جو اعمال بظاہر نیکی سمجھ کے انجام دیئے تھے مثلاً نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، کسی کے ساتھ بھلائی کی یا کچھ رفاہی کام کیے، اللہ تعالیٰ سب کو حرف غلط کی طرح مٹا دے گا۔

1 آل عمران:۳۰

2 علامہ سعیدی، تبیان القرآن:۲/۱۱۷

3 الانعام:۱۲۰

4 محمد:۲۸

یعنی تو ان کو اس وقت دیکھتا جب ان کی موت کا وقت ہوتا ہے اور جب فرشتے ان کی جانیں نکالنے کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں تو انھیں ذلیل کرنے والے عذاب کی خبر دیں گے ان کے اللہ پر ناحق کہنے، آیات الٰہی کا انکار کرنے اور تکبر کی بنا پر۔ اس آیات میں ان کے وہ گناہ بیان کئے گئے کہ اللہ کو ناخوش اور ناراض کرنے کے لئے جو کام کرتے تھے پس ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔

رحمت سے محرومی کی خبر

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَئِكَ يَئِسُوا مِنْ رَحْمَتِي وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[1]

(جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا اور اس سے ملاقات کا انکار کیا ہے وہ میری رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں اور ان کے لیے دردناک سزا ہے)

قرآن مجید کے اسلوب انذار میں ایک حکمت ہمیں یہ نظر آتی ہے۔ کہ اس سے ہمیں اللہ کی قدرت کاملہ کا ادراک ہوتا ہے۔ جس کا اظہار خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ ﴾ [2]

(سو میں مشارق اور مغارب کے رب کی قسم کھاتا ہوں بے شک ہم اس پر قدرت رکھنے والے ہیں)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم عاجز آنے والے نہیں کہ کوئی ہماری قدرت سے باہر چلا جائے یا ہماری گرفت سے نکل بھاگے تو جب ساری ہی قوت و طاقت ہمارے پاس ہے۔ تو ہر انسان کے لیے سلامتی کی راہ اسی میں ہے۔ کہ وہ ہماری ہی رضا و خوشنودی کے حصول کی لیے کوشاں رہے اور ہماری (اللہ تعالیٰ) کی گرفت اور پکڑ سے پناہ مانگے۔ جن اقوام یا امتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار کیا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت ھودؑ کی قوم عاد تھی۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ طاقت اور قوت سے نوازا تھا کہ اللہ کی دی ہوئی قوت اور طاقت کے بل بوتے پر وہ اس غرور میں مبتلا ہو گئے کہ کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر کوئی طاقت والا نہیں ہے۔ یہ بھی بھول گئے کہ یہ قوت دینے والا تو اس سے بھی قوی ہے۔ چنانچہ اس طاقت کے نشے میں آکر انھوں نے انبیاءؑ کو اور قیامت کے دن کو اور خدا کو ماننے سے انکار کیا اور جب اخلاقی بگاڑ کی انتہا کو چھونے لگی تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوڑا ان پر برسا اور ان کی طاقت جس پر وہ نازاں تھے وہ کسی کام نہ آئی۔ سورۃ الحاقہ میں ان کے انجام بتاتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴾ [1]

---

1 العنکبوت:۲۳

2 المعارج:۴۰

(رہے عاد تو وہ ایک شدید طوفانی آندھی سے تباہ کر دیئے گے۔)

قوم عاد نافرمانی اور سرکشی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ طاقتور خیال کرتی تھی۔ قرآن نے ان کا قول یوں بیان کیا" کہ ہم سے زیادہ طاقت کسی میں نہیں" تفسیر مظہری میں ہے:

''فأما عاد فاستكبروا في الأرض بغير الحق اى تعظموا على اهل الأرض بغير استحقاق وقالوا لما خوفوا بالعقاب اغترارا بقوتهم وشوكتهم من أشد منا قوة يعنى ليس أحد أشد قوة منا ندفع العذاب بقوتنا-فأرسلنا عطف على كانوا عليهم ريحا صرصرا عاصفا شديد الصوت شديد البرد''[2]

(پھر عاد کے لوگ بغیر کسی حق کے دنیا میں تکبر کرنے لگے ان کا کہنا تھا کہ ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہو سکتا ہے فَاسْتَكْبَرُوا یعنی کسی حق کے بغیر ہی دوسرے بندوں سے خود کو برتر اور بڑا خیال کرنے لگے اور جب ان کو عذاب سے انذار کیا گیا تو کہنے لگے۔ ہم سے زیادہ طاقتور والا اور کون ہو سکتا ہے؟ یعنی ہم عذاب سے نہیں ڈرتے کیونکہ ہر عذاب کو ہم اپنی طاقت سے دور کر دیں گے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے مخصوص دنوں میں ایک طوفانی آندھی ان پر بھیجی تاکہ جو طاقت نشے میں تھے ہم ان کو دنیا میں رسوائی والا عذاب دیں گے اور آخرت والا عذاب بھی رسوائی کا سبب ہو گا۔)

سورۃ الحاقہ میں ہے:

﴿فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُواْ بِٱلطَّاغِيَةِ﴾ [3]

(چنانچہ ثمود کو حد سے بڑھی ہوئی خوفناک چیخ سے ہلاک کیا گیا)

قوم ثمود شام میں آباد تھی انھوں نے حضرت صالحؑ اور اللہ تعالیٰ کا انکار کیا۔ اور قیامت سے منکر ہوئے تو حضرت جبرائیلؑ نے ان پر چیخ ماری اور اس کی دہشت سے ان سب کلیجہ پھٹ گیا۔ اور وہ ایک دم سب ہلاک ہو گئے دنیا میں فخر اور غرور کرنے والی اور آخرت اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والی اور نبی کو جھٹلانے والی قوم کو اللہ تعالیٰ نے پل بھر میں اپنی قدرت کاملہ سے ہلاک کر دیا۔

اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے جو بد اخلاقی کی حد پار کر دی اور سخت گناہوں میں مبتلا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو بھی ہلاک کیا۔ قوم عاد اور ثمود کے بعد فرعون اور لوطؑ کی قوم کا ذکر کیا گیا۔ فرعون اپنی طاقت کے نشے میں تھا۔ وہ اپنے آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور اور قدرت والا سمجھتا تھا۔ یہاں تک کہ رب بن بیٹھا۔ سورۃ

---

1 الحاقہ:٦

2 مظہری، ثناء اللہ، تفسیر مظہری، (مکتبہ رشیدیہ پاکستان ١٤١٢ھ) ٢٨٨/٨

3 الحاقۃ:٥

القمر میں ہے:

﴿ وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُر ﴾ [1]

(اور بے شک فرعون والوں کے پاس ڈرانے والے آئے)

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

''یقول تعالی مخبرا عن فرعون وقومه إنهم جاءهم رسول الله موسى وأخوه هارون بالبشارة إن آمنوا، والنذارة إن كفروا، وأيدهما بمعجزات عظيمة وآيات متعددة، فكذبوا بها كلها، فأخذهم الله أخذ عزيز مقتدر، أي: فأبادهم الله و لم يبق منهم مخبرا ولا عينا ولا أثرا.''[2]

(جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارونؑ فرعون اور اس کی قوم کے پاس اللہ کی جانب سے انھیں ڈرانے اور بشارت دینے کے لیے آئے وہ اللہ کی طرف سے بڑی نشانیاں اور زبردست معجزات کے ساتھ آئے لیکن فرعون اور اس کی قوم نے ان کو جھٹلا دیا جس پر یہ عذاب الٰہی کا شکار ہوئے۔)

سورۃ البقرہ میں ہے:

﴿ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴾ [3]

(اور جب ہم نے تمھاری وجہ سے سمندر کو پھاڑ دیا۔ پھر ہم نے تم کو نجات دے دی اور آل فرعون کو ہم نے غرق کر دیا۔ اس حال میں کہ تم دیکھ رہے تھے)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكَاتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴾ [4]

(اور فرعون نے اور اس سے پہلے لوگوں نے اور الٹ جانے والی بستیوں نے گناہ کا ارتکاب کیا)

پس فرعون نے اور اس کے پہلے کے لوگوں نے گناہ کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی سخت گرفت میں پکڑ لیا۔ سورۃ القمر میں ان سب اقوام کی ہلاکت کے بارے میں بتایا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ---كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ---كَذَّبَت قَومُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ---وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُر ﴾ [5]

ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائی۔ پھر اپنی قدرت کا اظہار کرتے ہوئے انھیں

---

1 القمر، ۴۱

2 ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۷/۴۸۱

3 البقرہ: ۵۰

4 الحاقہ: ۹

5 القمر: ۲۳، ۱۸، ۳۳، ۴۱

دنیا میں ذلت و ہلاکت دی اور آخرت میں بھی ان کا انجام برا ہو گا۔ سید قطب شہید نافرمان قوموں کے انجام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

’’ثم يبدو ذلك الجد الصارم والهول القاصم في النطق العلوي بالقضاء الرهيب الرعيب، في اليوم الهائل، وفي الموقف الجليل: «خُذُوهُ. فَغُلُّوهُ. ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ. ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُها سَبْعُونَ ذِراعاً فَاسْلُكُوهُ» .. وكل فقرة كأنها تحمل ثقل السماوات والأرض، وتنقض في جلال مذهل، وفي هول مروع، وفي جد ثقيل.ثم ما يعقب كلمة القضاء الجليل، من بيان لموجبات الحكم الرهيب ونهاية المذنب الرعيبة‘‘[1]

(جب مجرمین کو نہایت ہی سخت الفاظ میں جہنم میں ڈالنے کا فیصلہ سنایا جاتا ہے۔ فضاء عدالت خوفناک ہے۔ ہر طرف خاموشی اور آواز ہے: پکڑو اسے اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو، پھر اسے جہنم میں جھونک دو، پھر اس کو ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو)۔

اس حکم کا ایک ایک فقرہ اس قدر بھاری ہے کہ زمین و آسمان کے بوجھ سے زیادہ ہے اور وادی شعور میں اس کے گولے اس قدر دھماکے سے گرتے ہیں کہ انسان حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ دل و دماغ پر ایک سنجیدگی طاری ہو جاتی ہے۔ اس عدالتی فیصلے کے دلائل بھی گنوائے جاتے ہیں۔ اور جن سے اس جرم کا انجام منصفانہ ثابت ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴾ [2]

(جس دن وہ لوگ اپنے چہروں پر گھسیٹے جائیں گے۔ چکھو آگ کا چھونا)

ان نافرمان قوموں کے برے انجام کو بیان کیا جا رہا ہے۔ جو دنیا میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ طاقت ور اور غرور و تکبر میں مبتلا تھی۔ اور جب انھیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا۔ تو وہ طاقت کے نشے میں عذاب طلب کرتی تھیں۔ جب خدا کی مہلت ختم ہوئی۔ تو پل بھر میں ان کو دنیا کے نقشے سے مٹا دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اظہار یوں فرمایا:

﴿ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴾ [3]

(اور ہمارا حکم تو صرف ایک بار ہوتا ہے۔ جیسے آنکھ کی ایک جھپک)

الغرض قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اقوام اور امتوں کا جو سرکشی میں مبتلا تھیں ان کو دنیاوی اور اُخروی

---

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۶/ ۳۶۷۵

2 القمر: ۴۸

3 ایضاً: ۵۰

عذاب اور برے انجام سے آگاہ کیا سابقہ اقوام کو جس طرح ہلاک کیا گیا ہے۔ ان پر جو عذاب آیا اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اس نے انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء اکرام کو دنیا میں مبعوث کیا ان پر کتابیں نازل کیں لوگوں کو دنیا اور آخرت میں بھلائی اور برائی کا راستہ دکھا دیا۔ انھیں انذار کیا گیا کہ قیامت جلد برپا ہونے والی ہے۔ اس دن تم سے دنیا کی زندگی کا حساب لیا جائے گا۔ پھر جن لوگوں نے نبیوں کو جھٹلایا تکبر اور سرکشی کی اپنے آپ کو بڑا سمجھا وہ اللہ کے غضب کا شکار ہوئے اس میں باقی یا آنے والی اقوام کے لیے حکمت پوشیدہ ہے۔ کہ وہ اللہ جس کو صرف کن کہنے کی دیر ہے۔ اور ساری قدرت اور طاقت والا وہی ہے۔ دنیا میں کوئی کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو بلکہ ساری طاقتوں سے بڑھ کر اس کی طاقت ہے۔ لہٰذا اس کے ماتحت ہو کر رہنا چاہیے.

حاصل بحث

قرآن مجید میں متعدد بار انبیاء کرام کا بحیثیت مبشر اور منذر ذکر کیا گیا۔ انبیاء کرام کو مبشر بنا کر بھیجا گیا تا کہ وہ لوگوں کو بشارتیں سنا کر انھیں ان کا دنیا میں آنے کا مقصد واضح کریں اور نھیں راہ راست کی طرف رغبت دلائیں۔ اور برے لوگوں کو خبر دار کرنا تا کہ وہ ڈر کر اصلاح کرلیں۔ قرآن مجید میں سابقہ اقوام کا ذکر کرتے ہوئے قوموں کی راہنمائی کے لئے واضح دلائل اور نشانیاں دے کر انبیاء کرام کو بھیجا اور ان انبیاء کرام کے دعوتی اسلوب کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

قرآن مجید دو طرح کے لوگوں کو مخاطب کرتا ہے، ایک مبشرین اور دوسرے منذرین۔ مبشرین وہ گروہ ہے جنھیں ان کے اچھے اعمال کی بنا پر دنیا اور آخرت میں اچھے بدلے اور انعام کی بشارتیں دی گئی ہیں جبکہ دوسرا گروہ وہ ہے جو نافرمانی اور اعمال بد کے مرتکب ہوتا ہے جس کی بنا پر انھیں دنیا میں بھی رسوائی اور آخرت میں دردناک عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ قرآن مجید میں تبشیر و انذار کے پہلو میں بہت سی حکمتیں موجود ہیں۔ اولاد کی بشارت میں کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے جن کی توقع ناممکن تھی۔ جیسے بن باپ کے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش، اور بڑھاپے میں حضرت اسحاقؑ کی بشارت، اور بانجھ پن میں حضرت یحییٰؑ کی بشارت ان واقعات سے اللہ کی قدرت کاملہ کا اظہار ہوتا ہے۔ کہ وہ جو چاہے اور جب چاہے کر سکتا ہے۔ کچھ بشارتیں اس نے بدلے اور انعام کے طور پر دی جیسے مال اور جان دونوں اللہ کی امانتیں ہیں۔ لیکن ان کے بدلے میں جنت کا سودا کیا۔ اسی طرح دلوں میں اللہ کی رضا اور نیکی کی طرف راغب کرنے کے لیے اولیاء اللہ کے مقام و مرتبہ سے اگاہی دی۔ اسی طرح اللہ کی راہ میں جان کی قربانی دینے کے لئے شہداء کی بشارت اور ان پر اللہ کے فضل و کرم کو دنیا والوں تک قرآن کے ذریعے سے پہنچایا۔ تا کہ وہ بھی جنت کے حصول کی طرف رغبت رکھیں۔

باب سوم

ایمانیات وعبادات سے متعلق آیات میں تبشیر وانذار کا پہلو

فصل اول: ایمانیات سے متعلق آیات میں تبشیر

فصل دوم: ایمانیات سے متعلق آیات میں انذار

فصل سوم: عبادات سے متعلق آیات میں تبشیر وانذار

فصل اول:

ایمانیات سے متعلق آیات میں تبشیر

ایمان امن سے ہے یہ عربی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی ڈر سے محفوظ اور دل کا اطمینان پا جانے کے ہیں۔

امام راغب ایمان کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''الإيمان أصل الأمن: طمأنينة النفس وزوال الخوف، والأمْن والأمانة والأمان في الأصل مصادر، ويجعل الأمان تارة اسما للحالة التي يكون عليها الإنسان في الأمن، وتارة اسما لما يؤمن عليه الإنسان، نحو قوله تعالى: وتخونوا أماناتكم''([1])

(ایمان امن سے ماخوذ ہے اس سے مراد خوف کا زائل ہونا، نفس کا مطمئن ہونا۔ امن، امانت اور امان اصل مصادر ہیں۔ امن کی حالت کو امان کہتے ہیں۔ اور جو چیز حفاظت کے لئے رکھی جائے اسے امانت کہتے ہیں)

یہ دو طریقوں سے استعمال میں آتا ہے لازم اور متعدی، لازم میں اس کے معنی امن پا لینا کے ہیں۔ چنانچہ امن پا جانے پر بھی لفظ ایمان کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور اگر متعدی معنی میں استعمال ہو تو اس کے معنی امن اور عافیت مہیا کرنے کے ہیں۔ جیسے سورہ قریش میں یہ متعدی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

﴿ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ -الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ﴾([2])

(لہٰذا ان کو چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا۔)

لازم معنی میں بھی متعدد مقامات پر ذکر ہوا۔ جیسے سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾([3])

(اور جب امن میسر آجائے تو اللہ کو اس طریقے سے یاد کرو جو اس نے تمہیں سکھا دیا ہے جس سے تم پہلے ناواقف تھے۔)

ان آیات کریمہ سے اس بات کی وضاحت ہو گئی کہ ایمان اور اس کے مادے کا ذکر متعدی معنوں میں دوسرے کو امن دینا، اور لازم معنوں میں خود امن پالینے کے ہیں۔ امام راغب کے نزدیک ایمان میں امانت کا مفہوم

1 اصفہانی، المفردات، ۱/۹۰

2 قریش: ۳۔۴

3 البقرہ: ۲۳۹

بھی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی امن سے ہی مشتق ہے۔ درج ذیل آیت اس بارے میں ہے

﴿فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ﴾([1])

(اگر تم میں سے کوئی شخص دوسرے پر بھروسہ کر کے اس کے ساتھ کوئی معاملہ کرے، تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہو، اسے چاہیے کہ امانت ادا کرے)

علامہ بدرالدین عینی نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ ایمان سے مراد اقرار، تصدیق اور عمل ہے اور جس شخص کے اقرار میں کوئی خلل ہو تو وہ منکر و کافر ہے اسی طرح جس کی تصدیق میں کسی قسم کا خلل واقع ہو تو وہ منافق ہو گا اور جس کے عمل میں کوئی خلل ہو جائے تو وہ فاسق کہلائے گا مطلب یہ کہ جس ایمان کی بنا پر انسان دوزخ میں جانے سے بچ جائے تو وہی ایمان کامل ہو گا امام شافعیؒ اور دوسرے اسلاف نے ایمان کامل کا جز اعمال کو قرار دیا ہے اور جب کسی ایسے آدمی پر مومن ہونے کا اطلاق کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ وہ اپنے نفس ایمان کی وجہ سے چھٹکارہ پا جائے گا۔[(2)]

قرآن کی رو سے ایمان وہ شریعت ہے جو نبی کریم ﷺ اللہ کی جانب سے لائے ہوں پس اس پر عمل کرنے والا ہی مومن ہے یہ تعریف کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ حق کی تصدیق اور اسے قبول کرنا پھر سچے دل اور زبان سے اس کا اقرار اعضاء کے عمل کرنے سے ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ﴾[3]

(اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر (کامل) ایمان لائے وہی اپنے رب کی بارگاہ میں صدیق اور شہید ہیں ،ان کے لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہے)

تصدیق بالقلب ،اقرار باللسان اور عمل بالارکان میں سے ہر ایک پر ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ تصدیق بالقلب پر ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے: ﴿أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ﴾([4])(وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت فرمادیا۔)

اگر ایمان کے ساتھ حرف باء کا صلہ آجائے تو یہ اپنے مخصوص اور اصطلاحی معنی میں استعمال ہوتا ہے، جس

---

1 البقرہ:۲۸۳

2 عینی، بدرالدین، علامہ، عمدۃ القاری، (مصر: ادارہ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۸ھ)، ص:۱۰۲

3 الحدید:۱۹

4 المجادلہ:۲۲

کی تفصیل میں رب کائنات کی توحید، رسالت اور آخرت پر مکمل ایمان شامل ہوتا ہے، جس کی گواہی انسان کا عمل بالجوارح سے ادا ہوتی ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے:﴿ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ﴾[1]

(جو کوئی ایمان لایا اللہ اور آخرت کے دن پر اور اس کے فرشتوں پر، کتابوں پر اور نبیوں پر)

انھیں آیات قرآنی کی توضیح میں حضور ﷺ کا فرمان ہے:

((أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ))[2]

(ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر اس کے ملائکہ پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر ایمان لاؤ نیز تقدیر کے خیر وشر پر ایمان لاؤ)

اسلامی ایمانیات کی بنیاد اللہ تعالیٰ پر ایمان اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں، یوم آخرت اور تقدیر کے خیر وشر پر ایمان ہے۔ ایمان ایک ذہنی اور قلبی کیفیت ہے جس پر افراد کی اصلاح، اخلاق، اعمال اور درستی احوال کا انحصار ہے۔ ایمانیات پر ہی اسلام کی بنیاد قائم ہے اور اگر ان میں کسی قسم کا شک یا غیر یقینی کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اسلام کی عمارت میں ضعف آنے لگتا ہے۔ مومن، اللہ کی بارگاہ سے بندگی کا تعلق استوار کر کے امن وعافیت کی دولت پالیتا ہے۔ وہ ارشاد خداوندی کہ " انھیں کوئی غم وخوف نہ ہو گا "کا مصداق بن جاتا ہے اور اس کی ذات دوسروں کے لئے بھی باعث امن وسلامتی بن جاتی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں اللہ پر ایمان اس کے رسولوں پر، کتابوں اور آخرت کے دن پر ایمان لانے پر دلکش بشارتوں سے نوازا گیا۔

ایمان باللہ پر بشارات

قرآن حکیم کے مطابق، جو لوگ ایمان پر استقامت رکھتے ہیں۔ ان پر اللہ کی طرف سے فضل ورحمت ہوتی ہے۔ وہ قدم بہ قدم خدا کی طرف بڑھتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ مومنین کو پکڑ پکڑ کر ہدایت کے راستے کی طرف بڑھاتا ہے۔ اور آخرت میں ان کے ثواب اور درجات کو مزید بڑھا دیا جائے گا۔ یہ فضل اللہ پر ایمان اور دین پر مضبوطی سے جمے رہنے کے باعث ہو گا۔ سورۃ النساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا﴾[3]

(پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے۔ اور اس کے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ان کو وہ اپنی رحمت اور

---

1 البقرۃ:۱۷۷

2 المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب معرفۃ الایمان والاسلام، ح۸

3 النساء:۱۷۵

فضل میں داخل کرے گا اور اپنی طرف سیدھا راستہ دکھائے گا)

ابن کثیر اس مضبوط رابطہ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''آمنوا بالله واعتصموا بالقرآن- يرحمهم فيدخلهم الجنة ويزدهم ثوابا ومضاعفة ورفعا في درجاتهم، من فضله عليهم وإحسانه إليهم''[1]

(جو لوگ کامل طریقے سے اللہ پر ایمان لائیں صرف اسی پر توکل اور بھروسہ کریں اور اس سے مضبوط رابطہ اور رشتہ قائم کرلیں۔ تو پھر بدلے میں ان پر اللہ اپنے فضل سے رحم کرے گا۔ سرور والی اور نعمتوں سے بھری جنت میں انھیں داخل کرے گا۔ ان کے ثواب بڑھا دیئے جائیں گے اور ان کے درجات بلند فرمائے گا)

جیسے سورۃ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾[2]

(جس نے جھوٹے معبودوں کا انکار کیا اور اللہ پر یقین لے آیا تو اس نے مضبوط حلقہ تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔)

گویا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے سبب انسان کو ایک مضبوط سہارا مل جاتا ہے۔ جو انسان کی ضرورت بھی ہے اور قابل اعتماد ذریعہ بھی ہے۔ مولانا دریابادی اس مضبوط سہارے کے بارے میں یوں بیان کرتے ہیں:

''جس نے دین اسلام قبول کرلیا۔ اور جو باطل کی پیروی سے باز آگیا۔ اسے دنیا و آخرت میں ایک بڑا زبردست سہارا ہاتھ آگیا۔ یہ وہ زبردست سہارا ہے جس کے ہاتھ لگ جانے کے بعد زندگی کا ہر مرحلہ آسان ہو جاتا ہے اور ہر عقدہ کا حل مل جاتا ہے۔''[3]

اس سہارے کو تھام لینے والا شخص کبھی گمراہ نہیں ہو گا۔ کیونکہ یہ تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ہے جو انسان کی تخلیق، پرورش، کامیابی اور ناکامی کا مالک ہے۔ اور اس سہارے کو تھام لینے کے بعد انسان کے قدم ڈگمگاتے نہیں اور وہ اپنے رب تک جا پہنچتا ہے۔ ابن کثیر بھی اس شخص کو کامیاب قرار دیتے ہیں۔ جس نے اس مضبوط کڑے کو تھام لیا۔

''فقد استمسك من الدين بأقوى سبب،وشبه ذلك بالعروة الوثقى التي لا تنفصم''[4]

(اس شخص نے مضبوط کڑا تھام لیا یعنی دین کے سب سے مضبوط اور بڑی وجہ کو پکڑ لیا۔)

---

1 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۲/۴۸۱

2 البقرۃ:۲۵۶

3 دریابادی، تفسیر ماجدی (کراچی،: مجلس نشریات قرآن ناظم آباد) ۱۹۹۸ء، ۱/۴۷۶

4 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۱/۶۸۴

ایمان لانے کے بعد ایک مومن جب اللہ پر کامل یقین کر لیتا ہے۔ تو اس کے لئے اس دنیا میں مشکلات کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس کی نظر آخرت کی کامیابی پر ہوتی ہے۔ امن کی یہ بشارت دنیا کی زندگی کے لیے بھی ہے اور موت کے بعد ابدی اور لازوال زندگی کے لیے بھی۔ ایمان کی بدولت انسان عزت و شرف کی انتہائی بلندیوں پر فائز ہو جاتا ہے پھر وہ خیر امت قرار پاتا ہے اللہ اور اس کے رسول کے سامنے بھی وہ معزز و محترم ٹھہرتا ہے۔

﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ [1]

(اور عزت اللہ اس کے رسول اور مومنین کے لئے ہے۔)

یہ بہت بڑی بشارت ہے مومن کے لیے کہ جو آدمی بھی سچے دل سے اللہ اور اس کے رسول سے اپنے تعلق کو مضبوط کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے نہ صرف عزت اور بلند مرتبہ عطا کرتے ہیں۔ بلکہ اپنے ساتھ رسولوں کو اور مومنین کو ایک ہی صف میں کھڑا کریں گے یہ بڑا اعزاز ہے مومنین کے لئے کہ وہ انبیاء کرام علیہ السلام اور خالق کائنات کی صف میں کھڑے ہوں۔ سید قطب شہید اس اعزاز کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ:

"ویضم الله سبحانه رسوله والمؤمنين إلى جانبه، ويضفي عليهم من عزته، وهو تكريم هائل لا يكرمه إلا الله! وأي تكريم بعد أن يوقف الله- سبحانه- رسوله والمؤمنين معه إلى جواره. ويقول: ها نحن أولاء! هذا لواء الأعزاء. وهذا هو الصف العزيز! وصدق الله. فجعل العزة صنو الإيمان في القلب المؤمن. العزة المستمدة من عزته تعالى. العزة التي لا تهون ولا تهن، ولا تنحني ولا تلين. ولا تزايل القلب المؤمن في أحرج اللحظات إلا أن يتضعضع فيه الإيمان. فإذا استقر الإيمان ورسخ فالعزة معه مستقرة راسخة."[2]

سید قطب شہید کہتے ہیں کہ (ایک مسلمان کے لئے بڑی خوشی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور مومنین کو اپنے ساتھ ایک ہی صف میں شامل کر کے ان کو بھی عزت دار بنایا اور یہ بڑے عزاز کی بات ہے کہ اللہ اپنے رسول اور مومنین کو اپنے پہلو میں کھڑا کر دیں اور فرمائیں کہ ہم ہیں معزز اور یہ (کافر) ذلیل ہیں۔ اللہ نے بالکل سچ فرمایا ہے۔ اس نے مومن کے دل میں ایمان کو عزت کے مساوی قرار دیا۔ اور مومنین کو ایمان کی بنا پر اللہ کی عزت سے عزت حاصل ہوئی۔ جب کسی کے دل میں ایمان اچھی طرح قرار پکڑ لیتا ہے۔ اور پختہ ہو جاتا ہے۔ تو اس شخص کے دل میں عزت بھی بہت مضبوط اور جڑ پکڑ لیتی ہے)

ایک آدمی کے لیے یہ بڑی بشارت اور عزت کی بات ہے۔ کہ اللہ اپنے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس

---

1 المنافقون:۸

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۶/ ۳۵۸۰

آدمی کو عزت دیں۔ اور ایمان کے بغیر انسان کا جنت میں داخلہ ممکن نہیں۔ خواہ اس نے کوئی بھی گناہ نہ کیا ہو اور وہ نیک کام کرتا رہے۔ ایمان کے بغیر اس کی نیکیاں اسے کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ جیسے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا

((يا ابن الخطاب، اذهب فناد في الناس، أنه لا يدخل الجنة إلا المؤمنون))[1]

(اے خطاب کے بیٹے! جاؤ اور لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہو سکیں گے۔)

گویا کہ ایمان ایک ایسی حقیقت ہے جس کے بغیر اُخروی نجات اور دخول جنت کا کوئی تصور نہیں اور ایمان والوں کو بشارت دیتے ہوئے سورۃ التحریم میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ''﴾ [2]

(جس دن اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو اور لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے رسوانہ کرے گا ان کا نور ان کے آگے اور ان کے داہنی طرف دوڑتا چلا جائے گا۔ وہ دعا کرتے ہوں گے اے ہمارے رب ہمارا نور ہمارے لیے مکمل فرمادے۔ اور ہم کو بخش دے بے شک تو ہر بات پر قادر ہے)

عبد الماجد دریابادی لکھتے ہیں کہ:

''اس آیت سے مقصود مومنین کو اطمینان دلانا اور مژدہ امن سنانا ہے''[3]

اس طرح قیامت کے دن مومنین کو پورے اعزاز کے ساتھ نور دے کر جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا۔ جیسا کہ سید قطب شہید لکھتے ہیں:

''وإنه لإغراء مطمع، وتكريم عظيم، أن يضم الله المؤمنين إلى النبي- صلى الله عليه وسلم- فيجعلهم معه صفا يتلقى الكرامة في يوم الخزي. ثم يجعل لهم نورا يعرفون به في ذلك اليوم الهائل المائج العصيب الرهيب. ونورا يهتدون به في الزحام المريج. ونورا يسعى بين أيديهم وبأيمانهم إلى الجنة في نهاية المطاف''[4]

یہاں اللہ نے مومنین کو نبی ﷺ کے ساتھ ایک ہی صف میں شامل کیا ہے۔ اس میں مومنین کے لیے اس قدر حوصلہ افزائی ہو گی۔ کہ مومن لوگ حضور ﷺ کی صف میں کھڑے ہونگے اور ان کی عزت ہو گی اور اس دن ان کے نور ان کے آگے آگے ہونگے اور اس دن وہ اسی نور کے ساتھ پہچانے جائیں گے۔ اور بڑے اعزاز اور وقار کے ساتھ یہ اپنے نور سے جنت میں داخل ہونگے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان کو مومنین پر مزید بڑھاتے ہوئے

1 المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب غِلَظ تحریم الغلولِ، ح ۱۱۴

2 التحریم: ۸

3 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۱۱۱۱

4 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۶/ ۳۶۱۸

یہ بشارت سناتا ہے کہ مومنین کی نیک اولاد کو بھی انھی کے درجے تک پہنچا دیا جائے گا۔ جن لوگوں کی اولاد اپنے والدین کی طرح ایمان پر ہوگی۔ لیکن درجات میں ان سے کم ہوگی۔ تو ان کے درجات بڑھا کر انکے والدین کے برابر کر دیئے جائیں گے۔ تاکہ والدین اپنے بچوں کو اپنے پاس دیکھ کر خوش رہیں۔

تفسیر تبیان القرآن میں ان مومنین (صحابہ کرامؓ) کی بشارت کا ذکر ہے۔

"ان مؤمنوں کے لیے فرمایا ہے جو نبی کے ساتھ ایمان لائے ہیں اور وہ صحابہ کرام ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ نے عاقبت حسنیٰ (آخرت میں اچھا انجام) کا وعدہ کیا ہے اور وہ مطلقاً دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے۔"([1])

سورۃ الطور میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ﴾([2])

(اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اُولاد بھی ایمان میں ان کے پیچھے چلی ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے درجے تک پہنچا دیں گے)

اس طرح دریابادی نے بھی اسے مومنین کے لیے بہت بڑی بشارت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ ان اسلاف مقبولین (یعنی جنتیوں) کے اکرام اور لطف و سرور کے لیے ہوگا کہ ان کی ذُریات (کم درجات رکھنے والی اولاد) کو بھی باوجود ان کے درجہ عمل کی پستی کے ان کے ساتھ ملحق اور ہم مرتبہ کر دیا جائے گا۔ اس آیت میں اہلِ ایمان کے لیے بڑی بشارت ہے"([3])

یہ بشارت مومنین کے لئے کہ ان کے سبب انکے والدین اور اولاد جو کم درجہ کے اعمال والے ہوں گے۔ انکے درجات ان تک پہنچا دیئے جائیں گے۔ ایمان لانے کے بعد مومنین کو دی جانے والی بشارتوں کا دور رس اثرات انسان کی زندگی میں مرتب ہوتے ہیں۔ ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو ہدایت کے راستے کی طرف بڑھاتا ہے۔ اور ہدایت کے ساتھ ساتھ آخرت کے بے پناہ اجر اور اعلیٰ قسم کی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ انسان اللہ کی رحمت میں آ جاتا ہے۔ اور ایک مضبوط سہارا پا لیتا ہے۔ جس سے اس کی زندگی کا ہر مرحلہ آسان ہو جاتا ہے جیسے ابن کثیر فرماتے ہیں کہ دنیا کی مشکلات سہنے اور برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے پیش نظر آخرت کا ثواب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو بلند مرتبہ اور عزت سے نوازتا

---

1 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۱۲/۱۲۹

2 الطور:۲۱

3 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۱۰۴۱

ہے۔ جیسے سید قطب شہید فرماتے ہیں کہ اللہ اپنے رسول اور مومن بندوں کو اپنے پہلو میں کھڑا کریں گے۔ اور ایمان کی بدولت مومنین کو اللہ کی عزت سے عزت حاصل ہو گی۔ دنیا کی سعادتوں کے ساتھ ساتھ انھیں قیامت کے روز نور عطا کیا جائے گا۔ اور پورے اعزاز کے ساتھ نور دے کر انھیں جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا۔ مولانا دریابادی فرماتے ہیں کہ ان کی کم درجات والی اولادوں کو ان کی خواہش کے مطابق ان کی درجات بلند کر کے ان کے برابر درجات دے دیئے جائیں گے۔ غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں کہ مومنین کے ساتھ عاقبت حسن کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ یعنی دنیا اور آخرت دونوں کی سعادتوں کو سمیٹنے والے مومنین ہی ہوں گے۔

ایمان باللہ

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ایمان اور اعمال صالحہ کو لازم و ملزوم قرار دیا گیا ایمان بغیر نیک اعمال کے کچھ نہیں اور ایمان کے بغیر ساری عمر نیک اعمال کرتے رہیں ان کا کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔ ان مومنین کو بشارت دی گئی جن کے ایمان اعمال صالحہ کے ساتھ مزین ہیں۔ مومن کی تعریف ہی اچھے اور نیک اعمال کی بنا پر کی گئی ہے کہ مومن اپنے کردار اپنے رویئے سے مومن ہوتا ہے نہ کہ فقط زبان سے۔ اور ایمان اور عمل صالحہ کی بنا انھیں جنت میں لازوال نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ سورۃ طٰہٰ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَى -جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُخَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّى﴾ [1]

(اور جو اس کے پاس مومن ہو کر آئے گا جس نے نیک عمل کئے ہوں گے۔ سو ان لوگوں کے لیے بلندی درجات ہیں۔ سدا بہار باغ ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جزا ہے اُس کی جو پاکیزگی اختیار کرے)

عبد الماجد دریا آبادی لکھتے ہیں:

”یہ درجات عالیہ تو انھیں لوگوں کے لیے ہیں جو مومن کامل اور اعمال صالحہ میں راسخ ہیں“[2]

سورۃ البقرۃ میں ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ [3]

(اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے وہی جنت والے ہیں۔ جس میں ہمیشہ رہیں گے۔)

---

1 طٰہٰ:۷۵-۷۶

2 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۶۷۱

3 البقرۃ:۸۲

اصل ایمان یہی ہے جو ایک مومن کے اعمال و کردار سے بھی ظاہر ہو۔ جیسے ''لیس الایمان بالتحلی ولا بالتمنی ولکن ما وقر فی القلب وصدقتہ الاعمال''[1] **(ایمان ظاہری ملمع سازی یا من پسند تمناؤں کا نام نہیں بلکہ ایمان تو ایک ایسی حقیقت کا نام ہے جو دل میں مضبوطی سے بیٹھ جائے۔ اور بندے کے اعمال اس کی تصدیق کرتے رہیں۔)**

ایمان اور عملِ صالحہ کرنے والوں کو جنت الفردوس کی بشارت دی گئی ہے۔ جو سب سے اعلیٰ جنت ہے۔ اور مومنین کے لیے یہ بہت بڑی بشارت ہے۔ ہمارے پیارے نبی پاک ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ سے اسی جنت کے مانگنے کا حکم دیا۔ حدیث مبارکہ میں ہے

((فإذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَسَلُوهُ الفِرْدَوْسَ، فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الجَنَّةِ، وَأَعْلَى الجَنَّةِ،وفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ، وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الجَنَّةِ)) [2]

(جب تم اللہ سے جنت مانگو۔ تو جنت الفردوس کا سوال کرو۔ یہ سب سے اعلیٰ سب سے عمدہ جنت ہے۔ اسی سے اور جنتوں کی نہریں بہتی ہیں)

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ﴾ [3]

(بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے فردوس کے باغ مہمانی ہوں گے)

غلام رسول سعیدی اس بشارت کا ذکر یُوں کرتے ہیں:

''جنتوں میں جنت الفردوس سے اعلیٰ اور عمدہ کوئی جنت نہیں ہے۔ اس میں نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے داخل ہوں گے۔ غلام رسول سعیدی اپنی تفسیر میں حضور ﷺ کا فرمان بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے، اللہ پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر دے، خواہ اس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہو یا اپنے اس گھر میں بیٹھا رہا ہو جس گھر میں وہ پیدا ہوا ہے۔''[4]

﴿وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ [5]

(اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو اپنے ان اعمال کی وجہ سے جو تم دنیا میں کرتے رہے ہو)

---

1 الشیخ، عبد الغفور، شرح ارکان الایمان، (مکران: مدرسہ دار السنہ تگران آباد) ص:۱۸

2 البخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء، ح ۷۴۲۳

3 الکہف: ۱۰۷

4 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۷/ ۲۱۹

5 الزخرف: ۷۲

یہ سب ایمان کے بعد اعمال صالحہ کی بنا پر ایک مومن اس عظیم اور اعلیٰ درجہ کی جنت کا وارث ہو گا۔ عبد الماجد دریا بادی لکھتے ہیں کہ:

"یہ منظر سب جنت کے ہیں۔ ہر نعمت، ہر سرور، ہر لذت، مادی اور معنوی جسمانی اور روحانی ہر قسم کی اہل جنت کو حاصل ہو گی۔ اس میں کوئی استثناء ہی نہیں"[1]

اعمال صالحہ کرنے والوں کو ایمان لانے کے بعد اُن کے نیک اعمال کی بنا پر دُگنا بدلہ دیا جائے گا۔

﴿مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ﴾ (2)

(جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے پس یہی وہ لوگ ہیں۔ جن کو اعمال کی وجہ سے دوگنا بدلہ دیا جائے گا۔)

الغرض ایمان اور عمل صالحہ کی بنا پر ایک تو مومن کو جنت کی لازوال نعمتیں دی جائیں گی۔ اور نعمتیں بھی ایسی کہ جن کے چھن جانے کا کوئی خوف نہیں ہو گا۔ ہر دفعہ ایک نئی نعمت ملے گی۔ اور نہ ہی ان نعمتوں سے اکتاہٹ ہو گی۔ بلکہ دن بدن انکی رغبت زیادہ ہو گی۔ اور یہ صلہ ان کے اعمال صالحہ کی بنا پر اور ان کے اعمال کو دوگنا کر دیا جائے گا۔ ایمان لانے کی بنا پر مومنین کو یہ بشارت سنائی جاتی ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ ایمان کی بنا پر ان کی بشری خطائیں معاف کر کے جنت میں داخل کرے گا اور انھیں بہت عمدہ بدلہ دیا جائے گا۔ قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر مومنین کو ان کے گناہوں کو مٹا دینے کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾[3]

(اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے بھلے کام کیے تو ہم ان کے گناہ ضرور دُور کر دیں گے اور جو کچھ وہ کرتے تھے ان کو اس سے زیادہ بہتر بدلہ عطا کریں گے)

سید قطب شہید تحریر کرتے ہیں کہ:

"فليطمئن المؤمنون العاملون على ما لهم عند الله، من تكفير للسيئات، وجزاء على الحسنات. وليصبروا على تكاليف الجهاد وليثبتوا على الفتنة والابتلاء فالأمل المشرق والجزاء الطيب، ينتظرانهم في نهاية المطاف. وإنه لحسب المؤمن حتى لو فاته في الحياة الانتصاف." [4]

اللہ کی راہ میں کام کرنے والے مزدور کی بشارت کا ذکر سید قطب شہید یوں بیان کرتے ہیں کہ (یہ اس بات

1 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۹۸۶

2 سبا: ۳۷

3 العنکبوت: ۲۹

4 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۵/ ۲۲/ ۲۷۲

پر مطمئن اور خوش ہو جائیں کہ انھیں خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت کچھ ملنے والا ہے۔ ان کی گناہوں کی بھی معافی ہو گی۔ اوران کو اچھی جزا ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا انتظار ہو رہا ہے۔ یہ اس قدر عظیم اجر اور بشارت ہے کہ انھیں اس دنیا کی پوری زندگی میں انصاف نہ ملے۔ تو بھی وہ کافی ہے)۔ اس طرح گناہوں کو ختم یا مٹا دینے کے حوالے سے عبد الماجد دریابادی لکھتے ہیں کہ:

"مومنین صالحین کے بعض گناہ محض توبہ سے، عمل صالحہ سے اور بعض دوسرے حسنات سے اور بعض محض فضل خداوندی سے (مٹادیئے جائیں گے) یعنی ان کے اعمال حسنہ کی جزا ان کے اصل استحقاق سے کہیں بڑھ کر ہے۔"([1])

انسان کی نیکیاں، انسان ہی کے لیے فائدہ مند ہوتی ہیں کہ ان کی بدلے میں اسے گناہ اور برائیوں سے نجات مل جاتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کی قدر کرتا ہے۔ اور اس پر بڑے بڑے اجر دیتا ہے۔ ایک ایک نیکی کا سات سات سو گنا بدلہ عنایت فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لیے یہ بہت بڑی کامیابی اور بشارت قرار دی ہے کہ ان کی گناہوں کو مٹا کر انھیں بہترین بدلہ دیا جائے گا اور یہ خدا تعالیٰ کے ہاں بھی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور اس کامیابی کا اعتراف خود اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں۔

﴿لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ [2]

(یہ اس لئے کہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے وہ اس میں خوش رہیں اور ان سے ان کے گناہوں کو دُور کر دے اور یہ خدا کے نزدیک بڑی کامیابی ہے) سورۃ آل عمرآن میں ہے۔

﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾۔ [3]

(یعنی جو جہنم سے دُور کر دیا گیا اور جنت میں پہنچا دیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا)

مسلمانوں کے لئے بہت بڑی بشارت ہے یہ، سید قطب شہید بھی اسے فوزِ عظیم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''هو الفوز بالجنة بعد الزحزحة عن النار''[4]

تو یہ فی الواقع فوزِ عظیم ہے۔ یہ ایک عظیم کامیابی ہے۔ ان لوگوں کے خیال میں جن کو وہ ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ

---

1 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۸۱۹

2 الفتح:۵

3 آل عمران:۱۸۵

4 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۱/۵۳۹

نے قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ اس بات کا اعلان کر دیا کہ جو بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اِسے بڑی کامیابی مل گئی ہے۔ قرآن مجید میں تقریباً سولہ مقامات پر اس بڑی کامیابی اور بشارت کا ذکر ہے۔ بلکہ خود جنت میں جانے والوں نے بھی اس داخلے کو بڑی کامیابی قرار دیا ہے۔ سورۃ الصافات میں ہے:

﴿أَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِينَ - إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولَى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ -إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾[1]

(تو کیا اب ہم دوبارہ نہیں مریں گے پہلی مرتبہ مرنے کے بعد اور نہ عذاب دیئے جائیں گے بے شک یہ تو بڑی کامیابی ہے۔)

سورۃ محمد میں ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴾[2]

(اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے عمل صالح کیے اس پر ایمان لائے جو محمد پر اُتارا گیا ہے۔ وہی سچا دین ہے۔ ان کے رب کی طرف سے وہ ان سے ان کے گناہ مٹا دے گا اور ان کی حالت درست کر دے گا)

جس طرح کفار کے نیک کام انھیں کوئی فائدہ نہیں دیں گے اس طرح مومنین اپنے نیک اعمال کے ساتھ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ یہ ایمان کی اہمیت ہے کہ ایمان کے باعث مسلمانوں کو ان کے گناہوں سے بھی چھٹکارہ مل گیا۔ سورۃ التغابن میں ہے:

﴿يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذَلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾[3]

(جس دن وہ تم کو جمع کے دن اکٹھا کرے گا۔ وہ ہار جیت کا دن ہو گا اور جو کوئی اللہ پر ایمان لائے گا۔ اور اس کو باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان ہی باغوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے)

سید قطب شہید لکھتے ہیں کہ:

''إنهم من بين الجمع في يوم الجمع! وفي مشهد من هذا الجمع يكون التغابن! والتغابن مفاعلة من الغبن. وهو تصوير لما يقع من فوز المؤمنين بالنعيم وحرمان الكافرين من كل شيء منه ثم صيرورتهم إلى الجحيم. فهما نصيبان متباعدان. وكأنما كان هناك سباق للفوز بكل شيء، وليغبن كل فريق مسابقه! ففاز فيه المؤمنون وهزم فيه الكافرون۔''[4]

---

1 الصافات:۵۸۔۶۰

2 محمد:۲

3 التغابن:۹

4 سید قطب، فی ظلال القرآن،۶/۳۵۸۸

(اس عظیم اجتماع میں تغابن (مقابلہ) ہوگا یہ ایک تصویر ہے کہ مومنین کس حد تک کامیاب ہوں گے اور کافر لوگ کس قدر محروم، مومنین جنت میں جاکر سب کچھ حاصل کرلیں گے اس مقابلے میں مومن کامیاب ہوئے اور انہوں نے سب کچھ جیت لیا)۔

عبد الماجد دریا آبادی اس آیت مبارکہ کو مومن کے لیے بہت بڑی کامیابی اور بشارت کہتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"جس کے سامنے دنیا کی بڑی سے بڑی ممکن کامیابی بھی محض ہیچ ہے۔یعنی وہ دن، من کی راحت اور مسرت کا دن ہے قرآن مجید کی یہ باربار بشارت کہ نیکیاں گناہوں محو کرنے میں وہ کام دیں گی۔جو پینسل کی تحریر کے حق میں ربڑ کرتی ہے۔"[1]

یہ مسلمانوں کے لیے بڑی بشارت ہے کہ اللہ اپنے مومن بندے کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔قرآن مجید باربار مسلمانوں کو بشارتیں سناکر اس طرف راغب کررہاہے کہ مومنین نیک اعمال بجالائیں اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔اگر انھوں نے خطائیں کی بھی ہیں تو توبہ کرکے ہدایت کے راستے پر آجائیں جب آدمی سچے دل سے ایمان لے آتا ہے۔اسے جنت اور دوزخ کے بارے میں یقین ہوجاتا ہے۔تو وہ جہنم سے بچنے اور جنت کی طرف جانے کو ہی پسند کرتا ہے بشرطیکہ وہ اللہ پر یقین کامل لے آئے۔امان اللہ عاصم تحریر کرتے ہیں:

"جو انسان توحید پر کاربند رہ کر زندگی گزارتا ہے اور نیک وبد اعمال کا بدلہ جنت ودوزخ کی صورت میں ملنے پر بھی اسکا یقین ہے وہ انسان اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی باقی بشری خطائیں معاف کرکے اسے جنت عطا کردیں گے۔"[2]

حدیث مبارکہ میں ہے:

((ثَلاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلاَوَةَ الإِيمَانِ: أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا))[3]

(کوئی شخص ایمان کی لذت نہیں پائے گا جب تک اللہ اور اس کا رسول دوسری تمام چیزوں سے زیادہ اسے محبوب نہ ہوں۔)

سورۃ المائدہ میں ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ [4]

---

1 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۱۱۰۳

2 امان اللہ عاصم، مہکتی جنت، (لاہور: دار البلاغ پبلشرز اینڈ مسٹری)، ۲۰۱۴ء، ص:۹

3 البخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب حلاوۃ الایمان، ح۱۶

4 المائدہ:۹

(جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کرتے رہے۔ ان سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔ کہ ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے)

اس طرح سورۃ الفاطر میں ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ﴾ [1]

(اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے)

اس طرح سورۃ الفتح میں ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ [2]

(جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے خدا نے گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے) ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

''من هذه لبيان الجنس، {مغفرة} أي: لذنوبهم. {وأجرا عظيما} أي: ثوابا جزيلا ورزقا كريما،ووعد الله حقّ وصدق، لا يخلف ولا يبدل، وكل من اقتفى أثر الصحابة فهو في حكمهم، ولهم الفضل والسّبق والكمال الذي لا يلحقهم فيه أحد من هذه الأمة.'' [3]

(ان ایمان والوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں سے اللہ کا وعدہ ہے۔ کہ وہ ان کے گناہ معاف کردے گا اور انکو اجر عظیم اور رزق کریم ملے گا۔ اللہ کا یہ سچا اور پکا وعدہ ہے۔ جو نہ کبھی بدلے اور نہ اس کے خلاف ہو۔ ان کے نقش قدم پر چلنے والوں اور ان کی روش پر کاربند رہنے والوں سے اللہ کا یہ وعدہ ثابت ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے مومنین سے مغفرت اور اجر عظیم کا جو وعدہ فرمایا ہے مومنین کے لیے یہ بڑا اعزاز ہے اور اس کے ساتھ ایک مومن کے لیئے بڑی بشارت ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔ سورۃ الفتح اور سورۃ المائدہ میں اللہ کے جس وعدہ کا ذکر ہوا ہے۔ یہی اہل ایمان کے لیے کس قدر شوق افزا اور کس درجہ محرک عمل کہ اللہ جس اجر و صلہ کو عظیم کہے۔ بندہ اس کا اندازہ بھی نہیں کرسکتا۔

قرآن مجید میں سب سے زیادہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا ذکر آیا ہے۔ گویا کہ دونوں کو لازم وملزوم قرار دیا گیا۔ ایمان لانے کے بعد اعمال صالحات بجالانے والوں کو بلند درجات، باغات، اور رواں نہریں بدلے میں عطا کی جائیں گی۔ اگر ایمان کسی شخص کے دل میں رچ بس جائے اور اعمال اس کی تصدیق کریں۔ تو ایسے شخص کو جنت الفردوس کا وارث قرار دیا گیا ہے۔ اور انھیں ہر عمل کا دوگنا اجر و ثواب ملے گا۔

---

1 الفاطر:۷

2 الفتح:۲۹

3 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۷/ ۳۶۳

اس بشارت کے بعد اگر پوری زندگی میں ان کے ساتھ ہوئی ناانصافی اور حق تلفی پر ان کے دل میں جو غیض وغضب پیدا ہوتا ہے وہ ٹھنڈا ہوجاتا ہے اسلام انسانوں کو ایسا نعرہ اور ایسی دعوت دیتا ہے جس سے اس کے شعور کے دریچے کھلتے ہیں پھر یہ اللہ کی طرف سے مغفرت کا وعدہ اور اجر عظیم اللہ کی رضامندی کی دلیل ہے۔ ان کے گناہوں کی بخشش یعنی مغفرت کر دی جاتی ہے اور فوز عظیم سے ہمکنار کر دیا جاتا ہے۔ گویا، ایمان والوں کے نیک اعمال گناہوں کو مٹانے میں وہ کام کرتے ہیں جو ایک پینسل کی تحریر مٹانے میں ربڑ کرتی ہے۔ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کرنے والوں کے گناہوں کی بخشش کر دی جاتی ہے اور یہ اللہ کا پکا سچا وعدہ ہے جو کبھی بدلتا نہیں ہے گناہوں سے پاک صاف ہو کر بندہ اللہ کی محبت حاصل کر لیتا ہے۔

ایمان باللہ والرسل کے باعث درجات صدیقین وشہداء

جو لوگ ایمان لاتے ہیں ایک تو اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کی بنا پر انھیں اجر عظیم عطا کرے گا دوسرا مومنین کو بڑی بشارت یہ دی گئی کہ اگر سچے دل سے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائیں گئے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا درجہ صدیقین اور شہدا کے برابر ہے۔ جیسا کہ سورۃ الحدید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ﴾ [1]

(اور وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں پر یقین لائے وہی اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں ان کے لیے ان کا اجر اور نور ملے گا)

آپ ﷺ نے فرمایا:

((إن أهل الجنة ليتراءون أهل الغرف من فوقهم، كما تتراءون الكوكب الدري الغابر من الأفق من المشرق أو المغرب، لتفاضل ما بينهم قالوا: يا رسول الله تلك منازل الأنبياء لا يبلغها غيرهم، قال بلى، والذي نفسي بيده رجال آمنوا بالله وصدقوا المرسلين))[2]

(جنتی لوگ اپنے سے اوپر کے بالاخانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے چمکتے ہوئے مشرقی یا مغربی ستارے کو تم دیکھتے ہو لوگوں نے کہا۔ یہ درجے تو صرف انبیاء کے ہوں گے آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں قسم ہے۔ اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی۔)

---

1 الحدید:۱۹

2 البخاری، الصحیح، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا باب ترائی اھل الجنۃ اھل الغرف، ح۲۸۳۱

فی ظلال القرآن میں اس بشارت کا ذکر یوں ہے:

"مقام الصديقين مقام رفيع كما تصوره الأحاديث النبوية الشريفة. ومع علو هذا المقام فهو بفضل الله ميسور لمن أراده، وليس وقفا على أف على طائفة. فكل من يحقق إيمانه بالله ورسله يطمع في هذا المقام الرفيع، ولاحجر على فضل الله" [1]

(صدیقین کا مقام بہت بلند مقام ہے اس کے حاصل کرنے کے مواقع ہر کسی کے لیے کھلے ہیں۔ یہ چند افراد یا کسی خاص طبقے تک کے لئے محدود نہیں ہے۔ جو کوئی بھی اللہ اور رسول پر صحیح طریقے سے ایمان لائے اور اس بلند مقام کو حاصل کرنے کا طلب گار ہو۔ تو وہ اسے پا سکتا ہے۔ اللہ کے فضل کی کوئی حد نہیں ہے۔ یہ ایک بلند اُفق ہے۔ جس کو حاصل کرنے کے سب کی نظریں لگی رہنی چاہئیں۔)

عبد الماجد دریا آبادی لکھتے ہیں:

"جن لوگوں نے تصدیق ایمانی پابندی طاعت پوری طرح کر کے مومن ہونے کا حق ادا کر دیا وہ اللہ کے ہاں تو مرتبہ صدیقیت و شہادت پر پہنچ گئے"۔[2]

ابن عاشور فرماتے ہیں:

"والمؤمنون آمنوا برسل الله كلهم، ولذلك وصفوا بأنهم الصديقون." [3]

صدیقین کا وصف صرف مسلمانوں کے لیے ہے۔ اس لیے کہ وہ اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور رسولوں میں سے ایک دوسرے میں تفریق نہیں کرتے۔ جبکہ اہلِ کتاب میں سے یہودی اللہ اور حضرت موسیٰ کو مانتے ہیں اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کا انکار کرتے ہیں جبکہ عیسائی اللہ کو تو مانتے ہیں اس کے ساتھ وہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہیں لاتے۔ آگے لکھتے ہیں:

﴿لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ [4]

(ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے۔)

اللہ تعالیٰ، رسولوں اور نبی پاک ﷺ پر ایمان لانے والوں پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بخشش اور جنت تیار کی گی ہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں کہ

---

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۶/۳۴۹۰

2 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۱۰۷۱

3 ابن عاشور، التحریر والتنویر، ۲۷/۳۹۷

4 البقرۃ: ۲۶۲

"نبی ﷺ پاک کی رسالت پر ایمان لائے بغیر اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین اسلام اختیار کیے بغیر بنی نوع انسان کی نجات ممکن نہیں۔ یعنی آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھنے والے ہی آخرت میں فوز وفلاح سے ہمکنار ہوں گے اور قرآن نے اس آخروی سعادت کو ﴿ذالک ھو الفوزا لعظیم﴾ سے اور اِن اہلِ ایمان اور اہلِ سعادت کو ﴿او لئک ھم المفلحون﴾ سے تعبیر کیا ہے۔ اور دینوی زندگی میں بھی خوش بختی وکامرانی، امن وسکون اور عافیت وبھلائی انھی لوگوں کے حصے میں آئے گی۔ جو شریعت محمد ﷺ کے صحیح پیروکار اور دین اسلام کو مکمل طور پر اپنانے والے ہوں گے۔"([1])

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ [2]

(اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور جنت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کا سا ہے جو ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ جو خدا پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں یہ خدا کا فضل ہے۔ جسے چاہے عطا فرمائے۔ اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے)

سید قطب شہید تحریر کرتے ہیں

"وذلك الملك العريض في الجنة يبلغه كل من أراد، ويسابق إليه. كل من يشاء. وعربونه: الإيمان بالله ورسله".([3])

(جنت کی اس طویل وعریض مملکت میں ہر وہ شخص پہنچ سکتا ہے جو اس کا ارادہ کرے ہر شخص آگے بڑھ کر اسے حاصل کر سکتا ہے لیکن اس کا بیعانہ اللہ اور رسولوں پر ایمان لانا ہے)

عبد الماجد دریابادی اس بشارت کا ذکر یوں کرتے ہیں

"قرآن مجید کی بلاغت کو تو دیکھیں کہ جو بنی نوع انسان کے دل کے اندر اس دنیا کے سامان کے فانی ہونے اور ہیچ ہونے اور آخرت میں رہنے والی دولت کے قائم ودام کا نقش دل میں بیٹھا تا ہے۔ ساتھ ہی نعمتوں والی جنت کی طرف دوڑ کر آنے کا پیغام پہنچا دیا اور کس چیز کے بدلے میں کہ اللہ اور رسول پر ایمان کے بدلے میں وہ صرف خواص اور مجاہدین یا عاشقین ہی کو نہیں ہر عاصی، مومن کو بھی اپنے فضل وکرم بحر بیکراں سے سیر اب کرے گا"([4])

---

1 یوسف، صلاح الدین، رسالت محمدی پر ایمان، (مدار نجات، الاعتصام، لاہور) ص ۱۱

2 الحدید:۲۱

3 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۶/ ۳۴۹۲

4 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۱۰۷۲

گویا جنت تو مومن کا اصل ٹھکانہ ہے۔ اور اس میں کوئی اپنے اعمال پر غرور نہ کرے۔ کیونکہ یہ تو اس پر اللہ کا فضل و کرم ہے۔ مومنین کو ایمان لانے اور رسالت پر ایمان رکھنے کی بنا پر صدیقین اور شہداء کے برابر درجہ دیا جائے گا۔ امام ماجدی فرماتے ہیں کہ اس نے ایمان لا کر اور رسول اللہ کی اطاعت کر کے مومن ہونے کا حق ادا کر دیا اور مرتبہ صدیقیت اور شہادت پر پہنچ گیا۔

شریعت محمدی پر کاربند رہنے سے دنیا میں بھی عافیت و بھلائی اور کامیابی و کامرانی ملے گی۔ اور اس کے لئے خدا کی طرف سے بخشش اور پہلے سے تیار شدہ وسیع و عریض جنت ہے۔ یہ منزل ہر شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کرنے سے حاصل کر سکتا ہے اور ساتھ ہی اسے اللہ کی محبت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسے اللہ نے اپنی محبت کے لئے اطاعت نبی ﷺ کو لازمی قرار دیا۔ اور یہ اللہ کا خصوصی فضل اس کے بندے پر ہے کہ اسے آخرت میں فوز و فلاح سے ہمکنار کرے گا۔

ایمان باللہ والآخرۃ کے باعث عدم خوف و حزن

قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں ایمان والوں کو یہ بشارت سنائی گئی ہے کہ انھیں کوئی خوف لاحق نہ ہو گا اور نہ وہ غمگین ہونگے بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ خوف و اندیشہ کا تعلق مستقبل سے ہے اور غم کا تعلق ماضی سے۔ سو دونوں زمانوں کی طرف سے مومنین کو یہ بشارت اور تسلی دے دی گی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾([1])

(جو بھی ایمان لایا اللہ پر اور روز قیامت پر نیک کام کیے تو ان کے لیے ان کے رب کے پاس بدلہ ہے۔ اور ان پر کچھ خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

گویا جو بھی ایمان لایا اللہ پر اور اس کے ساتھ آخرت پر اور نیک اعمال کرے تو انھیں اپنے رب کی طرف سے بہترین اجر ملے گا۔ اور وہ غم و خوف سے پاک پر سکون ہو گا۔ تفسیر ماجدی میں ہے:

"مذہبی دنیا کو یہ بشارت پہلی بار کھلے لفظوں میں پہنچی کہ اصل شے عقیدہ اور عمل ہیں یعنی قیامت کے دن جو کشف حقائق کا دن ہو گا۔ اہل ایمان کو نہ اپنے ماضی پر حسرت ہو گی۔ نہ اپنے مستقبل کی طرف سے تشویش، خوف و اندیشہ کا تعلق مستقبل سے ہے اور غم و حزن کا ماضی سے"([2])

سورۃ البقرہ میں ہے

---

1 البقرۃ:۶۲

2 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۱/ ۱۵۴

﴿بَلَى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾[1]

(ہاں جس کسی نے اللہ کے سامنے اپنا منہ جھکا دیا۔ اور وہ نیکی کرنے والا بھی ہو۔ تو اس کے لئے اس کا بدلہ اس کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

جو شخص کامل طریقے سے اللہ کی اطاعت اختیار کرے اور عملاً بھی نیک روش اختیار کرے تو اس کو قرآن مجید میں بشارت سنائی گئی ہے۔ تفسیر ابنِ عباس میں ہے

"لیس كما قلتم ولكن من أسلم وجهه للّه من أخلص دينه وعمله لله وهو محسن في القول والفعل فله أجره ثوابه عند ربه في الجنة ولا خوف عليهم بخلود النار ولا هم يحزنون بذهاب الجنة"[2]

(جو آدمی اپنے دین اور ہر عمل کو اللہ کی خوشنودی کے لئے کرے گا اور اپنے کام اور باتوں میں نیک صفت رہا تو یقیناً ایسے شخص کے لئے جنت کی نعمت ہے انھیں نہ جہنم میں ہمیشہ رہنے اور اور نہ ہی جنت سے نکالے جانے کا خوف ہو گا)

سورۃ المائدہ میں ہے

﴿مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾[3]

(جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے ان کو نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

ایمان والوں کے سکون کے بارے میں محمد بن صالح لکھتے ہیں کہ

"فکری و نفسیاتی امن و سکون اور اطمینان چنانچہ قلب میں کوئی قلق ہوتا ہے اور نہ فکر میں کوئی اضطراب۔ کیونکہ یہ عقیدہ مومن کو اپنے خالق سے ملا دیتا ہے۔ پھر وہ اپنے خالق کو رب، مدبر کائنات، حاکم و شارع مان کر راضی ہو جاتا ہے۔ اب اس کا قلب اللہ کی تقدیر پر مطمئن ہو جاتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کُھل جاتا ہے اور وہ اس کا بدل نہیں تلاشتا پھرتا۔"[4]

اور وہ صرف مومنین کے لیے ہدایت اور مسرت کا پیغام ہے کیونکہ ان کی تعلیمات کے لیے صرف ایک مومن کے دل کے دریچے ہی کھلے ہوتے ہیں۔ اور ایک مومن ہی اس کی تعلیمات پر لبیک کہتا ہے۔ اسی طرح اللہ کی

1 البقرۃ:۱۱۲

2 ابن عباس، عبد اللہ، تنویر المقیاس، (لبنان: دار الکتب العلمیہ)، ۱/۱۶

3 المائدہ:۶۹

4 محمد بن صالح، ایمان کے بنیادی اصول (ریاض، مکتب دعوت وتوعیۃ الجالیات ربوہ، ۲۰۰۴ء) ص:۷۷

نازل کردہ کتابوں پر ایمان لانے والے اور آخرت پر یقین رکھنے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کاملہ اور فلاح کی بشارت دی گئی ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ہے

﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ- أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ ([1])

(جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئیں تھیں سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں)

غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں کہ

"انبیاء کے ساتھ کتابوں کے نزول کی وجہ یہ ہے کہ نبی تو انسان ہوتا ہے، جسے دوام حاصل نہیں۔ لہٰذا جب نبی اپنا کام ختم کر کے اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس کے بعد اس کی لائی ہوئی کتاب آنے والی نسلوں کی راہنمائی کرتی رہتی ہے۔ نبی کالایا ہوا علم اور اس کی شریعت کتاب کی صورت میں موجود رہتا ہے۔

فرمایا انبیاء کے ساتھ کتابیں نازل کرنے کا مقصد یہ ہے۔ ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه تاکہ وہ لوگوں کے درمیان اس بات کا فیصلہ کریں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ دیگر کتب سماویہ کی طرح قرآن پاک کے نزول کا مقصد بھی یہی بیان کیا گیا ہے۔لتحكم بين الناس بما ارئک اللہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے آپ کو سمجھائی ہے، اس کے مطابق فیصلہ کریں۔ گویا نبی کتاب کے ذریعے اللہ کی وحی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔"(2)

تفسیر ابن کثیر میں ہے

"والإيمان بما أنزل الله إلى الرسول ومن قبله من الرسل، والإيقان بالدار الآخرة، وهو يستلزم الاستعداد لها من العمل بالصالحات وترك المحرمات-على هدى أي: نور وبيان وبصيرة من الله تعالى. وأولئك هم المفلحون أي: في الدنيا والآخرة-" (3)

(حضور ﷺ پر جو کلام اُترا اُس پر ایمان لانا، اس کو صدق دل سے ماننا، دار آخرت پر یقین رکھ کر نیک اعمال کرنے والے لوگ ہی ہدایت پانے والے ہیں۔ جنھیں انعام کے طور پر اللہ کی جانب سے بصیرت اور نور عطا ہوا۔ اور ایسے ہی بندوں کو دنیا اور آخرت والی زندگی میں نجات اور کامیاب کہا گیا ہے۔)

یہ بشارت ہدایت اور فلاح پانے والے لوگوں کو دی گئی ہے۔ قرآن کریم کی آیات سے مومن کے اندر اس قدر انس پیدا ہوتا ہے اور اس کے اندر معرفت و ادراک کی ایسی راہیں کھلتی ہیں اور اس میں ایک ایسا شعور اور احساس

---

1 البقرۃ:۴-۵

2 غلام رسول، تفسیر تبیان القرآن، ۱/ ۶۹۴

3 ابنِ کثیر، القرآن العظیم، ۱/ ۱۷۱

پیدا کر دیتی ہے جس سے ہر وہ دل محروم رہ جاتا ہے۔ جس میں ایمان نہ ہو جیسے سورۃ الاسراء میں ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ ([1])

(یعنی یہ قرآن ایمان والوں کے لیے شفاء ورحمت ہے)

اسی طرح سورۃ حٰم السجدہ میں ہے

﴿هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ﴾([2])

(یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت وشفا ہے)

ڈاکٹر سید شفیق الرحمٰن رقم طراز ہیں کہ

"ہدایت یافتہ لوگ وہی ہیں جو اپنے ایمان میں شرک کی ملاوٹ نہیں کرتے۔ کیونکہ اعمال اسی وقت قبول کیے جائیں گے جب وہ شرک سے پاک ہو"([3])

غلام رسول سعیدی مومنین کی دنیاوی اور آخروی نجات کی بشارت آخرت پر ایمان لانے کو قرار دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"صالحیت اور نیکی کی بنیاد آخرت اور قیامت پر یقین ہے 'جب انسان کو محاسبہ کا خطرہ نہ ہو تو وہ عیش پرستی کا دلدادہ اور ظلم اور سرکشی پر دلیر ہو جاتا ہے"([4])

مزید فرماتے ہیں کہ اسی لیے بارہا یہ باور کرایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد ان کی دوسری زندگی کی شروعات ہو گی جو کہ دارالجزاء ہے اس لیے کہ انسان دوسری زندگی میں جزا اور بدلے کے خوف سے اعمال بد سے بچے اور نیکیوں کی طرف راغب ہو۔ اور فلاح سے مراد کسی چیز کو پھاڑنا اور کاٹنا ہے۔ اور جب کوئی انسان محنت کے بعد اپنے مقصد اور مطلب پا لیتا ہے تو اسے مفلح کہتے ہیں۔ جیسے مومن لوگ اپنے ایمان کے بدلے میں ہدایت اور شفایاب ہونگے۔

جو بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے انھوں نے ہدایت پائی۔ لہٰذا وہ کامیاب رہے۔ انھیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق ملی۔ اور آخرت میں بھی انھوں نے بہترین انجام پا لیا۔ اللہ پر ایمان لانے کے بعد آخرت پر ایمان رکھنے والا خوف زدہ اور غمگین نہیں ہو گا۔ یعنی دنیا اور آخرت دونوں میں پر اطمینان رہے گا۔ دریابادی کے نزدیک خوف کا تعلق مستقبل سے ہے اور غم وحزن کا تعلق ماضی سے، یعنی وہ اپنے سابقہ گناہوں اور آنے والی زندگی کے بارے میں بے خوف ہو گا۔

---

1 الاسراء:۸۲

2 حٰم السجدہ:۴۱

3 شفیق الرحمٰن، ڈاکٹر، ایمان باللہ کی حقیقت، (الریاض، دارالبلاغ للنشر، ۱۴۲۶ھ) ص:۳۴

4 سعیدی، تبیان القرآن، ۱/۲۷۸

حقیقت یہ ہے کہ آخرت پر یقین رکھنے سے انسان اللہ کی تقدیر پر راضی ہو جاتا ہے۔اور بڑی سے بڑی مشکل کو صبر سے برداشت کر لیتا ہے۔اور اس کے ساتھ اگر اس کا پکا یقین قرآن مجید پر اور سابقہ کتب پر ہو گا تو اس کو اللہ نے ہدایت عطا کرنے اور کامیابی سے ہمکنار کرنے کا وعدہ کیا ہے۔کیونکہ قرآن مجید ہے ہی ہدایت کا سرچشمہ غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں کہ دنیاوی اور آخروی نجات کا دارومدار آخرت پر ایمان لانے پر ہے۔آخرت پر ایمان ہی ایک بندے کو اس کے محاسبے کی یاد دلاتا ہے۔اور انسان گناہوں سے بچا رہتا ہے جس بنا پر اسے دنیا میں بھی کامیابی اور آخرت میں فلاح کا پورا پورا اجر اور بدلہ ملے گا۔

فصل دوم

ایمانیات سے متعلق آیات میں انذار

قرآن مجید میں جس طرح ایمان لانے والے مومنین کو دنیا اور آخرت میں بشارتیں سنائی گئی ہیں، اسی طرح ایمان نہ لانے والوں کو انذار کیا گیا ہے۔ جو شخص ایمانیات کے کسی ایک جز کا بھی انکار کرتا ہے تو اس نے اپنی دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کو بھی بے ثمر کر بیٹھتا ہے۔ سورۃ النساء میں ایمانیات سے محروم رہنے والوں کو دُور کی گمراہی میں رہنے والے قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ [1]

(جس نے اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت سے کفر کیا۔ وہ بہت دُور کی گمراہی میں جا پڑا۔)

فی ظلال القرآن میں ہے

''والتعبير بالضلال البعيد غالباً يحمل معنى الإبعاد في الضلال، الذي لا يرجى معه هدى ولا يرتقب بعده مآب! والذي يكفر بالله الذي تؤمن به الفطرة في أعماقها كحركة ذاتية منها واتجاه طبيعي فيها، ويكفر بملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر، استمداداً من كفره بالحقيقة الأولى.. الذي يكفر هذا الكفر تكون فطرته قد بلغت من الفساد والتعطل والخراب''. ([2])

(جو شخص اللہ کا انکار کرتا ہے حالانکہ طبعی اور ذاتی طور پر ہر شخص کا اللہ پر ایمان ہوتا ہے یہ اس کی فطرت میں ہے کہ کسی نہ کسی صورت میں ایمان رکھے لیکن اس کے بعد اگر فرشتوں، رسولوں، کتابوں اور آخرت کے دن پر ایمان نہ لائے۔ تو وہ در حقیقت اللہ تعالیٰ کے انکار کو ہی آگے بڑھاتا ہے۔ تو ایسے لوگوں کی اصل فطرت خرابی اور فساد کا شکار ہو چکی ہوتی ہے۔)

انکار و تکذیب پر انذار

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اللہ پر ایمان نہ لانے والوں کو ڈرایا گیا ہے۔ کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذریعے لوگوں کو انذار کیا۔ کہ لوگوں کو خبر دار کریں۔ کہ میں انہیں اس چیز سے ڈرانے کے

1 النساء:۱۳۶

2 قطب شہید، فی ظلال القرآن، ۲/۷۷۸

لیے آیا ہوں۔ کہ اللہ کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں ہے۔ سو اس پر ایمان لاؤ۔

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنْذِرٌ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾ [1]

(کہہ دو کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں اور خدائے یکتا اور غالب کے سوا کوئی معبود نہیں۔)

سورت المرسلات میں ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ- وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ - فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴾ [2]

(اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے آگے جھکو تو جھکتے نہیں۔ اُس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔ اب اس کے بعد یہ کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔)

ان آیات مبارکہ میں اللہ کا انکار کرنے والوں کے بُرے انجام کے بارے میں خبر دار کیا جاتا ہے کہ یہ ہمیشہ کفر وضلالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہیں گے۔ ایک آدمی کی اس سے بڑی بد نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ کفر کی حالت میں مرے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کا ٹھکانہ جہنم ہو۔ سید قطب شہید فرماتے ہیں

"والذي لا يؤمن بهذا الحديث الذي يهز الرواسي، وبهذه الهزات التي تزلزل الجبال، لا يؤمن بحديث بعده أبدا. إنما هو الشقاء والتعاسة والمصير البائس، والويل المدخر لهذا الشقي المتعوس"۔[3]

(سید قطب فرماتے ہیں کہ انہیں نہایت خوبصورتی کے ساتھ سمجھایا اور انذار کیا جا رہا ہے۔ اگر یہ اس اندازِ کلام سے متاثر نہیں ہوتے۔ اور ہدایت حاصل نہیں کرتے جس کلام سے پہاڑ بھی ہل جاتے ہیں تو اس کے بعد ان پر کوئی کلام کارگر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ لوگ نہایت شقی، بدبخت اور بُرے انجام تک پہنچنے والے ہیں۔ اور ان کی قسمت میں دردناک عذاب اور ہلاکت لکھی ہوئی ہے)

سورۃ البینہ میں اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں کو یوں انذار کیا گیا ہے

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ﴾[4]

(بے شک وہ لوگ جنہوں نے اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا جہنم کی آگ میں ہوں گے۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہی لوگ مخلوق میں سب سے بُرے ہیں۔)

---

1 ص:۶۵

2 المرسلات:۴۸۔۵۰

3 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۶/۳۷۹۵

4 البینہ:۶

غلام رسول سعیدی یہاں کفار اور مشرکین کا انجام بتارہے ہیں کہ ان کے لئے ہمیشہ کا ٹھکانہ جہنم ہے اس لئے کہ جانتے بوجھتے یہ کفر اور شرک کررہے ہیں جب کہ یہود اور نصاریٰ کتب اور انبیاء کرام کے حق واضح کرنے کے باوجود شرک کررہے ہیں اور کفار نبی پاک ﷺ کے ہوتے ہوئے کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

"پہلے کفار کے عذاب اور پھر مئومنین کے اجر وثواب کا ذکر فرمایا تاکہ مئومنین اللہ کے عذاب کے ڈر کر گناہوں کو ترک کرتے رہیں، کفار کی وعید میں دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے: ایک یہ کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور دوسری چیز یہ ہے کہ وہ تمام مخلوق میں بدترین ہیں۔ مشرکین اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے تھے اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دے کر اللہ تعالیٰ کی بے توقیری کرتے تھے اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کفار کا عذاب بیان فرمایا اور پھر جو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بے توقیری کرتے تھے، پھر ان مشرکین کا عذاب بیان فرمایا جو شرک کرتے تھے"[1]

ابن کثیر لکھتے ہیں

"يخبر تعالى عن مآل الفجار، من كفرة أهل الكتاب، والمشركين المخالفين لكتب الله المنزلة وأنبياء الله المرسلة: أنهم يوم القيامة {في نار جهنم خالدين فيها} أي: ماكثين، لا يحولون عنها ولا يزولون {أولئك هم شر البرية} أي: شر الخليقة التي برأها الله وذرأها"[2]

(قرآن حکیم کے بیانیے کے مطابق، ایمان سے محروم شخص، دراصل اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے محرومی ہے۔ یہ محرومی اس وقت شروع ہوتی ہے جب انسان کی طرف سے ناشکری شروع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جائے اور اس کو مرتد ہوتے ہوئے موت آجائے تو ایک تو اس کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، ایسے لوگوں کو سخت تنبیہات کی گئی ہیں)۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوتا ہے

﴿وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾[3]

(اور پھر جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے اور پھر وہ حالت کفر میں مر جائے تو ایسے لوگوں کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ ایسے سب لوگ جہنمی ہوں گے۔ اور ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گئے)

تفسیر ماجدی میں ہے

"حبط اعمال کا اثر آخرت میں تو یوں ظاہر ہو گا۔ کہ یہ بدنصیب مرتد اپنے کو ہر ساعت کا اجر اور ہر عبادت کے

---

1 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۱۲/۹۱۱

2 ابنِ کثیر، القرآن العظیم، ۴/۴۵۷

3 البقرۃ:۲۱۷

ثواب سے محروم پائے گا۔"([1])

سید قطب شہید رقمطراز ہیں کہ

"والحبوط مأخوذ من حبطت- والقرآن يعبر بهذا عن حبوط العمل، يتطابق تضخم العمل الباطل وانتفاخ مظهره، وهلاكه في النهاية وبواره- ومن يرتدد عن الإسلام وقد ذاقه وغرفه تحت مطارق الأذى والفتنة.- حبوط العمل في الدنيا والآخرة. ثم ملازمة العذاب في النار خلوداً." [2]

(لفظ حبوط کو قرآنی اصطلاح میں کافروں کے کاموں کے لیے استعمال کیا ہے۔ کفار کے اعمال بہت ہی پھولے ہوئے اور بڑے معلوم ہونگے لیکن، ایمان کے بغیر ان کا انجام کچھ نہیں ہوتا اور یوں ان کے اعمال کا وزن ہلکا ہو جاتا ہے اور آخرت کے موقع پر وہ مستقل خسارے میں چلے جاتے ہیں۔)

سورۃ المائدہ میں ہے

﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ [3]

(اور جو ایمان سے انکار کرے تو یقیناً اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں خسارہ اُٹھانے والوں سے ہے)

اس طرح سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴾ [4]

(جو لوگ باطل پر ایمان لائے۔ اور جنھوں نے اللہ کا انکار کیا۔ وہی خسارہ اُٹھانے والے ہیں)

غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں

"یعنی کافروں کو ہلاک اور نامراد کرنا اور ان کے اعمال کو ضائع کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں اور شریعتیں نازل کی تھیں وہ ان کو ناپسند کرتے تھے اور برا جانتے تھے، تو انہوں نے اپنی دانست میں جو بھی نیک کام کیے تھے مثلاً وہ لوگوں کو خیرات دیتے تھے، مہمان نوازی کرتے تھے اور حرم کی تعمیر کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ان تمام کاموں کو ضائع کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں کرتا۔"[5]

عبد الماجد دریا آبادی لکھتے ہیں

"جن اعمال کو یہ غیر مسلم اپنے خیال میں نیک اور صالحانہ سمجھ رہے تھے۔ وہ آخرت میں انکشاف حقیقت کے

---

1 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۱۱۲

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۱/۲۲۸

3 المائدہ:۵

4 العنکبوت:۵۲

5 سعیدی، تبیان القرآن، ۱۱/۱۴۰

وقت بے وزن اور ناکارہ نکلے۔ اور اس لیے غیر مقبول ٹھہرے سو کافروں کو انذار کیا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے کفر وباطل پر ہی اڑے رہے ان کے لیے بڑی ہولناک تباہی اور ہلاکت ہے۔"[1]

ایسے لوگ دنیا میں بھی ایمان اور حق کی راہ سے محروم ہو جائیں گے۔ اور اخروی زندگی میں بھی تمام نعمتوں سے محروم کر کے انھیں آگ کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔ اور ان کے ایمان نہ لانے کی بنا پر ان کے اچھے اعمال بھی ان کے کسی کام نہ آئے۔ ایمانیات میں سے کسی ایک جزو کا انکار کرنے والا گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ جو لوگ اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ قیامت کے دن وہ برے انجام سے دوچار ہونگے۔ اور ہمیشہ کے لیئے اللہ کے غضب کا شکار ہوں گے۔

عملِ شرک پر انذار

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اللہ کے ساتھ اور معبودوں کو پکارنا اور شریک ٹھہرانے پر سخت انذار کیا ہے کیونکہ مشرک کی اللہ کے ہاں کوئی بخشش نہیں اور اس بہت بڑا ظلم قرار دیا گیا ہے کہ ایک اکیلے خدا نے سب زمین و آسمان اور ہر چیز تخلیق کی اور عبادت میں اللہ کے ساتھ اُوروں کو بھی شریک ٹھہرا لیا جائے ایسا شخص سخت عذاب کا مستحق ہے۔ سورۃ الشعراء میں ارشاد ہوتا ہے

﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ﴾ [2]

(تو خدا کے سوا کسی اور معبود کو مت پکارنا۔ ورنہ تم کو عذاب دیا جائے گا۔)

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ

"بعبادته وحده لا شريك له، ومخبرا أن من أشرك به عذبه.ثم قال تعالى آمرا لرسوله، صلوات الله وسلامه عليه- أن ينذر عشيرته الأقربين، أي: الأدنين إليه، وأنه لا يخلص أحدا منهم إلا إيمانه بربه عزوجل"[3]

(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ کی ہی عبادت کی جائے اور شرک سے بچا جائے کیونکہ ایسا کرنے والا اس بات کا مستحق ہے کہ اسے اس کی سزا ملے۔ نبی پاک ﷺ کو بھی اپنے اقرباء کو ہوشیار کرنے کا حکم دیا گیا کیونکہ ایمان کے علاوہ کوئی چیز اللہ کی سزا سے نہیں بچا سکتی۔)

سورۃ البقرہ میں ہے

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ

---

1 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۱۰۰۹

2 الشعراء: ۲۱۳

3 ابنِ کثیر، القرآن العظیم، ۶/۱۶۶

يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ﴾ [1]

(اور بعض وہ لوگ ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے اور کاش یہ ظالم جان لیتے۔ جس وقت اُنھوں نے مصیبت کو دیکھا کہ ساری قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور یہ کہ اللہ کی مار سخت ہے۔)

اُس آیت کریمہ کو مشرکین جو اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہراتے ہیں انذار کیا گیا ہے۔ اُن کا دنیوی اور اُخروی حال بیان ہو رہا ہے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں

"يذكر تعالى حال المشركين به في الدنيا وما لهم في الدار الآخرة، حيث جعلوا أندادا، أي: أمثالا ونظراء يعبدونهم معه ويحبونهم كحبه، وهو الله لا إله إلا هو، ولا ضد له ولا ند له، ولا شريك معه. ثم توعد تعالى المشركين به، الظّالمين لأنفسهم بذلك فقال:ولو يرى الذين ظلموا إذ يرون العذاب أن القوة لله جميعا- لو عاينوا العذاب لعلموا حينئذ أن القوة لله جميعا، أي: إن الحكم له وحده لا شريك له، وأن جميع الأشياء تحت قهره وغلبته وسلطانه وأن الله شديد العذاب كما قال فيومئذ لا يعذب عذابه أحد ولا يوثق وثاقه أحد "[2]

(کہ اللہ کے ساتھ شریک بنانے والا اور انھیں اس کا درجہ دینے اور ان کی محبت دلوں میں ایسی پیدا کر دیتے ہیں جیسی اللہ کی ہونی چاہیے وہ شرک کے ذریعے اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں ان کے لئے اللہ ایسا عذاب بیان کر رہا ہے کہ اگر وہ اس کا ادراک کر لیں تو اللہ کو ہی قادر مانیں کہ سب کچھ اللہ کے ہی ماتحت ہے اور وہ سخت عذاب دینے والا ہے جیسے ایک دوسری آیت میں اللہ کے عذاب کے حوالے سے آیا ہے کہ اس کے عذاب جیسا عذاب کسی کا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کی پکڑ جیسی پکڑ کسی اور کی ہو سکتی ہے۔)

عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے فرماتے ہیں

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ؟ قَالَ: "أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ)) [3]

(میں نے پوچھا یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا حالانکہ پیدا اس نے کیا)۔

مشرکین کو انذار کیا گیا ہے کیونکہ وہ عقل رکھتے ہوئے جانتے ہوئے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔

---

1 البقرۃ:۱۶۵

2 ابنِ کثیر، القرآن العظیم، ۱/۴۷۷

3 ابو داؤد، السنن، کتاب الطلاق، باب فی تعظیم الزنا، ح ۲۳۱۰

عیسائی، یہودی، ہندو، بدھ، سکھ وغیرہ سب اللہ کو تو خالق مانتے ہیں لیکن عبادت کرنے میں اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ کوئی تین خدا بناتا ہے اور کہیں خدا کا بیٹا بناتے ہیں کہیں بتوں سے محبت کر کے ان کی پوجا کی جاتی ہے کہیں آگ سورج کہیں گائے کو پوجا جاتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محبت صرف اللہ سے ہونی چاہیے۔ حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کہ افضل ترین عمل یہ ہے:

((وَأَنْ يُحِبَّ فِي اللَّهِ، وَأَنْ يَبْغُضَ فِي اللَّهِ))[1]

(کہ اللہ کے لیے ہی دوستی رکھی جائے اور اللہ کے لیے ہی دشمنی رکھی جائے)۔

قرآن مجید میں اللہ کے ساتھ شریک کرنے پر سخت انذار فرمایا گیا ہے کیونکہ شرک کو بہت بڑا ظلم کہا گیا ہے۔ اور اللہ کے سوا دوسروں کو معبود ماننا اور انھیں پکارنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ایمان کے علاوہ کوئی چیز انھیں نجات نہیں دے سکتی۔ اور شرک کرنے والے اللہ کی سخت پکڑ میں آ جائیں گے۔ مشرکین جو شرک کے مرتکب ہو کر اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں تو یہ اللہ کی قدرت اور اس کے عذاب سے بے خبر ہیں ان کو دردناک عذاب کی خبر اس لئے دی گئی۔ کہ یہ عقل رکھتے ہوئے خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔

الغرض اللہ کے علاوہ کسی کے سامنے دستِ سوال کرنا کسی کے سامنے جھکنا یہ سب کفر و شرک کے ہی زمرہ میں آتا ہے۔ اور یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ اور اس کی سزا جب آخرت میں مشرکین کو ملے گی تو یہ لوگ اس عذاب شدید کو دیکھ کر جو ان اور انکے معبودوں اُس وقت دیا جائے گا اقرار کر لیں گے کہ واقعی اللہ کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں۔

تکذیب رسالت پر انذار

اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کا انکار کرنا یا اللہ کو ماننا لیکن سب رسولوں پر ایمان نہ لانا یا ان میں تفریق کرنا یہ سب بھی کفر کے زمرے میں آتے ہیں اور اس پر، قرآن میں شدید عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا أُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا﴾[2]

1 النسائی، احمد بن شعیب، السنن، (مکتب المطبوعات الإسلامیۃ۔ حلب) کتاب الإیمان وشرائعہ، باب طعم الایمان، ح:۴۹۸۷

2 النسا:۱۵۰۔۱۵۱

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق نکالنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض رسولوں کو مانتے ہیں اور بعضوں کو نہیں مانتے۔ اور کوئی نئی درمیانی راہ نکالنا چاہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ بلاشبہ کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔)

سید قطب شہید لکھتے ہیں

''عمن يريدون التفرقة بين الله ورسله (بأن يؤمنوا بالله ويكفروا بالرسل) وعمن يريدون التفرقة بين الرسل (بأن يؤمنوا ببعضهم ويكفروا ببعضهم) عبر عن هؤلاء وهؤلاء بأنهم «الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ» ، وعد تفرقتهم بين الله ورسله، وتفرقتهم بين بعض رسله وبعض، كفراً بالله وبرسله.وكان جزاؤهم عند الله أن أعد لهم العذاب المهين-''([1])

(قرآن کریم میں اللہ اور رسولوں کے درمیان فرق کرنے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ کہ یہ لوگ اللہ اور رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ اس طرح قرآن کے نزدیک اللہ اور رسولوں میں سے کسی کو ماننا اور کسی کو نہ ماننا بھی تکذیب کے زمرے میں آتا ہے جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کرتے ہیں اس فرق کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہم بعض پر ایمان لائیں گے اور بعض پر نہیں۔ تو ان دونوں فریقوں کے بارے میں قرآن میں یوں کہا گیا یہ لوگ اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرتے ہیں جب قرآن کی رو سے کسی کو ماننا اور کسی کا انکار کرنے والے تکذیب کرتے ہیں۔

سورۃ التوبہ میں ارشاد ہوتا ہے

﴿أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ﴾[2]

(کیا وہ نہیں جانتے۔ کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اس کے واسطے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ جلتا رہے گا یہ بڑی رسوائی ہے۔)

ابن کثیر لکھتے ہیں

''وكان في حد والله ورسوله في حد- أي: مهانا معذبا، وهذا هو الذل العظيم، والشقاء الكبير''[3]

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے اختلاف کرتے ہیں وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے ان کو ذلت اور رسوائی والا عذاب دیا جائے گا اور اس سے بڑی بدنصیبی اور رسوائی اور کیا ہو سکتی ہے۔)

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۲/۷۹۸

2 التوبہ: ۶۳

3 ابنِ کثیر، القرآن العظیم، ۴/۱۷۰

مولانا اسحاق مدنی لکھتے ہیں:

"اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت باعث ہلاکت و تباہی ہے۔ ایسوں کے لیے دوزخ کی آگ تیار ہے جس میں ان کو ہمیشہ رہنا ہو گا۔ یہی ہے بڑی رسوائی اور اتنی بڑی رسوائی کہ اس دنیا میں اس کا تصور بھی ممکن نہیں اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت۔ والعیاذ باللہ کس قدر سنگین جرم اور کتنی ہولناک آفت ہے۔ بھلا جس اللہ نے نعمت وجود سے نوازا اور جس کی عنایات میں انسان سر سے پاؤں تک ڈوبا ہوا ہے اور جس رسول نے آکر اس رب کی معرفت سے سرفراز کیا اور دوزخ کے کنارے سے ہٹا کر جنت کی راہ پر ڈالا، اس کی مخالفت سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہو سکتا ہے اور ایسے شخص سے بڑھ کر ظالم آخر اور کون ہو سکتا ہے۔"[1]

تفسیر ماجدی میں انبیاء کرام پر ایمان نہ لانے والوں کی سزا یہ بتائی گئی ہے کہ:

"اس کبر و خود بینی کی سزا انہیں آخرت میں ملے گی کہ علاوہ جسمانی تعذیب کے، یہ خلق کی نظر میں ذلیل و رسوا ہو کر بھی رہیں گے۔"[2]

سورۃ محمد میں اللہ اور رسولوں کی نافرمانی کرنے والوں کے اعمال ضائع کرنے پر انذار کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ﴾[3]

(بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا۔ اور رسول کی مخالفت کی۔ اس کے بعد ان کے لیے سیدھا راستہ صاف ظاہر ہو گیا۔ وہ ہر گز اللہ کا کوئی نقصان نہ کریں گے۔ اور عنقریب وہ ان کے اعمال ضائع کر دے گا۔)

اسی ضمن میں غلام رسول سعیدی قمطراز ہیں:

"بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا، اور ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کی وہ کبھی بھی اللہ کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور عنقریب اللہ ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا۔ اس آیت میں یہودیوں یا منافقوں کی طرف اشارہ ہے یعنی جن لوگوں پر دلائل اور معجزات سے آپ کی نبوت کا صدق ظاہر ہو گیا، اس کے باوجود انہوں نے آپ کی مخالفت کی تو وہ اپنے کفر سے اللہ کو، کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور انہوں نے اپنے خیال میں جو نیک کام کیے تھے، ایمان نہ لانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی ان تمام نیک کاموں کو ضائع فرما

---

1 مدنی، مولانا اسحاق، تفسیر مدنی کبیر، ۲۰۱۲ء، www.easy quran wa hadees.com

2 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۲۶۰

3 محمد: ۳۲

دے گا۔"[1]

تمام انبیاء کرام اپنے اپنے وقت میں اپنی اقوام کو دعوت دین دیتے رہے۔ مگر ایک نبی کے بعد جب دوسرا نبی آجاتا تو لازم تھا کہ اب اس کی اطاعت کی جائے۔ پہلے نبی کی تصدیق تو کریں گے لیکن اطاعت و پیروی اب نئے نبی کی کی جائے گی۔ حضرت موسیٰؑ کے ماننے والوں نے حضرت عیسیٰؑ کا انکار کیا اسی طرح جب نبی آخر الزماں ﷺ مبعوث ہوئے تو یہود و نصاریٰ دونوں نے انکار کیا۔ تو ایسے لوگوں کو خبر دار کیا گیا کہ انبیاء میں تفریق اور کسی کو ماننا اور کسی کو نہ ماننا اس کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے۔ ابن کثیر ان لوگوں کو بڑی رسوائی اور شقاوت میں مبتلا فرماتے ہیں کیونکہ انبیاء علیہ السلام کا انکار اور ان میں تفریق کرنے والا اپنی ہی جان پر ظلم کرتا ہے۔

غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں کہ ایسا کرنے سے وہ اپنے نیک اعمال بھی ضائع کر بیٹھتا ہے۔ اور اللہ کا نہایت ہی تاکیدی فیصلہ اور وعدہ ہے کہ جو لوگ اسلام کی راہ روک کر کھڑے ہونگے اور اسلام کو پھیلنے سے روکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی تو وہ اللہ کا کوئی نقصان نہیں کر رہے، بلکہ ان کا اپنا نقصان ہے۔

تکذیب آیات اللہ پر انذار

اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان نہ لانے کے ساتھ ساتھ جس نے بھی اللہ کی آیات سے انکار کیا۔ ان کو سخت تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ ان کو شدید عذاب میں ڈالے گا اور ان سے بُرا انتقام لیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مِنْ قَبْلُ هُدًى لِلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ۔﴾[2]

(بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا۔ ان کے لیے سخت عذاب ہے)۔

ابن کثیر لکھتے ہیں:

"إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ أَيْ: جَحَدُوا بِهَا وَأَنْكَرُوهَا، وَرَدُّوهَا بِالْبَاطِلِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ أَيْ: يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ أَيْ: مَنِيعُ الْجَنَابِ عَظِيمُ السُّلْطَانِ ذُو انْتِقَامٍ أَيْ: مِمَّنْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ وَخَالَفَ رُسُلَهُ الْكِرَامَ، وَأَنْبِيَاءَهُ الْعِظَامَ." [3]

(قیامت کے دن اللہ کی آیات کا انکار کرنے والوں کو شدید عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اللہ کی ذات غالب اور قدرت والی ہے اور وہ آیت اللہ کو جھٹلانے والوں سے بدلہ لے گا۔ یہاں آیت سے مراد اللہ کی نشانیاں، مظاہر قدرت اور قرآن مجید کی آیات بھی ہو سکتی ہیں۔ یعنی قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب سے انکار کرنا)

---

1 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۱۱/۱۷۵

2 آل عمران: ۴

3 ابنِ کثیر، القرآن العظیم ۲/۶

مولانا دریابادی لکھتے ہیں:

"آیت اللہ سے مراد آیات قرآنی بھی ہو سکتی ہے اور نشانیاں بھی یعنی توحید کے دلائل و شواہد"[1]

اللہ تعالیٰ کی آیات سے انکار کرنے والوں کے بُرے انجام کے بارے میں سورۃ الاسراء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا- ذَلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا﴾[2]

(اور ان کو قیامت کے دن اندھے گونگے اور بہرے منہ کے بل اُٹھائیں گے۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہو گا۔ جب آگ ذرا بجھنے لگے گی تو ہم ان کو اور بھڑکا دیں گے۔ یہ ان کی سزا اس واسطے ہے کہ انھوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا تھا۔)

سید قطب فرماتے ہیں کہ اللہ کی آیات کا انکار کرنے والے یہ لوگ اس کے مستحق اس لیے ہوں گے۔

"ذَلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا' واستنكروا البعث واستبعدوا وقوعه: والسياق يعرض هذا المشهد كأنه هو الحاضر الآن،--- وذلك على طريقة القرآن في تجسيم المشاهد وعرضها واقعة حية، تفعل فعلها في القلوب والمشاعر قبل فوات الأوان.ثم يعود ليجادلهم بالمنطق الواقعي الذي يرونه فيغفلونه." [3]

(وہ آیات کے منکر ہوئے اسی لئے ان کا ایسا انجام ہو گا قرآن کا ایک مخصوص انداز یہ ہے کہ وہ مستقبل کے واقعات کو مجسم شکل میں پیش کرتا ہے اور تاثر یہ ملتا ہے کہ گویا یہ ایک زندہ واقعہ ہے۔ اس طرح دلوں پر واقعات کا اثر بہت ہی گہرا ہوتا ہے۔ اور انسانی شعور پر یہ واقعات اپنا پورا اثر لیتے ہیں۔)

سورۃ العنکبوت میں، اس انکار کی وجہ بتائی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسے لوگ اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں اور ناشکری کا رویہ اپنا لیتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَئِكَ يَئِسُوا مِنْ رَحْمَتِي وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[4]

(اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں سے انکار کیا اور اس سے ملنے سے انکار کیا۔ وہ میری رحمت سے نااُمید ہو

---

1 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۱۵۳

2 الاسراء: ۹۷-۹۸

3 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۴/ ۲۲۵۲

4 العنکبوت: ۲۳

گئے ہیں اور ان کو درد دینے والا عذاب ہو گا۔)

ابن کثیر لکھتے ہیں:

''وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلا نَصِيرٍ. وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أَيْ: جَحَدُوهَا وَكَفَرُوا بِالْمَعَادِ، أُولَئِكَ يَئِسُوا مِنْ رَحْمَتِي أَيْ: لَا نَصِيبَ لَهُمْ فِيهَا ---.'' ([1])

(اور ان کے لیے اللہ کے علاوہ دوست اور مددگار کون ہو سکتا ہے وہ رحمت سے مایوسی کا اظہار کرتے ہیں اس کی نشانیوں کا رد کرنے والے اور اس سے نہ ملنے کی توقع کرنے والے ہیں سو ان کا آخرت میں کئی حصہ نہیں ہے۔)

سورۃ الکہف میں ارشاد ہوتا ہے کہ انکار کرنے والے اللہ کی آیات کے منکر ہوئے اور اس سے ملاقات کے خواہشمند نہ رہے تو اس وجہ سے ان کے اعمال کی کوئی قیمت نہ رہی۔ اسی بنیاد پر ان کے اعمال قیامت کے دن بھی بے وزن رہیں گے۔ ان کو سزا اس لیے ملے گی کہ انہوں نے تضحیک کی اللہ تعالیٰ کی آیات کی اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی، حالانکہ یہ سب اہتمام خدا کی طرف سے انہیں کے فائدے کے لیے کیا گیا تھا:

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا-ذَلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا﴾ ([2])

(یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات سے انکار کیا اور اس کے حضور پیشی کا، تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔ اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کچھ بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔ یہ ان کی سزا ہے، جہنم اس لیے کہ انھوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں اور ہمارے پیغمبروں کی ہنسی اڑائی)۔

تفسیر ماجدی میں ہے:

''اعمال خود وہاں مادی پیکر اختیار کر لیں گے بد بختی کی اصلی اور قطعی علامتیں یہی ہیں کہ حق تعالیٰ کی شریعت اس کے انبیاء اور وقوع آخرت سے انکار کر دیا جائے۔ کفر و طغیان میں ترقی ہو جاتی ہے تو انسان محض انکار ہی پر بس نہیں کرتا۔ بلکہ تکذیب کے ساتھ ساتھ تمسخر بھی حق تعالیٰ کی کتابوں، پیغمبروں اور احکام کے ساتھ کیا کرتا ہے۔''([3])

قرآن حکیم کے بیانات میں جس طرح اللہ اور رسولوں کی مخالفت اور انکار پر انذار کیا گیا ہے اسی طرح اللہ کی کتابوں اور نشانیوں کے کا انکار کرنے والوں کو بھی تنبیہ کی گئی ہے۔

تکذیب ملائکہ پر انذار

---

1 ابنِ کثیر، القرآن العظیم، ۲۷۱/۶

2 الکہف: ۱۰۵۔۱۰۶

3 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۶۴۸

ملائکہ وہ مخلوق ہے جو بارگاہ الٰہی میں حاضر رہتے ہیں اور رب کائنات کی منشاء کے مطابق اپنے فرائض سر انجام دیتے ہیں۔ فرشتے انسانوں کے ساتھ نفرت اور دشمنی کا رشتہ نہیں رکھتے۔ اس لیے انسانوں کو بھی چاہیے کہ وہ ملائکہ کے خلاف نفرت نہ پالیں کسی بھی عصبیت کی بنیاد پر۔ سورۃ البقرہ میں ہے:

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ﴾[1]

(جو کوئی دشمن ہو اللہ کا اور فرشتوں کا اور اس کے رسولوں اور جبرائیل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے ایسے کافروں کا)

یہ انذار، تورات کی کتاب الخروج میں بھی ہے:

"دیکھ میں ایک فرشتہ تیرے آگے بھیجتا ہوں، کہ راہ میں تیرا نگہبان ہو اور تجھے اس جگہ جو میں نے تیار کی ہے لے آوئے۔ اس کے آگے ہوشیار رہ اور اس کا کہا مان۔ اِسے مت چڑا۔ کیونکہ وہ تیری خطا نہ بخشے گا۔ کہ میرا نام اس میں ہے پر اگر تو سچ مچ اس کا کہا مانے اور سب جو میں کہتا ہوں کرے تو میں تیرے دشمنوں کا دشمن اور تیرے بیریوں کا بیری ہوں گا۔"[2]

الہامی تعلیمات سے واضح ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی نورانی اور گناہوں سے پاک مخلوق ہیں۔ یہودیوں نے حضرت جبرئیلؑ سے دشمنی رکھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ کا دشمن در حقیقت اللہ کا دشمن ہے اس کا ذکر غلام رسول سعیدی یوں کرتے ہیں کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہو وہ اللہ کا دشمن ہو گا کیونکہ جبریلؑ کو بھیجنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے اور جو جبریلؑ کا دشمن سارے فرشتوں کا دشمن ہو گا کیونکہ سارے فرشتے جبریلؑ کے ہی موافق ہیں 'اور جبریلؑ کا دشمن سب رسولوں کا دشمن ہو گا کیونکہ جبریل تمام رسولوں کا ولی اور ان تک پیغام پہنچانے والے ہیں۔

یہود حضرت میکائیل کو اپنا دوست سمجھتے ہیں تو ان کو بتایا گیا جو جبریل کا دشمن ہو گا وہ میکائیل کا بھی دوست نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کے موافق ہیں 'دونوں رسل اور ملائکہ میں سے ہیں اور دونوں مقرب فرشتے ہیں اور ان دونوں کا دشمن اللہ کا دشمن اور اللہ کافروں کا دشمن ہے۔ اور فرشتوں کو ان کے مرتبے سے ہٹا کر ان کو کسی اور تعلق سے وابستہ کرنا کفر ہے اور اس کے ساتھ دشمن والا سلوک کیا جائے گا۔ گویا کہ اہل اللہ سے عداوت رکھنا خود اللہ تعالیٰ کی عداوت کا سبب بن جاتا ہے۔

تکذیب آخرت پر انذار

قرآن مجید میں ایمانیات کے باب میں جس چیز پر سب سے زیادہ انذار کیا گیا۔ اس میں آخرت کا انکار، رب

---

1 البقرۃ:۹۸

2 خروج۲۳:۲۰۔۲۲

سے ملاقات کو جھٹلانا، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا انکار اور حساب کتاب کو نہ ماننا۔ارشادی باری تعالیٰ ہے: ﴿لِيُنذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ﴾[1] تاکہ وہ لوگوں کو قیامت کے دن سے ڈرائے۔ سید قطب شہید لکھتے ہیں:

"یتلاقی البشر جمیعا. ویتلاقی الناس وأعمالهم التي قدموا في الحیاة الدنیا. ویتلاقی الناس والملائکة والجن وجمیع الخلائق التي تشهد وفي هذا الیوم ذلك الیوم المشهود وتلتقي الخلائق کلها بربها في ساعة الحساب فهو یوم التلاقي بکل معاني التلاقي.ثم هو الیوم الذي یبرزون فیه بلا ساتر ولا واق ولا تزییف ولا خداع: ویومئذ یتضاءل المتکبرون، وینزوي المتجبرون، ویقف الوجود کله خاشعا، والعباد کلهم خضعا."[2]

(اس دن (یعنی روز حشر) تمام لوگ آپس میں ملیں گے۔ لوگ اپنے دنیاوی اعمال کے ساتھ دوچار ہوں گے۔اس دن لوگ فرشتوں، جنوں اور تمام مخلوقات سے باہم ملیں گے، جو گواہی دیں گے۔ تمام لوگوں کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ گویا یہ دن تمام مفاہیم کے ساتھ "یوم التلاق" ہے۔ پھر یہ ایسا دن ہوگا۔ کہ اس میں کوئی پردہ کوئی دھوکہ بازی نہ چلے گی۔ آج کے دن آیات کا انکار کرنے والے اور تکبر کرنے والے سارے سکڑے سمٹے ہوئے ہوں گے۔ تمام کائنات سہمی ہوئی ہوگی۔ لوگ ڈرے ہوئے خوف زدہ ہوں گے)

سورۃ المرسلات میں ہے: ﴿وَيلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ﴾[3] (اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے) جو لوگ اللہ سے ملاقات کا انکار کرتے ہیں۔)

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ حَتَّى إِذَا جَاءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا يَا حَسْرَتَنَا عَلَى مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَى ظُهُورِهِمْ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ﴾[4]

(تباہ ہوئے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ جانا، اللہ سے ملنا۔ یہاں تک کہ جب آ پہنچے گی ان پر قیامت اچانک تو کہیں گے اے افسوس کیسی کوتاہی ہم نے اس میں کی اور وہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر خبردار ہو جاؤ کہ بُرا بوجھ ہے۔ جس کو وہ اُٹھائیں گے۔)

ابن کثیر لکھتے ہیں:

"ویل یومئذ للمکذبین:- لأنهم خسروا أنفسهم وأهلیهم یوم القیامة، ألا ذلك هو الخسران

1 المؤمن:۱۵

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۵/۳۰۷۳

3 المرسلات:۴۹

4 الانعام:۳۱

المبين. فهذه هي الخسارة العظيمة، ولا خسارة أعظم من خسارة من فرق بينه وبين أحبته يوم الحسرة والندامة'' [1]

(قیامت کو جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے یہاں ان کے اس افسوس اور نقصان کی حالت زار کا ذکر کر رہے ہیں کہ جب ان پر اچانک ہی قیامت برپا ہو جائے گی تو اس وقت یہ اپنی بدکرداریوں اور گناہوں کے بوجھ کے نیچے دبے ہوں گے۔)

اس سے بڑے خسارے اور نقصان کی بات کیا ہو گی کہ ایمان چھوڑ کر کفر اختیار کرنا اور جنت کے بدلے جہنم کا خریدار ہونا۔ اس بات کا اندازہ کفار قیامت کے برپا ہونے پر کریں گے۔ اس وقت بجائے افسوس کے اور کوئی چارہ نہ ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ [2]

(اور اگر تم تعجب کر سکتے ہو تو ان لوگوں کا قول قابل تعجب ہے، جنھوں نے یہ کہا کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم ایک نئی زندگی پائیں گے۔ ان لوگوں کی گردنوں میں طوق ہوں گے یہی جہنمی ہیں جس جہنم میں لوگ ہمیشہ رہیں گے۔)

عبد الماجد دریابادی لکھتے ہیں:

"یہ نادان و نافہم جو بڑے استعجاب کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ یہ ممکن کیسے ہے کہ ہم جب ایک بار خاک ہو گئے تو دوبارہ پھر مجسم و متشکل ہو کر بر آمد ہوں۔ تو دراصل حیرت و استعجاب کے قائل تو خود ان کا یہ انکار ہے یہ نافہم اتنا نہیں سوچتے کہ جب خود انہی کے اقرار کے مطابق خدائے قادر و توانا کہیں کہیں عجیب اور عظیم الشان مخلوقات عدم محض سے پیدا کر چکا اور برابر اور برابر پیدا کر رہا ہے تو اس کے لیے انکار اعادہ انھیں دوبارہ شکل دے دینا مشکل ہی کیا ہے۔ مضحکہ کے قابل عقیدہ آخرت ذرا بھی نہیں۔ بلکہ تمام تر قابل مضحکہ انکار آخرت ہے۔" [3]

اسی طرح ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

''إنما يقول هؤلاء هكذا تكذيبا وعنادا، لا أنهم يطلبون ذلك تبصرا واسترشادا، بل تكذيبهم بيوم القيامة- وأعتدنا أي: وأرصدنا لمن كذب بالساعة سعيرا أي: عذابا أليما حارا لا يطاق في نار جهنم.وقوله: إذا رأتهم أي: جهنم من مكان بعيد يعني: في مقام المحشر. من مسيرة مائة عام

---

1 ابنِ کثیر، القرآن العظیم، ۴/ ۲۷۲

2 الرعد: ۵

3 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۵۴۵

سمعوا لها تغيظا وزفيراأي: حنقا عليهم. يكاد ينفصل بعضها من بعض من شدة غيظها على من كفر بالله''[1]

(جو لوگ قیامت کے برپا ہونے کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے شدید عذاب تیار کیا گیا ہے جس کو یہ برداشت نہیں کر پائیں گے یہ ایسی آگ ہے جو خوب بھڑکنے اور سلگنے اور اجسام کو جھلس کر رکھ دینے والی ہو گی سو سال کے فاصلے سے ہی یہ جہنم کو اور جہنم ان کو دیکھ لے گی اس وقت جہنم بل کھاتی ہوئی جوش و خروش سے آوازیں دے گی۔ پھر ان کو انذار کرتے ہوئے فرمایا اس آواز کو یہ بدنصیب سن لیں گے۔ تو ان کے ہوش و حواس اڑ جائیں گے)

الغرض، قرآن حکیم میں جابجا آخرت کا انکار کرنے والوں اور مرنے کے بعد جی اٹھنے سے یا حساب کتاب سے انکار کرنے والوں کو خبر دار کیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کو یوم التلاق سے ڈرنے کا حکم دیا گیا ہے جس دن ہر شخص کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا کسی قسم کی ناانصافی نہیں ہو گی۔ اس دن کو جھٹلانے والوں کو سوائے افسوس کے کوئی چارہ نہ ہو گا۔ روز قیامت اللہ کے اِذن کے بغیر نہ کوئی حمایتی ہو گا نہ سفارشی، جو اس کی اجازت کے بغیر ان کے حق میں سفارش کر سکے۔

انسان کی اصلاح کے لیے اصل اساس و بنیاد اس بات پر یقین رکھنا کہ آخرت میں حساب کتاب ہو گا۔ اس لیئے قرآن حکیم اپنے اسلوب بیان میں جابجا آخرت سے انکار پر تنبیہ کرتا ہے۔

تکذیب تقدیر پر انذار

تقدیر قدر سے ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے علم و حکمت کی بنا پر کائنات اور اس میں موجود تمام مخلوق کا ان کے وجود سے پہلے اندازہ اور فیصلہ کرنا ہے۔ تقدیر پر ایمان لانا چار طریقوں سے ہے

پہلا: اس بات پر ایمان رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے، خواہ اس کا تعلق خود اپنے اعمال سے ہو، یا اپنے بندوں کے افعال سے۔

دوسرا اس بات پر ایمان رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ نوشتہ تقدیر میں لکھ رکھا ہے۔ انہی دو طریقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِي﴾(2)

(کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے؟ سب کچھ ایک کتاب میں درج ہے۔ اللہ

1 ابنِ کثیر، القرآن العظیم، ۹۶/۶

2 الحج: ۷۰

کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں ہے)

تیسری بات یہ اللہ تعالیٰ کا کمال علم ہے کہ کسی بھی چیز کے وجود سے پہلے وہ اسے جانتا ہے بلکہ اسے لوح محفوظ میں لکھ بھی لیا ہے۔ اللہ کو اپنی مخلوق کے تمام اعمال کا علم ان کے عمل سے پہلے ہے۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں ان کے کرنے سے پہلے اللہ جانتا تھا، ہر فرماں بردار اور نافرمان اس کے علم میں ہے اور اس کی کتاب میں لکھا ہوا ہے اور ہر چیز اس کے علمی احاطے میں ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((كَتَبَ اللَّهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ قَالَ وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ.)) [1]

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ﴾[2]

(اور تیرا رب جو چاہے پیدا کرے اور جسے چاہے پسند کرے)

چوتھی بات جس پر ایمان رکھنا ضروری ہے کہ اللہ ہی تمام کائنات کو پیدا کرنے والا اور نگہبان ہے۔ سورہ الزمر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴾[3]

(اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے)

چونکہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ اس لیے اس کے دائرہ ملکیت میں کوئی بھی چیز اس کے علم اور مشیت کے بغیر رونما نہیں ہو سکتی۔ تقدیر پر ایمان کی تعریف کسی فرد کے لیے فرائض سے غفلت برتنے یا نافرمانی کے ارتکاب کی اجازت کی دلیل نہیں بن سکتی، چنانچہ اس سے دلیل پکڑنا کئی اعتبار سے باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّى ذَاقُوا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ﴾[4]

(یہ مشرک لوگ ضرور کہیں گے کہ "اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ ایسی ہی باتیں بنا کر ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی حق کو جھٹلایا یہاں تک کہ آخر کار

---

1 المسلم، الجامع الصحیح، کتاب القدر، باب حجاج آدم وموسی علیہما السلام، ح ۲۶۵۳

2 القصص:۶۸

3 الزمر:۶۲

4 االانعام:۱۴۸

ہمارے عذاب کا مزہ انہوں نے چکھ لیا۔ ان سے کہو کہ کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے ہمارے سامنے پیش کر سکو؟ تم تو محض گمان پر چل رہے ہو اور نری قیاس آرائیاں کرتے ہو۔)

اگر اللہ چاہتا تو ابتدا ہی سے انسان کو اس طرح پیدا کرتا کہ وہ ہدایت کے راستے پر ہوتا یا اللہ انہیں مجبور کر دیتا کہ وہ ہدایت اختیار کریں یا اللہ ان کے دلوں میں خود بخود ہدایت ڈال دیتا اور ان پر ہدایت کے لئے جبری ذرائع اختیار کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی لیکن اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتے تھے۔ اللہ کی مرضی یہ تھی کہ آدم کو قدرت واختیار دے کر اسے آزمائے اور یہ اختیار اس قدر ہو کہ وہ ہدایت وضلالت میں سے جو راہ چاہے اختیار کرے۔ انسان جب کسی راستے کا آزادانہ ارادہ کرے تو اللہ پھر اس کی مدد کرے 'ہدایت کی طرف یا ضلالت کی طرف 'یعنی جو ضلالت کی طرف اشارہ کرے اس کے لئے وہ راہ آسان ہو۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کے مطابق اس کی سنت جاری رہتی ہے۔

تقدیر کا انکار کرنا کفر ہے

احادیث مبارکہ میں تقدیر سے انکار کرنے والوں کو انذار کیا گیا ہے۔

((خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِي الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّ وَجْهُهُ، حَتَّى كَأَنَّمَا فُقِئَ فِي وَجْنَتَيْهِ الرُّمَّانُ، فَقَالَ: أَبِهَذَا أُمِرْتُمْ أَمْ بِهَذَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكُمْ؟ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِينَ تَنَازَعُوا فِي هَذَا الأَمْرِ، عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ أَلاَّ تَتَنَازَعُوا فِيهِ))[1]

(حضرت سیدنا ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ حالانکہ ہم اس وقت تقدیر پر بحث کر رہے تھے۔ تو آپ ﷺ ناراض ہوئے حتیٰ کہ چہرہ انور سرخ ہو گیا۔ گویا کہ رخساروں میں انار نچوڑ دیئے گئے ہوں اور فرمایا کہ کیا تمھیں اس کا حکم دیا گیا ہے؟ یا میں اسی کے ساتھ تمھاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ تم سے پہلے لوگوں نے جب اس مسئلے میں جھگڑے کیے۔ تو ہلاک ہی ہو گئے میں تم پر لازم کرتا ہوں کہ اس مسئلہ میں نہ جھگڑو)

سنن ابو داؤد میں ہے:

((لِكُلِّ أُمَّةٍ مَجُوسٌ وَمَجُوسُ هَذِهِ الْأُمَّةِ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا قَدَرَ))[2]

(حضور ﷺ نے تقدیر کا انکار کرنے والوں کو اس اُمت کا "مجوس" قرار دیا ہے)

کنز الاعمال میں تقدیر کے حوالے سے رقم ہے

((ثلاثة لا يقبل الله منهم يوم القيامة صرفا ولا عدلا: عاق، ومنان، ومكذب بالقدر))[1]

---

1 الترمذی، السنن، کتاب بیان التقدیر، باب ماجاء فی التشدید فی الخوض فی القدر،، (بیروت دار العرب الاِسلامی، ۱۹۹۸ء)، ح ۲۱۳۳

2 ابو داؤد، السنن، کتاب السنۃ، باب فی القدر، (بیروت: المکتبۃ العصریۃ)، ح ۴۶۹۲

(تین آدمیوں سے قیامت کے دن اللہ کوئی بدلہ قبول نہ کرے گا اور نہ ہی ان کی سفارش قبول کی جائے۔ ان میں سے ایک تقدیر کو جھٹلانے والا ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ایک خاص انداز کے ساتھ پیدا فرمایا جو اس کے کمال علم و حکمت پر مبنی ہے۔ اور اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہ ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ ہر کام کے لئے حتی کہ قیامت تک ایک وقت مقرر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کسی بھی تکلیف کے پہنچنے پر یہ نہیں کہنا چاہیے۔ کہ میں ایسا کرتا تو اس طرح نہ ہوتا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ یہ اللہ کی تقدیر تھی۔ کیونکہ زمین و آسمانوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل ہی تقدیر لکھ چکی تھی۔ اس لئے اسے جھٹلانے سے منع کیا گیا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے دو گروہوں کو تقدیر کے بارے میں جھگڑنے سے منع فرمایا تھا۔ کہ پہلے لوگ اس کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے۔ اور ان کو امت کے مجوس قرار دیا گیا اور بروز قیامت ان کی کوئی سفارش اور بدلہ قبول نہ کیا جائے گا۔

الغرض سچے دل سے ایمان لانے والوں کو قرآن مجید میں بے شمار بشارتوں سے نوازا گیا کیونکہ جو سچے دل سے ایمان لاتا ہے اور اس پر استقامت اختیار کرتا ہے تو ایسے شخص پر اللہ کا خصوصی انعام و فضل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق استوار کر لینے کے بعد انسان کبھی گمراہی کا شکار نہیں ہوتا۔ اس کے پیش نظر چونکہ آخرت کی زندگی ہوتی ہے اس لئے دنیا کے مصائب کو آسانی سے برداشت کر لیتا ہے بلکہ مومنین کے لئے یہ بڑے اعزاز کی بات ہے کہ انھیں اللہ کی طرف سے عزت دی جاتی ہے کہ بروز قیامت اللہ ان مومنین کو اور رسولوں کو اپنے پہلو کھڑا کرے گا۔ اور بغیر ایمان کے اچھے کئے ہوئے اعمال بھی غارت ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں بہت سارے مقامات پر ایمان اور عمل صالحہ بجالانے والوں کو جنت میں لازوال نعمتیں دی جائیں گی۔ ایسے مومنین کو جنت الفردوس کا وارث قرار دیا گیا ہے جسے سب جنتوں میں سے عمدہ جنت کہا گیا ہے۔ مومنین کے لئے بڑی بشارت کہ جو اللہ پر ایمان کے ساتھ ساتھ اس کے رسولوں پر بھی ایمان لائے گا تو ایسے مومنین کو صدیقین اور شہداء کے برابر درجہ ملے گا۔ اور اس کا ایمان جب آخرت پر پختہ ہو گا تو اسے دین اور دنیا میں کامیابی سے ہمکنار کیا جائے گا۔

اس کے برعکس انکار کرنے والوں کو انذار کیا گیا ہے کہ ان کی دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت بھی برباد ہو جائے گی۔ کیونکہ ایمان نہ لانے کی بنا پر انھیں حد درجہ کی گمراہی میں کہا گیا۔ اللہ کے انکار کے ساتھ اس کے نبیوں، کتابوں، اور روز قیامت کو جھٹلانے والوں کو جہنم کی آگ اور سخت عذاب دیا جائے گا جس کا ادراک انھیں قیامت کے برپا ہونے پر ہو گا اور اس وقت ان کے پاس افسوس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو گا

---

[1] الہندی، ابن حسام الدین، کنز العمال، کتاب المواعظ والحکم، باب فی الترھیبات، ح: ۴۳۸۱۲

فصل سوم

عبادات سے متعلق آیات میں تبشیر وانذار

انسان کی پیدائش کا اصل مقصد جو قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے وہ ہے اللہ کی عبادت:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾(1)

(اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا کہ میری عبادت کریں) مولانا مودودی ، انسان کی عبدیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اسلام انسان کی پوری دنیوی زندگی کو عبادت میں تبدیل کر دینا چاہتا ہے کہ آدمی کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی خدا کی عبادت سے خالی نہ ہو۔ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے کے ساتھ ہی یہ بات لازم آجاتی ہے۔ کہ جس اللہ کو آدمی نے اپنا معبود تسلیم کیا ہے ۔اس کا عبد یعنی بندہ بن کر رہے۔ یہی غرض ہے جس کے لیے اسلام میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج فرض کے گئے ہیں۔ ان کو عبادت کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بس یہی عبادات ہیں۔ بلکہ یہ لازمی ٹریننگ کورس ہے جس کے بغیر انسان کی زندگی کسی اور عبادت الٰہی میں تبدیل نہیں ہو سکتی۔ ان چار چیزوں کے سوا اور کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے جس سے یہ مقصد حاصل ہو سکے۔ اسی بنا پر انھیں ارکان اسلام قرار دیا گیا ہے"(2)

قرآن مجید میں بار بار عبادات کو قائم کرنے کے لئے کہا گیا۔ تاکہ اس کے ذہن میں یہ بات رہے کہ اللہ ہی اس کا خالق ہے اور اس نے ہر کام مخلوق ہونے کے ناطے کرنا ہے اور اسی شعور کو بیدار کرنے کے لئے قرآن مجید میں عبادات قائم کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ ان عبادات کو بجالانے پر دنیاوی فوائد اور اخروی بشارتیں دی گئی ہیں جبکہ ان سے کوتاہی پر عذاب اور انذار کیا گیا ہے۔

قیام صلوٰۃ

عبادات میں سب سے پہلے نماز کا ذکر ہے۔ اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ باقی عبادات کی فرضیت کا حکم دنیا پر دیا گیا لیکن نماز معراج کے موقع پر فرض ہوئی۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر نماز قائم کرنے والوں کو اور ہمیشگی اختیار کرنے والوں کو بشارت دی گئی ہے۔ سورۃ المومنون میں ارشاد ہوتا ہے:

---

1 الذاریات:۵٦

2 مودودی، ابوالاعلی، اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، جولائی ۲۰۰۲ء)، ص/ ۱۷۔۱۸

﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ-أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ- الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾[1]

(اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ وہی لوگ وارث ہیں۔ جو جنت فردوس کے وارث ہوں گے اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے)

سورۃ المومنون کی پہلی دس آیات میں مومنوں کی جو صفات بتائی گئی ہیں۔ ان صفات کے حامل لوگوں کو جنت الفردوس کی بشارت دی گئی ہے۔ ان میں سے ایک نمازوں کو پڑھنے والے اور ان کو قائم رکھنے والے بھی ہیں۔ جنت الفردوس کے بارے میں غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں کہ "فردوس حبشی یا رومی زبان کا لفظ ہے جو فارسی زبان سے لیا گیا ہے، فردوس اس باغ کو کہتے ہیں جس کے درخت پھیلتے جائیں اور قبطی زبان میں فردوس سے مراد انگور کی بیلوں کو کہتے ہیں، جبکہ قاموس میں اس کا معنی، فردوس پانی کی اس چھوٹی سی نہر کو کہتے ہیں جس میں ہر طرف سبزہ اگا ہوا ہو اور جس باغ کے اندر ہر طرح کے پھل اور پھول ہوں"[2]

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

"واعلموا أن خير أعمالكم الصلاة، ولا يحافظ على الوضوء إلّا مؤمن أولئك هم الوارثون الذين يرثون الفردوس هم فيها خالدون"۔[3]

(تمام اعمال میں نماز کا عمل بہترین عمل ہے۔ اور صرف مومن ہی وضو کی حفاظت ہی کر سکتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ یہی لوگ وارث ہیں جو جنت الفردوس کے دائمی وارث ہوں گے۔)

حدیث نبوی ﷺ ہے:

((فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَسَلُوهُ الفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ))[4]

(پس جب تم اللہ سے مانگو تو فردوس مانگو کہ جنت کا درمیانی درجہ ہے اور بلند ترین درجہ ہے اور اس کے اوپر عرش الٰہی ہے اور اس سے جنت کی نہریں پھوٹ کر نکلتی ہیں۔)

تفسیر فی ظلال القرآن میں مومنین کے خشوع کا ذکر یوں ہوا ہے:

"تستشعر قلوبهم رهبة الموقف في الصلاة بين يدي الله، فتسكن وتخشع، فيسري الخشوع منها إلى الجوارح والملامح والحركات. ويغشى أرواحهم جلال الله في حضرته، فتختفي من أذهانهم

1 المومنون:۹۔۱۱

2 ایضاً

3 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۵/ ۴۶۴

4 البخاری، الصحیح: کتاب الجہاد والسیر باب درجات المجاہدین فی سبیل اللہ، ح ۲۷۹۰

جميع الشواغل، ولا تشتغل بسواه وهم مستغرقون في الشعور به مشغولون بنجواه. ويتوارى عن حسهم في تلك الحضرة القدسية كل ما حولهم و كل ما بهم-"[1]

جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو ان کے دل میں یہ خوف ہوتا ہے کہ وہ اللہ رب ذوالجلال کے سامنے کھڑے ہیں، سکون اور نہایت ہی دھیمے پن کے ساتھ ان کی تمام حرکات، اوران کا انداز قیام، انداز سجود سے خدا کا خوف اور خشوع ظاہر ہوتا ہے ان کی روحیں اللہ کی عظمت اور جلال سے بھری ہوئی ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کے ذہن سے تمام دوسرے مشاغل غائب ہو جاتے ہیں اور اللہ کے سامنے حاضر ہونے کے سوا تمام تصورات ان کے ذہن سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔

الغرض یہ اللہ کا وعدہ اور دوٹوک فیصلہ ہے۔اور خدا کا فیصلہ کبھی رد نہیں ہو سکتا کہ مومنین ہی کامیاب و کامران ہوں گے۔نہ صرف اس دنیا میں بلکہ اُخروی زندگی میں بھی انھیں کامیابی ملے گی۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے مومن ہیں۔یا ان کی کون صفات ہیں۔جن کے ساتھ اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے۔سورۃ المومنون میں کامیاب مومن کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک صفت یہ بتائی گئی کہ وہ خشوع کے ساتھ نماز قائم کرتے ہیں اور اس میں استقامت رکھتے ہیں۔جیسا کہ سورۃ المعارج میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ -اُولٰئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ﴾[2]

(اور جو اپنی نماز کو ہمیشہ پڑھتے ہیں۔یہی لوگ بہشت کے باغوں میں عزت واکرام سے ہوں گے)

مولانا دریابادی نماز کی اہمیت بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

"اعمال حسنہ کی فہرست کو شروع بھی نماز کے ذکر سے کرنا اور ختم بھی اسی پر کرنا اس کی دلیل ہے کہ اعمال اطاعت میں اولین وعظیم ترین اہمیت نماز ہی کو حاصل ہے۔"[3]

یعنی سورۃ المعارج میں اچھے اعمال کرنے والوں کی ابتدا بھی نماز سے کی گئی کہ یہ نماز پڑھنے والے اور اس پر ہمیشگی اختیار کرتے ہیں۔پھر باقی صفات بیان کرنے کے بعد پھر نماز کا ذکر لایا کہ یہ نمازوں کی حفاظت کرنے والے لوگ ہی جنت کے حق دار ہیں۔

"نمازوں کی حفاظت میں کچھ وہ امور ہیں جو نماز پر مقدم ہیں، مثلاً یہ کہ انسان کی توجہ نماز کے وقت کی طرف مبذول رہے اور جیسے ہی نماز کی وقت شروع ہو وہ نماز کی تیاری میں مصروف ہو جائے، وضو کرے اور پاک وصاف لباس پہنے، جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد کی طرف روانہ ہوا، اور نماز شروع کرنے سے پہلے

---

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۴/ ۲۴۵۴

2 المعارج:۳۴۔۳۵

3 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۱۱۲۸

اپنے دل کو دنیاوی وسوسوں سے فارغ کرلے اور غیر اللہ کی طرف توجہ سے خالی الذہن ہو جائے، اور دکھاوے اور سنانے سے حتی الامکان احتراز کرے، اور کچھ وہ امور ہیں جو نماز میں داخل ہیں، مثلاً یہ کہ قرأت کے دوران اس کا ذہن متوجہ ہو، اور جب تسبیحات پڑھے تو ان کے معنی میں غور کرتا رہے ایسے ہی لوگوں کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا۔ یعنی جو مسلمان ان صفات کے ساتھ متصف ہوں گے، ان ہی کو جنتوں میں عزت اور وجاہت ملے گی"[1]

سید قطب شہید رقمطراز ہیں کہ:

"تتحقق بالمحافظة على الصلاة في مواعيدها، وفي فرائضها، وفي سننها، وفي هيئتها، وفي الروح التي تؤدى بها. فلا يضيعونها إهمالا وكسلا. ولا يضيعونها بعدم إقامتها على وجهها- فهم في جنات. وهم يلقون الكرامة في هذه الجنات. فتجتمع لهم اللذة بالنعيم مع التكريم، جزاء على هذا الخلق الكريم، الذي يتميز به المؤمنون. "[2]

(اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے، یعنی نماز کے فرائض، اس کے سنن، اس کے اوقات، اس کی ہیئت اور اس کی روح کی حفاظت کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ نماز کو سستی کرکے ادا نہیں کرتے۔ انھی لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہ لوگ عزت کے ساتھ جنت کے باغوں میں رہیں گے۔ یوں لذت بھی پائیں گے اور عزت بھی پائیں گے۔ اور یہ ان کے ایمان، ایقان اور نیکی کی وجہ سے ان کا امتیاز ہو گا۔)

سورۃ النساء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ اُولٰۗىِٕكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾[3]

(اور خاص کر نماز قائم کرنے والے یہ لوگ ہیں جن کو ہم اجر عظیم عطا کریں گے)

ابن عاشور ان کے اجر کے بارے میں لکھتے ہیں: "وَالْوَعْدُ بِالْأَجْرِ الْعَظِيمِ"[4] سورۃ الاعراف میں ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ﴾[5]

(اور جو لوگ کتاب الٰہی کو مضبوطی سے تھامتے اور نماز قائم کرتے ہیں تو ہم مصلحین کا اجر ضائع نہیں کریں گے)

اسلامی نظام حیات کے لیے اور معاشرے کی اصلاح کے لیے کتاب اللہ سے تمسک اور عبادات دونوں پر

---

1 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۱۲/ ۲۳۶

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۶/ ۳۷۰۲

3 النساء:۱۶۲

4 ابن عاشور، تفسیر ابن عاشور، ۶/ ۳۰

5 الاعراف:۱۷۰

عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ان کے بغیر معاشرے کی اصلاح ممکن نہیں ہے۔۔یعنی کتاب کو مضبوطی سے پکڑنا پوری کتاب کو اور عبادات پر عمل پیرا ہونا ہی اصلاح معاشرہ کا ذریعہ ہے۔کسی معاشرے میں ان دو باتوں میں سے کوئی ایک مفقود ہو جائے تو وہ بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔عبد الماجد دریابادی نماز کو اہم عبادت اور اس کے بہترین اجر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”چنانچہ جو لوگ اس معیار پر پورے اتر جاتے ہیں وہ یقیناً اپنا صلہ دنیا و آخرت دونوں عالموں میں پا کر رہتے ہیں۔یہاں یہ بتلا دیا کہ اپنی اصلاح کے اہم ترین اجزاء یہ دو ہیں ایک کتاب آسمانی کے احکام کی تعمیل دوسرے نماز کی پابندی۔“[1]

ہر انسان سے جانے انجانے میں گناہ اور خطائیں سرزد ہوتی رہتی ہیں۔اور نماز ان سے روکنے کا سبب بنتی ہے جیسے قرآن مجید میں فرمایا گیا

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ﴾[2]

(بیشک نماز فحاشی اور منکرات سے روکتی ہے۔)

یہ اسی وقت ہو گا جب انسان پابندی سے نماز پڑھتا رہے گا۔تو اس پر نماز کی برکت سے دور رس اثرات مرتب ہونگے۔اور وہ گناہ سے باز آجائے گا۔جس طرح سورہ ھود میں بیان کیا گیا ہے کہ

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّـيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰي لِلذّٰكِرِيْنَ﴾[3]

(اور دیکھو، نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے پر۔درحقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں یہ ایک یاد دہانی ہے ان لوگوں کے لیے جو خدا کو یاد رکھنے والے ہیں)

باقاعدگی سے نماز ادا کرنے انسان کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں اسی لئے نماز ادا کرنے پر بشارتوں سے نوازا گیا ہے تاکہ اس کی طرف رغبت ہو نماز وہ عبادت ہے جس کو اگر اہتمام کے ساتھ ادا کیا جائے تو نیکیوں کا وہ چشمہ نمازی کے اندر پھوٹ پڑے گا جو ان برائیوں کو صاف کرے گا جو انسان کے اندر پائی جاتی ہیں اور ان گناہوں کو دھو ڈالے گا جو سرزد ہو گئے ہوں۔جس کے معاشرے پر بھی اچھے اثرات مرتب ہوں گے اور آخرت میں بھی اجر عظیم اور باعزت طور پر جنت میں داخل کیا جائے گا۔اور ایسے ہی لوگ نمازوں کی حفاظت اور ان پر قائم رہنے کی وجہ سے جنت کے وارث قرار دیئے گئے ہیں۔

---

1 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۲۶۴

2 العنکبوت:۴۵

3 ھود:۱۱۴

صوم رمضان:

صیام یا روزے کی عبادت کے بارے میں قرآن مجید میں بہت فضیلت آئی ہے۔ یہ پہلی امتوں پر بھی فرض رہا ہے۔ اور جنت کا ایک دروازہ باب الریان ہے۔ جس میں سے صرف روزہ دار داخل ہوں گے۔ سورۃ الاحزاب میں عظیم اجر والوں کی جو نشانیاں بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک روزہ دار بھی ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ، أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾[1]

(روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے) احادیث مبارکہ میں روزہ دار کی بڑی فضیلت بیان کرتے ہوئے بشارت دی گئی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے

((مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ، بَاعَدَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ مَسِيرَةَ سَبْعِينَ خَرِيفًا))[2]

(نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا جو شخص اللہ کی رضا کے لیے ایک دن روزہ رکھتا اللہ اسے جہنم سے ستر سال کے فاصلے پر دور کر دیتا ہے۔)

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ:

"والصوم زكاة البدن" أي: تزكيه وتطهره وتنقيه من الأخلاط الرديئة طبعا وشرعا۔"[3]

(بدن کی زکوۃ روزے رکھنا ہے یعنی جسم کو روحانی طور پاک صاف کر دیتا ہے اور طبی طور پر بھی ردی اخلاط کو مٹا دیتا ہے۔)

تفسیر فی ظلال القرآن میں ہے کہ:

"والصوم: والنص يجعله صفة من الصفات إشارة إلى اطراده وانتظامه. وهو استعلاء على الضرورات، وصبر عن الحاجات الأولية للحياة. وتقرير للإرادة، وتوكيد لغلبة الإنسان في هذا الكائن البشري على الحيوان." [4]

(روزہ کو مومن کی صفت قرار دیا گیا ہے۔ روزہ کا انتظام اور استقبال کرنا اور روزہ رکھنا مومنین کی صفات میں سے ہے۔ روزہ کے ذریعہ انسانی خواہشات اور ضروریات کی چاہت کو ایک محدود وقت کے لیے روکنا ہوتا ہے جس سے صبر کی صفت بھی انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ قوت ارادی کی پختگی بھی مطلوب ہے اور انسانی صفات کا حیوانی صفات پر غلبہ مطلوب ہے۔)

---

1 الاحزاب:۳۵

2 حنبل، احمد بن محمد، المسند، باب: مسند أبي سعيد الخدريّ رضي الله عنه، (موسسۃ الرسالۃ ۲۰۰۱ء)، ح ۱۱۷۹۰

3 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۴۱۹/۶

4 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۲۸۶۳/۵

انھی لوگوں کے لئے اللہ نے عہد کیا ہے کہ-﴿أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔ یہ بہت بڑی بشارت ہے روزہ دار کے لیے کہ اللہ کے ہاں اس کی کتنی قدر و قیمت ہے۔اور اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ خوشی خوشی اللہ تعالی سے ملاقات کرے گا۔ صحیح بخاری میں ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَىٰ .كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصَّوْمَ، فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ المِسْكِ)) [1]

(حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ابن آدم کا ہر عمل اس کے لئے ہے۔ لیکن روزوں کا حکم مختلف ہے وہ میرے لیے ہیں اور میں ہی ان کی جزا دوں گا۔ روزہ دار کی منہ کی بھبک اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ عمدہ ہے)

یہ جسمانی بیماریوں کو نہ صرف دور کرتا ہے بلکہ اس کا مقصد تقویٰ بھی ہے اور تقویٰ سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے۔ اسی لئے اس کے بجالانے پر بشارت دی گئی ہے۔کیونکہ اسی سے صحیح معنوں میں اللہ کی نعمتوں کی قدر و قیمت ہوتی ہے۔اور انسان برائیوں سے باز رہنے کی مشق کرتا ہے اسی بنا پر ایک نیکی کا اجر دس گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔اسی میں ایک رات لیلۃ القدر آتی ہے جس میں قیام کرنے سے گناہوں کی بخشش ہوتی ہے اور روزے سے انسان جہنم سے ستر سال کی مسافت سے دور ہو جاتا ہے۔اور بھوک پیاس برداشت کرنے سے صبر کی عادت پڑتی ہے۔اس طرح روزہ سے انسان کے نفس اور جسم دونوں کا تزکیہ اور تربیت ہوتی ہے۔روزہ میں جو مضر عادتوں سے احتیاط کرتے ہیں اس سے جسمانی صحت درست ہو جاتی ہے۔

ایتائے زکوٰۃ

زکوٰۃ اسلام کا چوتھا اہم رکن ہے۔اسے اسلام کا پل قرار دیا گیا۔ گویا اسلام میں صحیح معنوں میں داخل ہونے کے لئے اس پل سے گزرنا پڑے گا۔معاشرتی توازن کو برقرار رکھنے کے لئے زکوٰۃ کو فرض قرار دیا گیا۔ایسے لوگوں کو کامیاب اور فلاح یافتہ کہا گیا۔جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

﴿فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّه وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [2]

(تم رشتہ داروں کو ان کا حق دو اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو۔ یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے

---

1 البخاری، الصحیح، کتاب الصیام، باب مایذکر فی المسک، ح ۵۹۲۷

2 الروم، ۳۸

جو اللہ کی رضا و خوشنودی چاہتے ہیں۔ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)

عبد الماجد دریابادی لکھتے ہیں کہ:

"نظام معاشیات کو ضوابط الٰہی کے ماتحت چلانے والے، انفرادی طور پر بھی فلاح یاب رہیں گے اور اجتماعی طور پر بھی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ آیت "یریدون وجہ اللہ"۔ اس قید نے یہ حقیقت صاف کر دی کہ خلعت قبول سے سرفرازی پانے کے لیے شرط لازمی یہ ہے کہ جو کچھ بھی خرچ کریں، وہ سب اللہ کی رضا کے لئے ہو محض جبری اور نمائشی چندے اور اسی قبیل کی دوسری چیزیں سب اس مد سے باہر ہیں۔"[1]

جس زکوٰۃ کی ادائیگی پر مسلمانوں کو فلاح یافتہ کہا گیا۔ اس کے ادا کرنے کا اسلام میں ایک مخصوص طریقہ کار ہے۔ اور اس کے مصارف بھی بتا دیئے گے ہیں۔ اگر انسان ویسے ہی صدقہ و خیرات کرتا رہے۔ اور ہدیہ کے طور پر اپنی دولت خرچ کرتا رہے۔ اس کا ثواب تو اسے ملے گا۔ لیکن اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ کیونکہ زکوٰۃ کا اپنا ایک طریقہ اور شرائط ہیں۔ جس سے انسان کا مال پاک ہوتا ہے۔ اس کا نفس پاک ہوتا ہے۔ اور مال میں برکت آتی ہے۔ جیسے تفسیر فی ظلال القرآن میں ہے:

"وكان بعضهم يحاول تنمية ماله بإهداء هدايا إلى الموسرين من الناس، كي ترد عليه الهدية مضاعفة! فبين لهم أن هذا ليس الطريق للنماء الحقيقي:" [2]

(بعض لوگ مالدار لوگوں کو اس غرض سے تحفے اور ہدیہ دیتے تھے کہ بدلے میں انھیں دوگنا تا تین گنا ملے گا تو ایسے مال بڑھانے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرماتا ہے۔)

ان لوگوں کو ہدایت یافتہ قرار دیا گیا۔ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں سورۃ لقمان میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ- أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[3]

(اور زکوٰۃ دیتے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ اور یہی نجات پانے والے ہیں)

معاشرے میں اور خود انسان کے اندر زکوٰۃ ادا کرنے کی بنا پر جو فوائد حاصل ہوتے ہیں اسے سید قطب شہید یوں بیان کرتے ہیں۔

"وإيتاء الزكاة يحقق استعلاء النفس على شحها الفطري، وإقامة نظام لحياة الجماعة يرتكن إلى

---

1 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۸۳۹

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۵/ ۲۷۷۲

3 لقمان، ۴

التكافل والتعاون. ويجد الواجدون فيه والمحرومون الثقة والطمأنينة ومودات القلوب التي لم يفسدها الترف ولا الحرمان.'' [1]

(انسان کے اندر جو فطری بخل ہے، زکوٰۃ ادا کرنے سے اس پر انسان قابو پالیتا ہے۔ زکوٰۃ سے مسلمان امت کے لیے ایک اجتماعی نظام اور امت کے اندر اجتماعی کفالت کی بنیاد پڑتی ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے سوسائٹی میں امیروں اور غریبوں دونوں کے اندر اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ اور باہم مودت اور محبت بڑھتی ہے۔ اس کے اندر طبقاتی نفرت ختم ہوتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کو دنیا اور آخرت میں کامیاب قرار دیا گیا ہے''۔

زکوۃ ادا کرنے والے لوگوں کی صفات کا ذکر ابن کثیر یوں کرتے ہیں:

''وآتوا الزكاة المفروضة عليهم إلى مستحقيها، ووصلوا قراباتهم وأرحامهم، وأيقنوا بالجزاء في الدار الآخرة، فرغبوا إلى الله في ثواب ذلك، لم يراؤوا به ولا أرادوا جزاء من الناس ولا شكورا، فمن فعل ذلك كذلك فهو من الذين قال الله تعالى: على بصيرة وبينة ومنهج واضح وجلي، وأولئك هم المفلحون، أي: في الدنيا والآخرة.''[2]

جو زکوۃ ادا کرتے ہیں۔ انہیں کامل یقین ہے کہ انھیں آخرت میں اچھے بدلے اور جزا سے نوازا جائے گا اس لیے اللہ کی طرف پوری رغبت کرتے ہیں اور اللہ کی رضا کے لئے ثواب کے کام کرتے ہیں اور رب کی طرف سے ملنے والے اجر پر نظریں رکھتے ہیں۔ نہ ریاکاری کرتے ہیں نہ ہی لوگوں سے داد چاہتے ہیں۔ ایسے اوصاف رکھنے والے ہی ہدایت یافتہ ہیں۔ راہ اللہ پر لگا دیئے گئے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو دین و دنیا میں فلاح نجات اور کامیابی حاصل کریں گے۔

غرض زکوۃ خالص اللہ کی راہ میں مستحقین تک پہنچانے والے کو بخشش کی بشارت دیتے ہوئے رب تعالیٰ سورۃ الفاطر میں فرماتے ہیں کہ:

﴿وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِه اِنَّه غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾ [3]

(اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں وہ اس تجارت کے فائدے کے امیدوار ہیں جو کبھی تباہ نہیں ہوگی۔ کیونکہ اللہ ان کو پورا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی دے گا وہ تو بخشنے والا اور قدردان بھی ہے)

---

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۵/ ۲۷۸۴

2 ابنِ کثیر، القرآن العظیم، ۶/ ۳۳۰

3 الفاطر: ۲۹۔۳۰

مولانادریابادی تحریر کرتے ہیں:

"کبھی نہ ماند پڑنے والی تجارت سے مراد ظاہر ہے کہ جنت کی ابدی اور غیر منقطع نعمتیں ہیں۔ یہ سب صفات انھی خشیت رکھنے والے اہل علم کی بیان ہو رہی ہیں۔"[1]

سورۃ الحدید میں ہے:

﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ﴾[2]

(مردوں اور عورتوں میں سے جو لوگ صدقات دینے والے ہیں اور جنہوں نے اللہ کو قرض حسن دیا ہے، ان کو یقیناً کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے بہترین اجر ہے)

سید قطب لکھتے ہیں:

"إن المتصدقين والمتصدقات لا يتفضلون على آخذي الصدقات، ولا يتعاملون في هذا مع الناس. إنما هم يقرضون الله ويتعاملون مباشرة معه. فأي حافز للصدقة أوقع وأعمق من شعور المعطي بأنه يقرض الغني الحميد، وأنه يتعامل مع مالك الوجود؟ وأن ما ينفقه مخلف عليه مضاعفا وأن له بعد ذلك كله أجرا كريما؟"[3]

صدقات دینے والے مرد اور عورتیں صدقہ لینے والوں پر اپنی برتری نہیں جتلاتے اور اس سودے میں یہ لوگ فریق ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس سے بلند اور برتر شعور اور کیا ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ دینے والا یہ سمجھے کہ وہ اللہ کو قرض دے رہا ہے۔۔ اور وہ جو کچھ خرچ کر رہا ہے وہ دوگنا تگنا ہو کر ملے گا۔ اور کئی گنا لوٹانے کے بعد اجر کریم بھی دیا جائے گا

سنن نسائی میں ہے:

((ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّي الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ وَيَصُومُ رَمَضَانَ وَيُخْرِجُ الزَّكَاةَ وَيَجْتَنِبُ الْكَبَائِرَ السَّبْعَ إِلَّا فُتِّحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَقِيلَ لَهُ ادْخُلْ بِسَلَامٍ))[4]

(پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو بندہ پانچ وقت کی نماز ادا کرے اور ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھے اور زکوٰۃ نکالے اور سات بڑے بڑے گناہوں سے بچ کر رہے تو اس کے واسطے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا کہ جاؤ اندر سلامتی کے ساتھ)

ابن کثیر صدقہ و خیرات کرنے والوں کے لیے اجر و ثواب کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

1. دریابادی، تفسیر ماجدی، ۸۹۰
2. الحدید: ۱۸
3. سید قطب، فی ظلال القرآن، ۶/ ۳۴۹۰
4. النسائی، السنن: کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ، ح ۲۴۳۸

"يخبر تعالى عما يثيب به المصدقين والمصدقات بأموالهم على أهل الحاجة والفقر والمسكنة، وأقرضوا اللّه قرضا حسنا-أي: دفعوه بنية خالصة ابتغاء وجه اللّه، قال: 'يضاعف لهم' أي: يقابل لهم الحسنة بعشر أمثالها، ويزداد على ذلك إلى سبعمائة ضعف وفوق ذلك ولهم أجر كريم أي: ثواب جزيل حسن، ومرجع صالح ومآب كريم-"[1]

(وہ لوگ جو اپنا مال اللہ کی راہ میں فقیر، مسکین، محتاجوں اور حاجت مندوں کو دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے بدلے میں انھیں دس دس اور سات سات سو تک بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور بے حساب اجر سے نوازتا ہے۔)

سورۃ المزمل میں ہے:

﴿وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا﴾[2]

(اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو جو کچھ بھلائی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے، وہی زیادہ بہتر ہے اور اس کا اجر بہت بڑا ہے۔ اللہ سے مغفرت مانگتے رہو، بیشک اللہ بڑا غفور ورحیم ہے)

تفسیر تبیان القرآن میں ہے: اور اللہ کو اچھا قرض دو۔

"اس سے مراد تمام صدقات ہیں اللہ کی راہ میں سب سے اچھا مال نکالا جائے، جس مال میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہو اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کی نیت کی جائے اور وہ مال مستحق کو دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے، خواہ اس کا تعلق مال خرچ کرنے سے ہو یا اور کوئی نیک عمل ہو۔"[3]

اللہ فرماتے ہیں کہ تم اپنی بھلائی کے لیے جو کچھ آگے بھیجو گے، اس کو اللہ کے پاس اس سے بہتر اور زیادہ ثواب میں پاؤ گے اور تم اللہ سے مغفرت مانگتے رہا کرو، بیشک اللہ بہت مغفرت فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

"یعنی حق تعالیٰ کی راہ میں اور اس کے دین کے استحکام کے لیے اخلاص، حسن نیت وخوشدلی کے ساتھ خرچ کرو۔ تو اللہ تعالیٰ تمہارے طلب مغفرت پر تمہارے ساتھ مغفرت ورحمت کا برتاؤ کرے گا۔ یعنی دنیوی اغراض میں خرچ کرنے سے جو عوض اور نفع مرتب ہوتا ہے اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر یہ پائیدار اور دائمی اجر ملے گا۔ کوئی خفیف ساخفیف بھی عمل خیر حق تعالیٰ کے ہاں ضائع جانے والا نہیں۔"[4]

سید قطب اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

---

1 ابنِ کثیر، القرآن العظیم، ۲۲/۸

2 المزمل: ۲۰

3 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۳۵۶/۱۲

4 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۱۱۳۸

''وأقيموا الصلاة وآتوا الزكاة'وتصدقوا بعد ذلك قرضا لله يبقى لكم خيره 'وأقرضوا الله قرضا حسنا' وما تقدموا لأنفسكم من خير تجدوه عند الله هو خيرا وأعظم أجرا۔'' [1]

(اور نماز پڑھو زکوٰۃ دو اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کو قرض حسن بھی دو اور اچھا قرض دیتے رہو۔ جو کچھ بھلائی تم اپنے آگے کے لئے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے، وہی تمھارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اس کا اجر بھی بہت بڑا ہے)

زکوٰۃ سے انسان کا مال پاک وصاف اور اس کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ اس کے ادا کرنے والے کو کامیاب اور فلاح یافتہ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس شرط پر کہ جو بھی خرچ کرے اس میں نیت رضائے الٰہی ہی ہونی چاہیے۔ اسی بنا پر انھیں ہدایت یافتہ ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ زکوٰۃ اجتماعی کفالت اور نفس کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ ان کے ساتھ یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ انھیں ایک تو پورا پورا اجر اور فضل عظیم ملے گا۔ یہ بڑی بشارت کہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر بے حساب ثواب کی ضمانت دی گئی۔

حج بیت اللہ

حج کا لغوی معنی ہے: قصد اور اس کا شرعی معنی ہے: بیت اللہ کی زیارت کا قصد کرنا۔ زندگی میں ایک بار حج کرنا فرض ہے۔ اسلام، حریت، عقل، بلوغ اور حج کی استطاعت حج کی فرضیت کے لیے شرط ہیں۔ جس میں حکمتوں اور مصلحتوں کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ یہ بدنی اور مالی عبادت ہے۔ اس کی فرضیت کے بارے میں سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ -﴾ [2]

(اس میں کھلی نشانیاں ہیں، ابراہیم کا مقام عبادت ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا مامون ہو گیا۔ لوگوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔)

نبی پاک ﷺ نے حج کی بہت فضیلت بیان کی ہے۔ حج کرنے والوں کو یہ بشارت سنائی گئی ہے۔ کہ اگر خالص اللہ کے لیے حج کریں۔ اور مقبول حج سے انسان گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ حدیث مبارکہ ﷺ ہے:

---

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۶/۳۷۴۹

2 المزمل: ۲۰

((قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((من أتى هذا البيت، فلم يرفث، و لم يفسق، رجع كما ولدته أمه))[1]

(نبی ﷺ نے فرمایا۔ کہ جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس نے نہ فحش بات کی اور نہ گناہ کا مرتکب ہوا تو اس ایسے گناہ سے پاک وصاف ہو گا جس دن سے اس کی ماں نے جنا تھا)

مزید ارشاد ہوتا ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا وَالْحجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ))[2]

(نبی پاک ﷺ نے مقبول حج والوں کو جنت کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک عمرے سے دوسرے عمرے تک ان گناہوں کے لیے کفارہ ہوتا ہے جو دو عمروں کے درمیان ہوئے ہوں اور حج مقبول کی جزا جنت ہے)

صحیح بخاری میں ہے:

((عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ تُرَى الْجِهَادَ أَفْضَلَ الْعَمَلِ أَفَلَا نُجَاهِدُ قَالَ لَكِنَّ أَفْضَلَ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُورٌ))[3]

(عائشہ بنت طلحہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ ہم جہاد کو تمام اعمال میں افضل سمجھتے ہیں پھر ہم جہاد کیوں نہ کریں، فرمایا: تمہارا عمدہ جہاد حج مبرور ہے)

مقبول حج دنیا اور آخرت کی سربلندی کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ اس کی جزا جنت ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب بندہ شرعی اصولوں اور احکام کی روشنی میں حج اور عمرے کو انجام دے۔ پھر ہی وہ بیت اللہ کی عظمت اور وہاں عبادات بجالانے پر برکت کے نتیجے میں پاک صاف ہو کر لوٹے گا۔ حج کے دنوں میں بندہ دنیا سے بے پروہ ہو کر اللہ کی عبادت میں مصروف رہتا ہے تو یہ قرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔ پھر وہاں تلبیہ کی صورت میں نہ صرف توحید پر یقین رکھا جاتا ہے بلکہ اعلانیہ اس کا اعلان بھی کیا جاتا ہے۔ حج دعوت دین کو پھیلانے کا بہترین ذریعہ اور آخرت کی یاد دہانی کراتا ہے۔ اسی لئے اسے عمدہ جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ

قرآن مجید میں دونوں قسم کے جہاد یعنی جانی اور مالی کی بہت فضیلت آئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

---

1 المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب في فضل الحج والعمرة ويوم عرفة، ح:۱۳۵۵

2 البخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب وجوب العمرة وفضلها، ح۱۷۷۳

3 البخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور، ح۱۵۲۰

﴿وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ [1]

(جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے رہے اللہ کے ہاں ان کے بڑے درجے ہیں اور وہی مراد پانے والے ہیں)

اسلام میں جہاد کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ [2]

(اور جو شخص بھی اللہ کی راہ میں لڑتا ہے' پھر قتل کیا جاتا ہے یا غالب رہتا ہے ہم عنقریب اس کو اجر عظیم عطا کریں گے)

تفسیر ماجدی میں ہے:

"یعنی وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑیں جو دنیا کی زندگی آخرت کے عوض میں فروخت کر چکے ہیں۔ اور اس صورت میں آیت کا تعلق تمام تر مومنین مخلصین سے ہوگا جو اپنی ہر دنیوی خوشحالی اور کامرانی کو رضاء الٰہی پر قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ یہ آخرت کا اجر عظیم مجاہدین کے لیے غلبہ ہے۔" [3]

لہٰذا اللہ کے راستے میں صرف اس ایک مقصد کے لیے لڑنا جائز ہے۔ اور یہ لڑائی وہ لوگ کرتے ہیں جو دنیا فروخت کر کے آخرت خریدتے ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم انتظار میں ہے۔ دونوں حالتوں میں ان پر فضل ہے۔ اگر وہ اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں تو بھی فضل ہے اور اگر وہ اللہ کی راہ میں غالب ہو جائیں تو بھی اللہ کا فضل ہے. پس اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہونے والے مومنوں کو چاہیے کہ ان سے جہاد کریں جو اپنے دین کو دنیا کے بدلے فروخت کر رہے ہیں اپنے کفر اور عدم ایمان کے باعث اپنی آخرت کو برباد کر کے دنیا بناتے ہیں۔ سنو! اللہ کی راہ کا مجاہد کبھی نقصان نہیں اٹھاتا اس کے دونوں ہاتھوں میں لڈو ہیں قتل کیا گیا تو اجر موجود غالب رہا تو ثواب حاضر۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

((رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ وَتَوَكَّلَ اللَّهُ لِلْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِهِ بِأَنْ يَتَوَفَّاهُ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يَرْجِعَهُ سَالِمًا مَعَ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ)) [4]

(کہ اللہ کی راہ کے مجاہد کا ضامن خود اللہ عزوجل ہے یا تو اس کو فوت کر کے جنت میں پہنچائے گا یا جس جگہ

---

1 التوبہ:۲۰

2 النساء:۷۴

3 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۵/ ۱۲۲

4 البخاری، الصحیح، کتاب الجھاد والسیر، باب أفضل النّاس مؤمن مجاھد بنفسه ومالہ في سبیل اللہ ح ۲۷۸۷

سے وہ چلا ہے وہیں اجر وغنیمت کے ساتھ صحیح سالم واپس لائے گا فالحمد اللہ)۔

سورۃ التوبہ میں ارشاد ہے:

﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ [1]

(جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے رہے اللہ کے ہاں ان کے بڑے درجے ہیں اور وہی مراد پانے والے ہیں۔)عبد الماجد لکھتے ہیں کہ:

"اصل شئے تو ایمان باللہ اور اقرار توحید ہے۔اور پھر جو اس پر ہجرت وجہاد کا اضافہ کرے اس کے مرتبہ کا کیا کہنا۔اعظم درجۃ عند اللہ " سے یہ خیال نہ گزرے کہ بلا ایمان والوں یعنی کافروں کا بھی کوئی درجہ اللہ کے ہاں ہے۔مطلب یہ ہے کہ جو درجہ و مرتبہ اپنے نزدیک انہوں نے سمجھ رکھا ہے۔اور اس خوشخبری سنانے کا ذریعہ بھی قرآن ہے۔ مقیم کے لفظ نے اسے صاف کر دیا کہ انعامات جنت جتنے بھی ہوں گے مستقل، پائیدار، دائمی ہونگے، مسافرانہ انداز کے نہ ہوں گے۔"[2]

سورۃ التوبہ میں ہے:

﴿وَلٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[3]

(رسول اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے ہیں ان ہی لوگوں کے لیے ساری بھلائیاں ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں)

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

"وما لهم في آخرتهم، إلى آخر الآيتين من بيان حالهم ومآلهم.وقوله: {وأولئك لهم الخيرات}

أي: في الدار الآخرة، في جنات الفردوس والدرجات العلى." [4]

مومنوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کے حصے میں بھلائیاں اور خوبیاں ہیں یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ان کے لیے ہی جنت الفردوس ہے اور ان کے درجات بلند ہیں۔ یہی مقصد حاصل کرنے والے اور یہی کامیابی کو پہنچ جانے والے لوگ ہیں

فی ظلال القرآن میں ہے:

---

1 التوبہ:۲۰

2 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۴۳۲

3 التوبہ:۸۸

4 ابنِ کثیر، القرآن العظیم، ۴/۱۹۷

"خيرات الدنيا والآخرة، في الدنيا لهم العزة ولهم الكرامة ولهم المغنم ولهم الكلمة العالية. وفي الآخرة لهم الجزاء الأوفى، ولهم رضوان الله الكريم وأولئك هُمُ المفلحون-الفلاح في الدنيا بالعيش الكريم القويم والفلاح في الآخرة بالأجر العظيم:أعد الله لهم جنات تجري من تحتها الأنهار خالدين فيها-ذلك الفوز العظيم-"[1]

یہی لوگ ہیں جو دنیا اور آخرت میں کامیاب رہیں گے۔ اور ان کے سامنے سب خزانے کھلے ہیں اور ان کا نام اور ان کی شہرت دور دراز تک ہے۔ یہ دنیا میں بھی باعزت زندگی بسر کر رہے ہوں گے اور آخرت میں بھی باغات کے مالک ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گیاور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہی فوز یعنی بڑی کامیابی ہے۔

جہاد کی اسلام میں بڑی فضلیت بیان کی گئی ہے۔ جان و مال سے اللہ کی راہ میں قربان کرنے پر اجر عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے۔ جہاد کرنے والوں کو ہر دو کامیابیوں کا سامنا کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو گیا تو جنت میں اعلیٰ وارفع مقام ملے گا لیکن اگر شہید نہیں ہوا تو غازی، اجر عظیم اور مال غنیمت کے ساتھ واپس لوٹے گا۔ جہاد کرنے والوں کو بلند درجات والے اور کامیاب قرار دیا گیا۔ ایسے ہی لوگوں کا مستقل ٹھکانہ جنت الفردوس کے باغات ہوں گے۔

عبادات میں کوتاہی کی صورت میں انذار کا اسلوب

نماز نہ پڑھنے والوں کو قرآن مجید میں گمراہ قرار دیا گیا ہے۔ جہنم میں بعض لوگ نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے جائیں گے۔ نماز مومن اور کافر کے درمیان فرق کرتی ہے۔ کیونکہ ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز پر زور دیا گیا ہے۔ اور نماز میں غفلت برتنے والوں کی ویل یعنی خرابی بتائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾[2]

(پھر ان کے بعد ان کی جگہ آئے ناخلف جنھوں نے نماز ضائع کر دی اور خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے تو یہ لوگ عنقریب اپنی گمراہی کے انجام سے دوچار ہونگے)

عبد الماجد دریابادی فرماتے ہیں کہ:

" اضاعوا الصلوة "۔ اضاعت عام ہے، خواہ اعتقادی یا عملی۔ "الشھوت"۔ خواہشوں سے نفسانی ناجائز

---

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۳/ ۱۶۸۵

2 مریم:۱۹

خواہشیں مراد ہیں ضروری طاعتوں سے غافل کرنے والی۔"غیا"۔غی ہر بڑی خرابی پر محیط اور حاوی ہے۔[1]

نمازوں کو ضائع کرنے پر قرآن مجید میں انذار کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ یہ لوگ گمراہ ہو جائیں گے۔ غی کا مطلب ہی گمراہی ہے۔یعنی آخر کار ان کا انجام گمراہی ہے۔ جہنمیوں کی بڑی تعداد نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے ہو گی۔اس بات کا اقرار وہ خود اہل جنت کو جواب دیتے ہوئے کریں گے سورۃ المدثر میں ارشاد ہوتا ہے:﴿قالوا لم نك من المصلين﴾[2](وہ کہیں گے کہ ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے)سید قطب شہید فرماتے ہیں کہ:

"وهي كناية عن الإيمان كله، تشير إلى أهمية الصلاة في كيان هذه العقيدة، وتجعلها رمز الإيمان ودليله، يدل إنكارها على الكفر، ويعزل صاحبها عن صف المؤمنين." [3]

(اس میں اشارہ ہے کہ ہم ایمان لاکر نمازیوں کے گروہ میں شامل نہ ہوئے تھے،اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں نماز کی کیا اہمیت ہے۔ نماز گویا ایمان اور فلاح کی دلیل ہے اور نماز کا انکار کفر ہے اور جو شخص نماز نہیں پڑھتا۔وہ صفت ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔)

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

"يقول تعالى مخبرا أن:أي: معتقلة بعملها يوم القيامة، إلا أصحاب اليمين فإنهم في جنات يتساءلون عن المجرمين أي: يسألون المجرمين وهم في الغرفات وأولئك في الدركات قائلين لهم:ما سلككم في سقر قالوا لم نك من المصلين" [4]

اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ روز قیامت ہر فرد اپنے اعمال کے ساتھ ہو گا نیک لوگوں کے اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھ میں ہوں گے اور وہ پر سکون ہو کر جنت کے بالا خانوں میں آرام فرمارہے ہوں گے اور سخت ترین عذاب میں مبتلا جہنم والوں سے پوچھیں گے کہ کیا چیز تمھیں جہنم میں لے کر آئی تو وہ کہیں گے کہ ہم نماز میں غفلت برتتے تھے۔

حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا فرمان ہے:

((وَلَا تَتْرُكْ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّدًا، فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا، فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ)) [5]

(نبی پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا جان بوجھ کر نماز کو ترک مت کیا کرو، اس لیے کہ جو شخص جان بوجھ کر نماز کو ترک کرتا ہے، اس سے اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔)

---

1 دریابادی، تفسیر ماجدی،۶۵۷

2 مدثر:۴۳

3 سید قطب، فی ظلال القرآن،۶/۳۷۶۱

4 ابنِ کثیر، القرآن العظیم،۸/۲۷۳

5 ابن ماجہ، السنن، کتاب الفتن، باب الصَّبْرِ عَلَى الْبَلَاءِ، ح:۴۰۳۴

سورۃ القیامہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴾[1]

(تو اس نے نہ یقین کیا اور نہ نماز پڑھی)

گویا کہ نماز قائم کرنے والے کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول پر ہوتی ہے۔ اور جو نماز کو بروقت ادا نہیں کرتے۔ یا اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ایک تو وہ اللہ اور رسول کی ذمہ داری سے نکل جاتا ہے۔ اور ایمان نہ لانے کی بنا پر جس طرح زجر و ملامت کی جائے گی۔ اسی طرح نماز ادا نہ کرنے پر بھی ملامت کی جائے گی۔ جیسے تفسیر ماجدی میں ایمان اور نماز کو لازم ملزوم قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا:

"یعنی نہ ایمان لایا تھا نہ اعمال کی پرواکی تھی۔ جس طرح نماز بغیر ایمان صحیح نہیں ہوتی، اس طرح ایمان بھی بغیر نماز کے کامل نہیں ہوتا۔ علماء نے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ ایمان کے بعد نماز سے بڑھ کر کوئی عمل اہم و مؤکد نہیں۔ یہ مسئلہ بھی نکالا گیا ہے کہ مستحق زجر و ملامت جس طرح عدم ایمان ہے، اسی طرح ترک نماز بھی"[2]

سورۃ الماعون میں نماز میں غفلت اور سستی کرنے والوں کے لئے ویل کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴾[3]

(تو ایسے نمازیوں کی خرابی ہے جو اپنی نماز میں غفلت برتتے ہیں۔)

ان نمازیوں کے لئے ہلاکت اور ویل کہا گیا جو اپنی نماز میں غفلت کرنے والے ہیں۔ یہاں منافقین کا ذکر ہو رہا ہے جو دوسروں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں اور جب اکیلے ہوں تو غفلت کرتے ہیں اسی طرح وہ لوگ جو نماز کو آخری وقت میں جلدی جلدی ادا کرتے ہیں اور پھر اس کے ارکان یا شرائط پوری طرح ادا نہ کرے۔ خشوع و خضوع کا لحاظ نہ رکھے۔ یہ ساری چیزیں ویل میں آتی ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

((فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ يَجْلِسُ أَحَدُهُمْ حَتَّى إِذَا اصْفَرَّتْ الشَّمْسُ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيْ الشَّيْطَانِ أَوْ عَلَى قَرْنِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا))[4]

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں یہ نماز منافق کی ہے یہ نماز منافق کی ہے یہ نماز منافق کی ہے

---

1 القیامہ:۳۱

2 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۱۱۴۴

3 الماعون:۴۔۵

4 مالک، الموطا، کتاب القرآن، باب النھي عن الصلاۃ بعد الصبح وبعد العصر، (لبنان: دار احیاء التراث العربي، بیروت، ۱۴۰۶ھ) ح ۴۶

کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہے جب وہ غروب ہونے کے قریب پہنچے اور شیطان اپنے سینگ اس میں ملالے تو کھڑا ہو اور مرغ کی طرح چار ٹھونگیں مارلے جس میں اللہ کا ذکر بہت ہی کم کرے)

نماز میں غفلت برتنے والے کے انجام کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا:

((أَمَّا الَّذِي يُثْلَغُ رَأْسُهُ بِالحَجَرِ، فَإِنَّهُ يَأْخُذُ القُرْآنَ، فَيَرْفِضُهُ، وَيَنَامُ عَنِ الصَّلاَةِ المَكْتُوبَةِ))[1]

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا سر پتھر سے کچلا جاتا ہے وہ شخص ہے جو قرآن یاد کرتا ہے پھر اسے چھوڑ دیتا ہے اور فرض نماز سے غافل ہو کر سو جاتا ہے)۔ سید قطب لکھتے ہیں کہ:

''إنه دعاء أو وعيد بالهلاك للمصلين الذين هم عن صلاتهم ساهون.. فمن هم هؤلاء الذين هم عن صلاتهم ساهون-إنهم أولئك الذين يصلون، ولكنهم لا يقيمون الصلاة. الذين يؤدون حركات الصلاة، وأرواحهم لا تستحضر حقيقة الصلاة وحقيقة ما فيها من قراءات ودعوات وتسبيحات. إنهم يصلون رياء لناس لا إخلاصا لله. ومن ثم هم ساهون عن صلاتهم وهم يؤدونها. ساهون عنها لم يقيموها. والمطلوب هو إقامة الصلاة لا مجرد أدائها. وإقامتها لا تكون إلا باستحضار حقيقتها والقيام لله وحده بها.ومن هنا لا تنشئ الصلاة آثارها في نفوس هؤلاء المصلين الذين هم عن صلاتهم ساهون''۔[2]

(فویل خرابی ہے یہ لوگ نماز تو پڑھتے ہیں مگر نماز کو قائم نہیں کرتے، ان کی روح نماز کی حقیقت سے بیگانہ ہوتی ہے۔ اس قرآنی آیت میں نمازیوں کو کھلی دھمکی دی جارہی ہے کہ وہ ہلاکت سے دوچار ہوں گے جو نماز کو صحیح طرح قائم نہیں کررہے۔ بلکہ وہ ایسی نماز میں حرکات کررہے ہوتے ہیں جن میں کوئی روح نہیں ہے۔ اللہ کے لئے خالص نہیں ہوتے، بلکہ محض لوگوں کے دکھاوے کے لئے وہ نماز پڑھتے ہیں، اس لیے ان کی نماز سے وہ آثار نمودار نہیں ہوتے جو حقیقی نماز سے ہوتے ہیں، اسی وجہ سے ان کے دل پر نماز کا اثر نہیں ہوتا ہے، نہ ان کی عملی دنیا پر نماز اثر انداز ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ نماز ایک غبار ہے بلکہ نمازی کے لیے یہ نماز ایک وبال وہلاکت ہے)

غلام رسول سعیدی ریاکاری سے ادا کی جانے والی نماز کے بارے میں لکھتے ہیں:

''فاسق اس لئے نماز پڑھتا ہے کہ اس کو نمازی کہا جائے اور ریاکار عبادت سے دنیا طلب کرتا ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بناتا ہے اور وہ لوگوں سے تعریف اور تحسین کی توقع کرتا ہے، وہ لمبی لمبی نمازیں پڑھتا ہے اور لوگوں کو دکھا کر بہت خیرات اور صدقات دیتا ہے۔''[3]

جہاں نماز قائم کرنے والوں کو بشارتیں دی گئی ہیں وہاں لوگوں کو خرابی اور ہلاکت میں قرار دیا گیا جو نمازوں

---

1 البخاری، الصحیح، کتاب التہجد، باب عقد الشیطان علی قافیۃ الرأس، ح۱۱۴۳

2 قطب شہید، فی ظلال القرآن، ۶/۳۹۸۶

3 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۱۲/۹۹۵

کو قائم نہیں کرتے۔اور اکثر لوگوں کے جہنم میں جانے کی وجہ نماز کا ادانہ کرنا ہے۔نماز خشوع کا ذریعہ بھی ہے۔اور جو نماز چھوڑ دیتے ہیں دنیا کی خواہشات انھیں گھیر لیتی ہیں۔اور پھر گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔نماز کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔چونکہ ایک کافر اور مسلمان کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے اور جانتے بوجھتے نماز کو ترک کرنے والے کے بارے میں فرمایا گیا کہ اللہ ان پر سے اپنی ذمہ داری اٹھالیتا ہے۔نماز مکمل خشوع و خضوع سے ادا کرنی چاہیے۔

جس قدر نماز میں غفلت برتی جائے گی اسی درجہ کا ویل اس کے اندر موجود ہو گا۔نماز میں غفلت برتنے والوں کو منافق سے تعبیر کیا گیا۔اور ریاکاری کی ممانعت کی گئی کہ دکھاوے کی نماز ثواب کے بجائے ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے۔اور نمازوں کو ضائع کرنے والوں کے بارے میں بتایا گیا کہ ان کا ٹھکانہ غی ہے اور غی کے بارے میں رسول سعیدی فرماتے ہیں کہ اگر دس اوراق وزنی پتھر جہنم کے کنارے سے جہنم کی گہرائی میں پھینکا جائے۔تو وہ پچاس سال بعد غی میں گرے گا۔اور آپ ﷺ نے غی کے بارے میں فرمایا کہ غی جہنم کے نیچے ایک کنواں ہے جس میں دوزخیوں کی پیپ بہہ کر آتی ہے۔اور نمازوں کو ضائع کرنے والوں اور خواہشات کی پیروی کرنے والوں کا ٹھکانہ قرآن میں غی کو بتایا گیا۔اپنی خواہشات کو پس پشت ڈال کر خدا کو یاد کرنے کی ایک صورت نماز ہے۔اور دین کی اصل اللہ کی یاد ہے جو نماز سے ہی ممکن ہے۔اور جو اس میں غفلت برتتے ہیں۔وہ گمراہی اور برے انجام سے دوچار ہوں گے۔

روزہ رکھنا انسان کا ذاتی بدنی فعل ہے۔کیونکہ یہ بندے اور رب کے درمیان ہوتا ہے۔احادیث مبارکہ میں روزہ نہ رکھنے والے کے بارے میں فرمایا گیا :

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ فِي غَيْرِ رُخْصَةٍ رَخَّصَهَا اللَّهُ لَهُ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ الدَّهْرَ كُلَّهُ))[1]

(حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص بغیر کسی عذر کے رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دے یا توڑ دے اس کے ساری عمر کے روزے بھی اس ایک روزے کے بدلے میں قبول نہیں کئے جائیں گے)

الغرض روزہ رکھنے کی قرآن مجید میں تاکید کی گئی ہے۔یہ پہلی امتوں پر بھی فرض رہا ہے۔یہ خدا اور بندے کے درمیان ہوتا ہے۔اسی لئے اس پر مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔اور اس کو بغیر کسی عذر کے ترک کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔کیونکہ اس کو ترک کرنے پر اگر اس کے بدلے میں ساری عمر کے روزے بھی رکھے جائیں تو اس ایک روزے کا مداوہ نہیں ہو سکتا۔

---

1 حنبل، المسند، کتاب الصیام، باب مسند ابی ھریرہ، ح، ۹۰۱۴، ۱۴ / ۵۵۴

سورۃ التوبہ میں، فلسفہ زکوٰۃ کے حوالے سے آیا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾[1]

(اور جو لوگ سونا اور چاندی جوڑ کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے)

کنز اصطلاح شرع میں اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جاتی ہو۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں جس مال کی زکوٰۃ دے دی جاتی ہو وہ اگر ساتویں زمین تلے بھی ہو تو وہ کنز نہیں اور جس کی زکوٰۃ نہ دی جاتی ہو وہ گو زمین پر ظاہر پھیلا پڑا ہو کنز ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سونے چاندی والوں کے لیے ہلاکت ہے تین مرتبہ آپ کا یہی فرمان سن کر صحابہ پر شاق گذرا اور انہوں نے سوال کیا کہ پھر ہم کس قسم کا مال رکھیں؟ آپ نے حضرت عمرؓ کے سوال پر فرمایا:

((فقال نبي الله ﷺ: إن الله لم يفرض الزكاة إلا ليطيب بها ما بقي من أموالكم))[2]

(کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لیے مقرر فرمائی ہے کہ بعد کا مال پاک ہو جائے۔)

جامع ترمذی میں ہے:

((النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ لَا يُؤَدِّي زَكَاةَ مَالِهِ إِلَّا جَعَلَ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي عُنُقِهِ شُجَاعًا))[3]

(نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی گردن میں ایک اژدھا بنا دیں گے۔)

سید قطب لکھتے ہیں کہ:

''يوم يحمى عليها في نار جهنم وينتظر السامع عملية الإحماء! ثم ها هي ذي حميت واحمرت. وها هي ذي معدة مهيأة. فليبدأ العذاب الأليم ... ها هي ذي الجباه تكوى لقد انتهت عملية الكي في الجباه، فليداروا على الجنوب''[4]

(دنیا میں سونا چاندی جمع کرنے والوں کے لیے آگ جلائی جائے گی تو اس وقت کے بارے میں سید قطب زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے انجام بد کی تذکرہ یوں کرتے ہیں۔ آگ جلانے کے بعد جہنم کے کارندے اپنے ہاتھوں

1 التوبہ: ۳۴

2 ابو داؤد، السنن، کتاب الزکوٰۃ، باب في حقوق المال، ح ۱۶۶۴

3 الترمذی، السنن، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ آل عمران، ح ۳۰۱۲

4 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۳/۱۶۴۶

میں سلاخیں لے کر آئیں گے اور ان گرم سلاخوں سے زکوٰۃ ادانہ کرنے والوں کے منہ اور ہاتھوں کو داغا جائے گا۔کیونکہ انھوں نے بغیر کسی ضرورت کے مال جمع بھی کیا اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا۔ پھر داغنے کا عمل ختم ہونے کے بعد انکی روحانی تذلیل کی جائے گی۔کہ اب تم اپنی جمع کی ہوئی دولت کا مزا چکھو۔اس کے ہر ہر پہلو کی تصویر کھینچی گئی ہے۔کہ ان کے ہاتھوں، چہروں، پہلووں، اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ پھر جسمانی عذاب کے بعد روحانی اذیت میں مبتلا کئے جاہیں گے۔)

حدیث پاک ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺمَا مِنْ صَاحِبِ كَنْزٍ لَا يُؤَدِّي زَكَاتَهُ إِلَّا أُحْمِيَ عَلَيْهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَيُجْعَلُ صَفَائِحَ فَيُكْوَى بِهَا جَنْبَاهُ وَجَبِينُهُ حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَ عِبَادِهِ))[1]

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خزانہ والا جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اس پر وہ خزانہ جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور اس کو چٹانوں کی طرح بنا کر اس سے اس کے پہلو اور پیشانی کو داغا جائے گا یہاں تک اللہ اپنے بندوں کا فیصلہ کر دے)

غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

”حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں سونے کی پازیب پہنتی تھی۔میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ کنز میں شامل ہے یعنی خزانہ، جمع شدہ مال جس پر آگ کے عذاب کی وعید ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو مال زکوٰۃ کی حد تک پہنچ گیا اور اس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی وہ کنز نہیں ہے۔(سنن ابوداؤد، ح:۱۵۶۴)۔حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو تم نے اس حق کو ادا کر دیا جو تم پر واجب تھا۔(سنن الترمذی، ح:۶۱۸)“[2]

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

”لا يحسبن البخيل أن جمعه المال ينفعه، بل هو مضرة عليه في دينه-وربما كان-في دنياه-ثم أخبر بمآل أمر ماله يوم القيامة فقال: سيطوقون ما بخلوا به يوم القيامة “[3]

(بخیل اپنے مال کو اچھا تصور نہ کرے اس لئے کہ وہ مال اس کے لئے خطرے سے خالی نہیں دین میں تو بخل کی ممانعت کی گئی ہے لیکن یہ دنیا میں بھی اس کا اثر برا ہی پڑتا ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ بخل کرنے والے کے مال کو طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔)

1 المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب اِثم مانع الزکاۃ، ح۹۸۷

2 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۱۲۹/۵

3 ابنِ کثیر، القرآن العظیم، ۱۷۴/۲

ابن کثیر اپنی تفسیر میں بخل کرنے والے کے لئے اس کے برے انجام پر حدیث مبارکہ بیان کرتے ہیں۔

((مَنْ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ، مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ شُجَاعًا أَقْرَعَ، لَهُ زَبِيبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ القِيَامَةِ، يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِي بِشِدْقَيْهِ يَقُولُ: أَنَا مَالُكَ أَنَا كَنْزُكَ))[1]

(رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جسے اللہ مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کا مال قیمت کے دن گنجا سانپ بن کر جس کی آنکھوں پر دو نشان ہوں گے طوق کی طرح اس کے گلے میں لپٹ جائے گا اور اس کی باچھوں کو چیر تا رہے گا اور کہتا جائے گا کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں)

غلام رسول سعیدی اپنی تفسیر میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے بارے میں حدیث مبارکہ بیان کرتے ہیں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کے سارے خزانوں کو ایک تختے کی صورت میں ڈھال کر جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اس کے بعد اس سے اس شخص کی پیشانی پہلو اور پیٹھ کو داغا جائے گا یہ وہ دن ہو گا جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق پچاس ہزار سال کے برابر ہو گی یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے اس کے بعد اسے اس کا راستہ دکھا دیا جائے گا۔ اسی طرح وہ آدمی جو اونٹوں کا مالک ہو لیکن ان کا حق زکوٰۃ ادا نہ کرے وہ سب قیامت کے دن پہلے سے زیادہ صحت مند حالت میں آئیں گے اور ان کے لئے سطح زمین کو نرم کر دیا جائے گا چنانچہ وہ اسے کھروں سے روند ڈالیں گے جوں ہی آخری اونٹ گذرے گا پہلے والا دوبارہ آجائے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمادے یہ وہ دن ہو گا جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق پچاس ہزار سال کے برابر ہو گی۔ اس کے بعد اسے جنت یا جہنم کی طرف اس کا راستہ دکھا دیا جائے گا۔ اسی طرح وہ آدمی جو بکریوں کا مالک ہو اس کا بھی یہی حال ہو گا البتہ وہ اسے سینگوں سے ماریں گی اور کھروں سے روندیں گی۔[2]

اللہ نے انسان کو مال دیا اور اسے تلقین کرتا ہے کہ جو مال اس کو دیا گیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔ تاکہ وہ مال پاک صاف ہو جائے۔ مگر وہ لوگ جو بخل کرتے اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان کے لئے براٹھکانہ ہے اس کی سخت سزا قیامت والے دن بتائی گئی ہے۔ کہ انسان کا جمع کردہ مال گنجے سانپ کی شکل میں عذاب بن کر اسے ڈسے گا۔ اسی طرح اس کے جمع کردہ مال کو جلا کر آگ تپائی جائے گی۔ اور اسی آگ سے اسے داغا جائے گا۔ اور اس کے برے اثرات دنیا اور آخرت میں رونما ہوں گے

اسی طرح استطاعت رکھنے کے باوجود اگر اہل ایمان حج نہیں کریں تو ارشاد نبی ﷺ ہے:

1 البخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب ولا یحسبن الذین یبخلون، ح۴۵۶۵

2 حنبل، المسند، ح۵۷۴

((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوتَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا وَذَلِكَ أَنَّ اللَّهَ يَقُولُ فِي كِتَابِهِ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)) [1]

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص سامان سفر اور اپنی سواری کی ملکیت رکھتا ہو جو اسے بیت اللہ تک پہنچا سکے پھر اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ یہودی یا نصرانی ہو کر مرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے اور اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کی استطاعت رکھتے ہوں)

سفر خرچ اور سواری پر قادر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ چیزیں اس کی حاجت سے زائد ہوں 'یعنی مکان ' لباس، خادم اور سواری کا جانور اور پیشہ کے اوزار اور خانہ داری کے سامان سے اتنا زائد ہو کہ سواری پر مکہ معظمہ تک جا سکے اور وہاں سے سواری پر واپس آسکے اور دوران اہل وعیال کا نفقہ اور مکان کی مرمت کے لیے کافی مال چھوڑ جائے اور جانے آنے میں اپنے نفقہ اور گھر اہل وعیال میں قدر متوسط کا اعتبار ہے نہ کمی نہ اسراف۔ عیال سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا نفقہ اس پر واجب ہے۔[2]

صاحب حیثیت مسلمان پر حج فرض ہو جانے کے بعد اسے چاہیے کہ وہ اس فرض کو بجالائے اور اگر وہ فرض میں کوتاہی کرے گا۔ تو وہ گناہ گار ٹھہرے گا۔

سورۃ التوبہ میں جہاد سے منہ موڑنے والے لوگوں کو انذار کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ﴾ [3]

(خوش ہیں وہ لوگ جو پیچھے چھوڑ دیئے گئے اپنے بیٹھ رہنے پر اللہ کے رسول سے پیچھے اور انھوں نے برا جانا کہ وہ اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انھوں نے کہا نہ نکلو اس گرمی میں۔ کہہ دیجیے! دوزخ کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے۔ کاش! وہ سمجھے ہوتے)

فی ظلال القرآن میں ہے:

''فإن كانوا يشفقون من حر الأرض، ويؤثرون الراحة المسترخية في الظلال. فكيف بهم في حر جهنم وهي أشد حراً، وأطول أمداً؟ وإنها لسخرية مريرة، ولكنها كذلك حقيقة. فإما كفاح في سبيل الله فترة محدودة في حر الأرض، وإما انطراح في جهنم لا يعلم مداه إلا الله'' [4]

---

1 الترمذی، السنن، کتاب الحج، باب ماجاء فی التغلیظ فی ترک الحج، ح ۸۱۲

2 امجد علی، مولوی، بہار شریعت، (کراچی: مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز)، ۲/۱۱-۱۲

3 التوبہ: ۸۱

4 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۳/۱۶۸۲

سید قطب جہاد پر نہ جانے والوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ دنیا کی گرمی سے جان بچانے کے لئے وہ جہاد پر نہیں جا رہے لیکن وہ آخرت کی گرمی سے جان نہیں چھڑا سکتے جس میں انھوں نے ہمیشہ رہنا ہے۔ جہاد پر نہ جانے پر اللہ نے انھیں انذار کیا ہے کہ دنیاوی زندگی میں جہاد کرنا تو بہت تھوڑی مشقت ہے۔ اس کے مقابلے میں آخرت کی گرمی بہت زیادہ ہے جس میں ایک طویل عرصہ رہنا پڑے گا۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

''ومن يولهم يومئذ دبره إلا متحرفا لقتال أو متحيزا إلى فئة فقد باء بغضب من الله ومأواه جهنم وبئس المصير يقول تعالى متوعدا على الفرار من الزحف بالنار لمن فعل ذلك يا أيها الذين آمنوا إذا لقيتم الذين كفروا زحفا-أي: تقاربتم منهم ودنوتم إليهم، فلا تولوهم الأدبار أي: تفروا وتتركوا أصحابكم،ومن يولهم يومئذ دبره إلا متحرفا لقتال أي: يفر بين يدي قرنه مكيدة ليريه أنه خاف منه فيتبعه، ثم يكر عليه فيقتله، فلا بأس عليه في ذلك- فأما إن كان الفرار لا عن سبب من هذه الأسباب، فإنه حرام وكبيرة من الكبائر''۔[1]

اس شخص کے لئے جہنم کی آگ ہے جو جنگ کے دوران میدان سے بھاگ جائے یا جب کفار کے لشکر کے ساتھ آمنا سامنا ہو جائے تو پیٹھ پھیرنا حرام ہے۔ لیکن جو شخص جنگ کے دوران کسی جنگی فائدے کے لئے پلٹے یا دشمن کے ساتھ کوئی چال چلے تو پھر جائز ہے۔ لیکن جو میدان جنگ میں بزدلی دکھائے۔ یا بھاگ جائے تو اس کے لئے جہنم ہی ہے وہ اللہ کے غضب اور کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو گا۔ مسلم کی حدیث میں ہے:

((رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا هُنَّ قَالَ الشِّرْكُ بِاللَّهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَكْلُ الرِّبَا وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ))[2]

(سات گناہوں سے جو مہلک ہیں بچتے رہو پوچھا گیا کہ وہ کیا کیا ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو، کسی کو ناحق مار ڈالنا، سود خوری، یتیم کا مال کھانا، میدان جہاد سے پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑا ہونا، ایماندر پاک دامن بے عیب عورتوں پر تہمت لگانا۔ فرمان ہے کہ ایسا کرنے والا اللہ تعالیٰ کا غضب وغصہ لے کر لوٹتا ہے اس کی لوٹنے اور رہنے سہنے کی جگہ جہنم ہے جو بہت ہی بدتر ہے)

دریابادی تحریر کرتے ہیں:

''سپاہوں کو اپنی جگہ چھوڑنے اور میدان جنگ سے ہٹنے کی اگر ذرا گنجائش رکھ دی جائے تو نظام عسکری تو فوراً ہی تشریف لے جائے، اس لیے دنیا کے کسی بھی حربی قانون میں اس کی ذرا بھی اجازت نہیں بلکہ بزدلی ایک

---

1 ابنِ کثیر، القرآن العظیم، ۴/ ۲۷۔۲۸

2 المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب بیان الکبائر وأکبرھا، ح۸۹

ناقابل عفو جرم ہے۔ اور پھر لشکر اسلام کا تو ہر سپاہی خدا کا سپاہی ہوتا ہے۔ وہ اپنی جان بیچ کر اور اس کے عوض میں وعدہ جنت لیکر ہی تو قدم میدان میں رکھتا ہے۔ اسکے لیے تو بزدلی کی اتنی بھی گنجائش نہیں نکل سکتی جتنی کسی دنیوی لشکر میں ممکن ہے۔"[1]

تفسیر فی ظلال القرآن میں ہے:

"إن قلب المؤمن ينبغي أن يكون راسخا ثابتا لا تهزمه في الأرض قوة، وهو موصول بقوة الله الغالب على أمره، القاهر فوق عباده.. وإذا جاز أن تنال هذا القلب هزة- وهو يواجه الخطر- ومن ثم هذا الحكم القاطع:«وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ- إِلَّا مُتَحَرِّفاً لِقِتالٍ أَوْ مُتَحَيِّزاً إِلى فِئَةٍ- فَقَدْ باءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ، وَمَأْواهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ-"[2]

سید قطب مومن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کا دل و دماغ نہایت ہی پختہ ہونا چاہیے۔ اس طرح کہ وہ کسی بھی قوت کے سامنے متزلزل نہ ہو اور اس کا رابطہ ایسی قوت (اللہ) کے ساتھ ہونا چاہیے جسے اپنے امور پر مکمل کنٹرول حاصل ہو اور وہ بندوں کے اوپر مکمل غلبہ رکھتا ہو۔ جس نے ایسے موقع پر پیٹھ پھیری۔ یا کسی دوسری فوج سے جاملنے کے لیے۔ تو وہ اللہ کے غضب میں گھر جائے گا۔ اس کا ٹھکانا ہمیشہ رہنے والی جہنم میں ہو گا اور وہ بہت بری جائے باز گشت یعنی رہنے کی جگہ ہے۔ الغرض جو بھی میدان جنگ میں جانے سے کترائے گا۔ یا وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرئے گا۔ تو ایسے لوگوں کو انذار کیا گیا ہے کہ ان کے لئے خرابی اور ہلاکت ہے۔ جیسا کہ سورۃ محمد میں ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأَوْلَى لَهُمْ-﴾[3]

(تو جن لوگوں کے دل میں نفاق کا مرض ہے۔ تو تم دیکھو گے کہ وہ تمھاری طرف یوں دیکھیں گے۔ جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہو۔ سو ان کے لیے خرابی ہے۔)

الغرض جہاد کرنے کے جہاں بڑے فضائل اور بشارات بیان کی گئی ہیں اسی طرح جب جہاد فرض ہو جائے۔ اور جہاد پر نکلنے کا حکم دے دیا جائے تو اس وقت منہ موڑنے والوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے۔ جو دنیا میں جہاد سے کتراتے ہیں۔ ان کے لئے جہنم کی سخت ترین آگ ہے۔ جو ان کا مستقل ٹھکانہ ہو گی۔ اسی طرح جنگ سے پیٹھ پھیرنے والوں کو بھی انذار کیا گیا ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے والا اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو گا اور اسے جہنم رسید کیا جائے گا۔ اور اسے کبیرہ گناہ کا مرتکب ٹھہرایا گیا ہے منافقین کے بارے میں فرمایا گیا کہ انھوں نے اپنے ساتھ باقی

---

1 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۴۱۴

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۳/۱۴۸۹۔۱۴۹۰

3 محمد، ۲۰

لوگوں کو بھی گرمی کی وجہ سے جہاد پر جانے سے روکا تو انھیں انذار کیا گیا کہ یہ دنیا کی گرمی اور اس کی شدت اور مدت دونوں آخرت کی گرمی سے بہت کم ہیں۔ سو اب ان کا مستقل ٹھکانہ اب جہنم کی آگ ہے۔

حاصل بحث:

مومنین جو سچے دل سے ایمان لائیں، استقامت اختیار کریں تو ایسے شخص پر اللہ کا خصوصی انعام و فضل ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق استوار کر لینے کے بعد وہ گمراہ نہیں ہو سکتا وہ آخرت کی زندگی کو سامنے رکھ کر دنیا کے مصائب کو آسانی سے برداشت کر لیتا ہے ایمان اور عمل صالحہ بجا لانے والوں کو جنت میں لازوال نعمتیں اور جنت الفردوس کا وارث قرار دیا گیا ہے

چونکہ ایمان کے بغیر اچھے کئے ہوئے اعمال بھی غارت ہو جاتے ہیں۔ اس لئے منکرین کو انذار کیا گیا ہے کہ ان کی دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت بھی برباد ہو جائے گی اور انھیں حد درجہ کی گمراہی میں کہا گیا۔ اللہ کے انکار کے ساتھ اس کے نبیوں، کتابوں، اور روز قیامت کو جھٹلانے والوں کو جہنم کی آگ اور سخت عذاب دیا جائے گا

قرآن مجید میں انسان کی پیدائش کا اصل مقصد اللہ کی عبادت کرنا بتایا گیا ہے۔ اسی غرض سے ان عبادات کی ادائیگی پر اسلام میں بشارتیں دی گئی انھیں جنت الفردوس کا وارث، عظیم اجر والے، اللہ کی رضا میں اور فلاح یافتہ کہا گیا۔ ان عبادات پر جہاں اسلام بشارتیں دیتا ہے اسی طرح ان کی کوتاہی پر انذار فرمایا گیا ہے۔ اور انھیں ویل، ہلاکت، کبیرہ گناہ کا مرتکب کہا گیا اور ان کے بارے میں فرمایا کہ انھیں جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔

باب چہارم

اخلاق و معاشرت سے متعلق آیات میں تبشیر و انذار کا پہلو

فصل اول: اخلاق و معاشرت سے متعلق آیات میں تبشیر

فصل دوم: اخلاق و معاشرت سے متعلق آیات میں انذار

فصل اول:

اخلاق و معاشرت سے متعلق آیات میں تبشیر

اخلاق: خلق کی جمع ہے جس کے معنی خصلت، عادت اور طبیعت کے ہیں۔ اخلاق سے مراد وہ خصائل و عادات ہیں جو انسان سے روزمرہ سرزد ہوتے ہیں۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور بنی نوع انسان کی کامیابی اور فلاح کا علمبردار ہے۔ یہ زندگی کے ہر شعبے میں راہنمائی کرتا ہے اور انسانی زندگی میں معاشرے کا قیام اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔ انسان کی اولین حیثیت اس دنیا میں فرد کی سی ہے اور افراد کے ملنے سے معاشرہ بنتا ہے۔ اور اسلام معاشرے میں اخلاق حسنہ پر زور دیتا ہے اور انھیں بشارتوں سے نوازتا ہے کیونکہ ایک اچھے معاشرے کی تکمیل کے لئے اخلاق حسنہ کی بڑی اہمیت ہے۔

تقوی

تقویٰ کے لفظی معنی چھوڑ دینا، دور رہنا اور کسی کام یا چیز سے باز آنا ہے۔ قرآن مجید میں تقویٰ کا ایک معنی بچنا اور محفوظ رہنا کے ہیں۔ جیسے "فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ" (اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں) جبکہ دوسرے معنوں میں تقوی سے مراد اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے ہیں۔ جیسے "فَاتَّقُوا النَّارَ" اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ گویا تقویٰ سے مراد جن کاموں کے کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ ان کو بجالانا اور جن کاموں کے کرنے سے منع کیا ہے ان سے رک جانا۔ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کو قرآن مجید میں بے شمار بشارتیں دی گئی ہیں۔ متقین کا اللہ کے ہاں بڑا مقام ہے۔ متقین کو بخشش اور فضل عظیم کی بشارت تقوی کے سبب دی گئی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ [1]

(اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ تمہیں فیصلہ والی چیز دے گا اور تمہارے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا اور تمہاری بخشش فرمادے گا، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔)

اللہ کے خوف اور ڈر کو گناہوں کا کفارہ قرار دیتے ہوئے ارشاد باری تعالی ہے:

---

1 الانفال:۲۹

﴿ذَلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ﴾[1]

(یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل فرمایا ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا)

تقویٰ سے انسان کی برائیاں مٹادی جاتی ہیں یہی مسلمانوں کے لیے بہت بڑی بشارت ہے۔

سید قطب لکھتے ہیں کہ:

''وهو أمر لا يقدر بثمن.. ولكن فضل الله العظيم يضيف إليه تكفير الخطايا ومغفرة الذنوب. ثم يضيف إليهما..الفضل العظيم ..ألا إنه العطاء العميم الذي لا يعطيه إلا الرب الكريم ذو الفضل العظيم''[2]

(تقویٰ کی صلاحیت بازار سے خریدی نہیں جاسکتی۔ بلکہ اللہ کا فضل عظیم ہوتا ہے جسے چاہتا ہے عطا کردیتا ہے اور اسی کے نتیجے میں خطائیں معاف ہوتی ہیں۔ اور یہ وہ عام بخشش ہے جو رب اپنے خصوصی کرم سے جس پر چاہتا ہے، کردیتا ہے)

اس صفت کو دوطرفہ فیض قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''فالأولى تيسير للأمور. والثانية تكفير للسيئات وإعظام للأجر بعد التكفير.. فهو الفيض المغري والعرض المثير-وفضله العميم. فما له إذن يعسر ويعقد والله يغمره بالتيسير والمغفرة والأجر الكبير''[3]

(اور اللہ اپنے سے ڈرنے والوں کی برائیوں کو دور کردے گا اور ان کو بڑے اجر سے نوازے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک تو ان کے گناہ معاف فرمانے کا وعدہ کیا اور دوسرا ان کو بدلے میں اجر کثیر ملے گا)۔ چنانچہ یہ دوطرفہ فیض ہے اور انسان پر اثر انداز ہونے والا فائدہ ہے۔ تقوی اختیار کرنے والے لوگوں کو اللہ تعالی بہت پسند کرتے ہیں۔

اس سے بڑی بشارت ایک مومن کے لئے کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالی نے متقین کے بارے میں فرمایا کہ اللہ ان کے ساتھ ہے۔﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴾[4](بلاشبہ اللہ تقوی اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے)﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾[5](اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے)سورۃ الزمر میں متقین کا جنت میں استقبال کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ

1 الطلاق:۵

2 سید قطب، فی ظلال القرآن،۳/۱۴۹۹

3 ایضاً،۶/۳۶۰۳

4 التوبہ:۷

5 ایضاً:۳۶

طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴾ [1](اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرے انہیں جنت کی طرف گروہ گروہ بنا کر روانہ کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ جب جنت کے قریب پہنچ جائیں گے اس حال میں کہ اسکے دروازے پہلے سے کھلے ہوئے ہوں گے اور ان سے جنت کے محافظ کہیں گے کہ تم پر سلام ہو تم خوشی کے ساتھ رہو، سو تم اس میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ) بڑی قدر و منزلت کے ساتھ استقبال کرتے ہوئے بشارت دے دی کہ اب اس جنت عیش سے کبھی باہر ہونے کا کوئی کھٹکا ہی نہیں ہے۔ یہ دروازے اہل جنت کے اکرام میں تو پہلے ہی سے کھلے ہوئے ہوں گے اور انہیں ذرا سا بھی توقف وانتظار نہ کرنا پڑے گا۔ اور مومن متقین کے لیے آخرت میں بے پناہ اجر رکھا گیا۔ سورۃ یوسف میں ارشاد ہوتا ہے﴿وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴾ [2](اور البتہ آخرت کا ثواب ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو ایمان لائے اور تقوی اختیار کرتے تھے)

متقین کے لیے فرمایا گیا کہ ان کے لئے جنت میں بہترین اور مستقل ٹھکانہ ہو گا۔ اور وہاں ان کو من پسند چیزیں ملیں گی۔ یہ سب کچھ ان کے تقویٰ کے سبب ہو گا۔ جیسا کہ سورۃ النحل میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ -جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ كَذَٰلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ﴾۔ [3]

(اور البتہ متقیوں کا گھر اچھا ہے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں ان میں وہ داخل ہونگے، ان باغوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان کے لیے اس میں وہ سب کچھ ہو گا جو وہ چاہیں گے، اسی طرح اللہ ان کو بدلہ دیتا ہے، جو تقوی اختیار کرتے ہیں)

ابن کثیر متقین کے اعلیٰ مقام کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

"دار المتقين أي: لهم في الدار الآخرة جنات عدن أي: إقامة يدخلونها تجري من تحتها الأنهار أي: بين أشجارها وقصورها، لهم فيها ما يشاءون كما قال تعالى: وفيها ما تشتهيه الأنفس وتلذ الأعين وأنتم فيها خالدون۔"[4]

(آخرت کا گھر متقیوں کے لیے بہت ہی اچھا ہوتا ہے۔ یعنی متقین کے لئے بدلے میں آخرت میں اعلیٰ جنت عدن ہو گی جس کے نیچے سے چشمے بہہ رہے ہوں گے اور انھیں وہاں ہر چیز پسند کی ملے گی۔ اوران کی آنکھیں ہمیشہ ٹھنڈک پائیں گی۔) تفسیر ماجدی میں ہے۔

1 الزمر:۷۳

2 یوسف:۵۷

3 النحل:۳۰۔۳۱

4 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۵۶۸/۴

"اس دنیا کی بھلائی سے تو مراد یہاں کی کل نعمتیں ہوسکتی ہیں، مثلاً فتح ومال غنیمت، نیک نامی، فارغ البالی، اطمینان قلب، وغیرہ اور پھر سب سے بڑھ کر اجر آخرت کا وعدہ وبشارت۔ اور عالم آخرت اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر بہتر یہ اس لحاظ سے ہوگا کہ اول تو جس اجر کا وعدہ کیا گیا ہے اس کا ظہور آخرت میں ہوگا، اور پھر وہاں کی نعمتیں تعداد کے لحاظ سے، مقدار اور دوام وقیام کے لحاظ سے اور کیفیت ونوعیت کے لحاظ سے دنیا کی نعمتوں سے کوئی نسبت ہی نہ رکھتی ہوں گی"[1]

تفسیر تبیان القرآن میں متقین کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا

"یعنی نیکوکاروں کو آخرت میں جو جنت کا ثواب ملے گا وہ دنیا کے گھر سے بہت اچھا ہے کیونکہ دنیا میں نیک عمل کر کے انہوں نے آخرت کے ثواب کو اور جنت کو حاصل کر لیا ہے۔"[2]

اس کے بعد فرمایا کہ وہ دائمی جنتوں میں داخل ہوں گے، جن کے نیچے سے نہریں اور دریا بہتے ہیں یعنی ان کو جنت میں بلند وبالا مکان ملیں گے. پھر فرمایا اس میں ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جس کی وہ خواہش کریں گے یعنی ان کو ہر سعادت اور بھلائی مل جائے گی۔ غلام رسول متقین کے مرتے وقت ان کی بشارت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جب موت دی تو گویا کہ وہ اس حال میں تھے کہ جنت اور اس کی نعمتوں کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ کہ فرشتے انکی روحیں جس وقت قبض کرتے ہیں اس وقت ان سے کہتے ہیں کہ تم پر سلام ہو تم اپنے نیک کاموں کے باعث جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اس سے بڑی بشارت کیا ہو سکتی ہے کہ موت کے وقت ہی انھیں جنت کی بشارت سنادی گئی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ جو اس کا خوف اپنے دل میں رکھے گا اور اس کا فرمابردار ہو گا اسے جنت کا وارث بنا دیا جائے گا۔ جیسے سورۃ مریم میں ہے کہ ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾[3] (یہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے اسے وارث بنائیں گے جو ڈرنے والا ہو) انسان کا اصل ٹھکانہ وہی جنت ہے جہاں نہ بھوک، نہ پیاس اور نہ دھوپ کی تکلیف' وہاں کی بادشاہی لازوال اور زندگی ختم ہونے والی نہیں ہے لیکن اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ صرف انسان کا نیک عمل اور صحیح عرفان ہے اور اسی کے مجموعہ کا نام تقوی ہے تفسیر ابن عاشور متقین کو جنت عدن کا وارث قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"فَاللَّهُ وَعَدَ الْمُؤْمِنِينَ الصَّالِحِينَ جَنَّاتِ عَدْنٍ. فَالْجَنَّاتُ لَهُمْ مَوْعُودَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ."[4]

---

1 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۵۸۴

2 سعیدی، تبیان القرآن، ۶/ ۴۰۹

3 مریم:۶۳

4 ابن عاشور، التحریر والتنویر، ۱۶/ ۱۳۷

متقین کو ملنے والی نعمتوں کا ذکر یوں کیا گیا:

﴿لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ-وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ﴾[1]

(جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کے لیے ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور بیویاں ہیں پاکیزہ، اور رضامندی ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے)

قرآن مجید کی بے شمار آیات میں متقین کو جنت میں ملنے والی نعمتوں کا ذکر ہے[2]

تفسیر ماجدی میں ہے کہ قرآن مجید میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جنتیوں کے لیے ہر قسم کی راحت ولذت کا سامان ہو گا مادی، ذہنی، روحانی لطف کا۔ اہل تقوی کو دی جانے والی بشارت کے بارے میں ہے کہ اگر تقوی کی صفت انسان کے اندر پیدا ہو جائے تو یہ دونوں جہانوں کی اصلاح کی ضامن ہے:۔

"إنه متاع لا يناله إلا الذين اتقوا.الذين كان خوف الله وذكره في قلوبهم. وشعور التقوى شعور مهذب للروح والحس جميعاً." [3]

(یہ ایسا سامان زندگی ہے کہ اس تک صرف متقی لوگ ہی پہنچ سکتے ہیں۔ جو خوف خدا رکھتے ہیں اور اللہ کے ذکر میں ان کے دل مصروف رہتے ہیں۔ اور خوف خدا ان کی حسی اور روحانی دونوں طرح کی اصلاح کرتا ہے۔)

آخرت میں متقین کو جن نعمتوں سے نوازا جائے گا ان میں ایک تو متقین کو اللہ سے ڈرنے کے باعث ان کے گناہوں کو مٹا دیا جائے گا اور ان کے گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم ملے گا۔ تقویٰ اللہ کا خصوصی فصل ہے۔ ہر اس شخص کے لئے جو اللہ کا خوف دل میں رکھے گا۔ اس کو وہ دو طرفہ فیض قرار دیتے ہیں۔ کہ گناہوں کی معافی بھی اور دوسرا کثرت سے اجر عظیم بھی۔ جنت میں ان کا شاندار استقبال کیا جائے گا۔ پھر ایک بشارت کے بعد دوسری بشارت کہ بغیر انتظار کئے جنت میں داخلہ پھر خوش وخرم رہنے کی بشارت اور پھر ہمیشہ انھی نعمتوں میں رہو گے۔ یعنی ان کے چھن جانے یا زائل ہونے کا خدشہ نہیں۔

یہ ایسا صلہ ہے کہ اسے دنیا میں بڑی بڑی نعمتوں کے برابر نہیں قرار دیا جا سکتا ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جو چاہیں گے انھیں میسر ہو گا اور اللہ اپنے متقی بندوں کو بدلے میں جنت عدن دے گا اور اس کی موت کا وقت ایسا کہ غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں کہ اس وقت بھی جنت کی نعمتوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے لطف اندوز ہو رہے ہوں

---

1 آل عمران:۱۵

2 جیسے "آل عمران:۱۹۸، المائدہ:۶۵، الاعراف:۱۵۶، الرعد:۳۵، الحجر:۴۵-۴۶، ص:۴۹-۵۳، الزمر:۲۰، الدخان:۵۱-۵۵، محمد:۱۵، ق:۳۵، الطور:۱۷-۲۰، المرسلات:۴۱-۴۴ اور النباء:۳۱-۳۶

3 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۱/۳۷۵

گے۔اور فرشتوں کی مبارک وصول کر رہے ہونگے۔جوانھیں جنت کے حوالے سے دی جارہی ہو۔جس کے درختوں کے درمیان اور کناروں پر قسم قسم کی نہریں بہہ رہی ہیں، کہیں شہد کی، کہیں نفیس پانی کی، کہیں دودھ کی اور کہیں پاک شراب کی اور یہ وہ نعمتیں ہیں جوکسی کان نے نہ کبھی سنی ہوں نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں نہ کسی کے دل میں خیال بھی گزراہو، ان جنتوں میں یہ متقی لوگ ہمیشہ رہیں گے یہ نہ تو نکالے جائیں گے نہ انہیں دی ہوئی نعمتیں گم ہوں گی نہ فناہوں گی، پھر وہاں بیویاں ملیں گی جو میل کچیل سے اور پلیدی سے پاک ہوں گی، ہر طرح ستھری اور پاکیزہ، ان سب سے بڑی بات یہ کہ انھیں اللہ کی رضامندی حاصل ہوجائے گی اور ایسی رضامندی کہ اس کے بعد ناراضگی کا کوئی خدشہ باقی نہیں رہے گا۔

صبر

صبر کے معنی روکنے کے ہیں۔امام راغب اصفہانی کے بقول صبر سختی میں روکنے کو کہتے ہیں۔چنانچہ صبرت الدابۃ کا معنی ہوتاہے۔کہ میں نے جانور کو چارے کے بغیر روکے رکھا۔(1) انسان کو دنیا اور آخرت میں کامیابی کے لئے جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ محنت کے بعد صبر ہے۔صبر انسان کی انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتمائی زندگی کے لیے بھی ناگزیر ہے۔ابن کثیر مومنین کے صبر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

’’إلا الذين صبروا‘:أي: في الشدائد والمكاره،‘وعملوا الصالحات‘أي: في الرخاء والعافية، ’أولئك لهم مغفرة‘ أي: بما يصيبهم من الضراء، ’وأجر كبير‘ بما أسلفوه في زمن الرخاء، كما جاء في الحديث: والذي نفسي بيده، لا يصيب المؤمن هم ولا غم، ولا نصب ولا وصب، ولا حزن حتى الشوكة يشاكها، إلا كفر الله عنه بها من خطاياه۔‘‘(2)

صابرین چونکہ ہر مشکل میں صبر واستقامت رکھتے ہیں۔اور امن کی حالت میں اللہ کی اطاعت اور فرما برداری کرتے ہیں اس لئے انھیں صبر پر بخشش اور ثواب ملتاہے۔اسی لئے مومن کے لئے کہا گیا کہ مومن کے گناہ بخشے جاتے ہیں جب بھی اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے یہاں تک کہ کانٹا چبھنے پر بھی

اسی لئے صبر کرنے والے کو دنیا کے ساتھ آخرت میں بڑے اجر اور مغفرت کی بشارت دی گئی ہے ارشاد ہوتاہے:

﴿إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ﴾ (3)

1 اصفہانی، المفردات، ۲۷۳

2 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۴/۳۰۹

3 ھود:۱۱

(مگر وہ لوگ) جو صبر کرنے والے اور نیکوکار ہیں انہی کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے)

سید قطب صبر کرنے والوں کے بہترین بدلے کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

"أولئك لهم مغفرة وأجر كبير بما صبروا على الضراء وبما شكروا في السراء"[1]

صبر کرنے والوں کے لیے درگزر بھی ہے اور اجر عظیم بھی کیونکہ انھوں نے مشکلات میں صبر کیا اور خوشحالی میں بھی انہوں نے اعتدال سے کام لیا۔

﴿أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلمًا﴾ [2]

(یہ ہیں وہ لوگ جنھیں ان کے صبر کے باعث بالاخانے دیئے جائیں گے اور ان میں ان کا خیر مقدم تحیہ وسلام کے ساتھ ہو گا)

صبر کرنے والے مومنین کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا:۔

"والغرفة ربما كان المقصود بها الجنة، أو المكان الخاص في الجنة، كما أن الغرفة أكرم من البهو فيما اعتاد الناس في البيوت في هذه الأرض، عند ما يستقبلون الأضياف. وأولئك الكرام الذين سبقت صفاتهم وسماتهم، يستقبلون في الغرفة بالتحية والسلام، جزاء ما صبروا على تلك الصفات والسمات." (3)

غرفہ سے مراد بلند مقام یا جنت مراد ہے۔ یا یہ جنت کا کوئی خاص مقام ہو گا۔ جیسا کہ بالاخانہ عام افتادہ مکان کے مقابلے میں زیادہ پسندیدہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ بھی چونکہ اللہ کے معزز اور مکرم بندے ہیں اور ان کے لیے عباد الرحمٰن کا ٹائیٹل استعمال ہوا ہے لہٰذا ان کا اس خاص مقام میں تحیہ اور مبارک و سلامت سے استقبال ہو گا۔ اس بنا پر کہ انہوں نے دنیا میں صبر کیا۔ غلام رسول سعیدی مومنین کا جنت میں اعلیٰ مقام کی وجہ ان کا ہر مشکل میں صبر کو قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یعنی رحمٰن کے یہ مقبول بندے جنت میں بلند درجے کو حاصل کریں گے۔ ان کو یہ بلند درجات ان کے صبر کرنے کی وجہ سے حاصل ہوں گے"[4]

اس سے مراد یہ ہے کہ مومنوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے اور عبادت میں مشقت برداشت کرنے میں صبر کیا یا مشرکین کی دی ہوئی اذیتوں کو برداشت کرنے میں صبر کیا، اور اپنی نفسانی خواہشوں اور شہوات کے تقاضوں

---

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۴/ ۱۸۶۰

2 الفرقان:۷۵

3 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۵/ ۲۵۸۱

4 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۸/ ۲۷۸۔۲۷۹

کو روکنے میں جو صبر کیا تھا، اس صبر کے بدلے میں ان کو جنت کے بالا خانے دیے جائیں گے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس جنت میں ہمیشہ رہیں گے جو ٹھہرنے اور رہنے کی عمدہ جگہ ہے۔ سورۃ البقرہ میں مسلمانوں کو صبر کی بنا پر بشارت سنائی گئی ہے۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ مسلمانو! ان ان چیزوں میں تمھاری آزمائش ہو گی۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴾(1)

(بیشک ہم تمہیں آزمائیں گے کسی قدر خوف، بھوک، اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے)

صبر کے حوالے سے ایک بات ذہن میں ہونی چاہیے کہ صبر وہ ہے جو انسان اول وقت میں کرے جیسے ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «الصبر عند الصدمة الأولى))(2)

(کہ صبر صدمہ کی ابتداء میں ہی افضل ہے)

اول وقت یعنی صدمے کے شروع میں جو صبر کرتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کو بشارت سنائی گئی ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے:۔

"أخبر تعالى أنه يبتلي عباده أي: يختبرهم ويمتحنهم،فإن الجائع والخائف كل منهما يظهر ذلك عليه؛ ولهذا قال: لباس الجوع والخوف.أي: بقليل من ذلك ونقص من الأموال أي: ذهاب بعضها والأنفس كموت الأصحاب والأقارب والأحباب والثمرات ، فمن صبر أثابه ومن قنط أحل اللّهُ به عقابه. ولهذا قال:وبشر الصابرين-" (3)

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو بھوک، ڈر مالوں اور جانوں کی کمی سے اپنے اور غیر رشتے دار اور احباب کی موت سے ثمرات کی کمی سے آزماتا ہے اور جو لوگ صبر کرتے ہیں انھیں بہترین بدلے سے نوازتا ہے۔

تفسیر ماجدی میں ہے

"ان بندوں کو جو حالت غم میں بھی حدود شریعت سے قدم باہر نہیں نکالتے، صبر کرنے کے معنی یہ نہیں کہ بندہ بالکل بے حس ہو جائے۔ اور غم کو غم محسوس ہی نہ کرے، اس کا نام صبر نہیں، بے حسی ہے۔ صبر یہ ہے کہ انتہائی غمناک و دردانگیز واقعہ پر بندہ عقل کو نفس پر غالب رکھے، زبان کو شکوہ اور

---

1 البقرہ:۱۵۵

2 المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، باب فی الصبر علی المصیبة عند اول الصدمہ، ح۲

3 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۱/۴۶۷

ناشکری سے نہ آلودہ ہونے دے اور نظر مسبب الاسباب پر، اس کی مصلحت وحکمت پر اس کی شفقت ورحمت پر رکھے۔"[1]

صبر کرنے والوں کو ان کے صبر کی بنا پر اچھے اجر کی بشارت دیتے ہوئے سورۃ النحل میں ارشاد کیا گیا:

﴿ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾[2]

(ہم ضرور صبر سے کام لینے والوں کو ان کے اجر، ان کے بہترین اعمال کے مطابق دیں گے)

سید قطب لکھتے ہیں:

"ويعد الصابرين أجراً حسناً «وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ ما كانُوا يَعْمَلُونَ» والتجاوز عما وقع منهم من عمل سيئ، ليكون الجزاء على أحسن العمل دون سواه. "[3]

اور جو لوگ صبر کرتے ہیں ان کو ہم ان کے اچھے کاموں کے باعث اجر دیں گے۔ اور اس سلسلے میں ان سے جو غلطیاں اور کوتاہیاں سرزد ہوئیں ان کو معاف کر دیں گے پس جزاء میں ان کے صرف اعمال کا اچھا پہلو ملحوظ رہے گا۔

﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾[4]

(صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب پورا کیا جائے گا)

بغیر صبر کے کوئی اجر نہیں ہے، اور ہر اجر کے مقابلہ میں کوئی نہ کوئی درجہ صبر کا ضرور ہونا چاہیے۔ اسی صبر کی بنا پر ہی بدلے میں جنتی ریشمی لباس اللہ تعالیٰ کی طرف ملنے کی بشارت دی گئی ہے۔

جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ﴾۔[5]

(اور ان کے صبر کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ان کو جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا)

تفسیر ابن کثیر میں ہے:۔

"أي: منزلا رحبا، وعيشا رغدا ولباسا حسنا." [6]

1 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۷۶

2 النحل: ۹۶

3 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۴/۲۱۹۳

4 الزمر: ۱۰

5 الدھر: ۱۲

6 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۸/۲۹۰

(ان کے صبر کے بدلے میں انہیں رہنے کو وسیع جنت، پاک زندگی اور پہننے اوڑھنے کو ریشمی لباس ملا)۔ یہ آیت مبارکہ متعدد بار آئی ہے۔[1]

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾[2]

(بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔)

تفسیر ماجدی میں ہے:

"یعنی جو ناگوار حالات گردوپیش میں پیدا ہوتے رہیں گے۔ ان پر بہر حال صبر سے کام لیتے رہو، صبر، محمود تو ہر حال میں ہے، موقع قتال پر اور زیادہ. ''مع الصبرین'' یہ معیت حق خود ضامن نصر ہے۔"[3]

غلام رسول سعیدی صبر کرنے والوں کی بشارت اور آخرت میں ملنے والے انعام کو یوں تحریر کرتے ہیں۔

"اور ان کے صبر کی جزاء میں ان کو جنت اور ریشمی لباس عطاء فرمایا گا جو دنیاوی مصائب پر اپنے نفس کو رونے پیٹنے اور شکوہ شکایت کرنے سے روکے اور صبر کرے وہ مسہریوں پر یا مسندوں پر ٹیک لگائے ہوئے جنت میں بیٹھے ہوئے ہوں گے وہاں کی ہوا معتدل ہوگی جنت میں خود بہ خود روشنی ہوگی اس لیے وہاں نہ سورج کی ضرورت ہوگی نہ چاند کی۔"[4]

انسان جب مشکلات سے دوچار ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں صبر ایسی روشنی کا کام دیتا ہے۔ جو اسے مایوسیوں سے نکال کر امید کی روشن راہوں تک لے آتی ہے۔ اور اس کے اندر مشکلات کو سہنے کی ہمت پیدا ہوتی ہے۔ تاکہ مشکلات کا تعلق کسی اور چیز سے جوڑنے کے بجائے اسے من جانب اللہ سمجھنا چاہیے۔ اسی لیے صبر کو روشنی قرار دیا گیا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:((والصبر ضياء))[5]

گویا صبر دنیا اور آخرت میں کامیابی کا ذریعہ ہے معاشرتی زندگی کی اصلاح کے لیے بھی انفرادی اور اجتماعی طور پر صبر ناگزیر ہے۔ اسی بنا پر صبر کرنے والے کو بے پناہ اجر دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ایک تو اس کے گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے دوسرا جنت میں ان کا بہترین استقبال، اعلیٰ و ارفع مقام و مرتبہ اور بالا خانے دیئے جائیں گے۔ مسلمانوں کو صبر کی بنا پر خوشخبری دیتے ہوئے یہ بھی فرما دیا گیا کہ اللہ اپنے بندوں کو آزمائش میں بھی مبتلا کرے گا۔ اور یہ امتحان اس کو پھلوں اور رزق کی کمی، جان و مالوں کی کمی اور خوف میں مبتلا کر کے لیا جائے گا۔ اس کے بعد جو

1 البقرہ:۲۴۹، ۱۵۳، الانفال:۴۶، ۶۶ میں ذکر ہوا ہے۔

2 الانفال:۴۶

3 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۴۲۱

4 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۱۲/ ۴۴۸

5 المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الطھارۃ، باب فضل الوضوء، ح ا

اس امتحان میں کامیاب ہوتا ہے اس کو اعلیٰ درجات سے نوازا جائے گا۔ایسے صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اصل صبر وہ ہے جو کسی آزمائش یا صدمہ کی ابتداء میں ہو۔اس وقت کسی قسم کی ناشکری یا مایوسی کے کلمات ادا نہ کرے۔ بلکہ اللہ پر کامل بھروسہ اور اسی سے امید رکھے۔تب ہی وہ جنت کی نعمتوں اور جنتی لباس اور اعلی مقام کا مستحق ہو گا۔

صدق

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں صدق اور راست باز کا بڑا مقام ہے۔ سچائی انسان کو بہت سی برائیوں سے بچاتی ہے۔صدیقین کو جنت میں اعلیٰ مقام ملے گا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔یہ بہت بڑی بشارت ہے انسان کے لیے۔اور اس سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اسے جنت میں باغات ملیں گے۔اور وہ وہاں مستقل قیام کرے گا۔اور قرآن کی زبان میں اسے بڑی کامیابی کہا گیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ [1]

(اللہ فرمائے گا آج سچوں کو' ان کی سچائی کے نفع پہنچانے کا دن ہے۔ ان کے لیے باغ ہوں گے' جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی' جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے' یہی بڑی کامیابی ہے)

ابن کثیر صدیقین کی اس کامیابی کو بے مثال قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ماكثين فيها لا يحولون ولا يزولون، رضي الله عنهم ورضوا عنه، ثم يتجلى لهم الرب تعالى فيقول: سلوني سلوني أعطكم. قال: فيسألونه الرضا، فيقول: رضاي أحلكم داري، وأنالكم كرامتي،أي: هذا هو الفوز الكبير الذي لا أعظم منه''[2]

صادقین کا ٹھکانہ مستقل جنت ہو گا ہمیشہ والی جنت میں جائیں گے، وہ اللہ سے اور اللہ ان سے راضی ہو گا، صادقین کی سب سے بڑی بشارت ہی رب کی رضامندی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا تم مجھ سے جو بھی مانگو گئے تمھیں ملے گا اور وہ اللہ سے اس کی رضا کی طلب کریں گے اور تو اللہ ان سے رضامند ہونے کا اظہار کرے گا۔ ابن کثیر اس کو بے مثل کامیابی قرار دیتے ہیں۔)مولانا دریابادی اس عظیم کامیابی کا ذکر یوں کرتے ہیں:۔

---

1 المائدہ:۱۱۹

2 ابن کثیر،القرآن العظیم،۲۳۶/۳

”یہ بڑی کامیابی یا فوز عظیم یعنی نعمت جنت اور نعمت رضوان الٰہی، جس کے مقابلہ میں جنت کی عام نعمتوں کی کوئی حقیقت ہی نہیں“[1]

سچائی پر قائم رہنے والوں کو بشارت دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مقام اور مستقل ٹھکانے کے مالک ہوں گے۔ کیونکہ یہ صفت معاشرے کی اصلاح اور انفرادی طور پر بہت سی برائیوں سی بچاتی ہے۔ اسی وجہ سے صادقین کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہ عظیم کامیابی میں ہیں۔ اور بڑی بشارت یہ کہ اللہ پاک ان سے راضی ہے۔ یہ اللہ کی خوشنودی میں ہیں اور ان کو ہر وہ چیز ملے گی جس کی یہ خواہش کریں گے۔

توکل

توکل کا مفہوم یہ ہے کہ ہر کام کو دل سے اللہ کے سپرد کر دیں۔ اور ساتھ ہی تدابیر اور اسباب بھی اختیار کریں۔ احکامات الٰہی کو پورا کرتے ہوئے اور شریعت کے اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسباب کے ماتحت کوشش کرنی چاہیے۔ یہ بھی توکل کے خلاف ہے کہ انسان اسباب اور تدابیر کو فراموش کر دے۔ یا اللہ پر بھروسہ کرنا چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾[2]

(اور ایمان والوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے)

گویا دونوں چیزوں کو اپنے اپنے مقام پر رکھنے کا نام ہی توکل ہے۔ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَي اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾[3]

(پس جب آپ فیصلہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کریں بیشک اللہ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔)

سید قطب فرماتے ہیں کہ:

”والخلة التي يحبها الله ويحب أهلها هي الخلة التي ينبغي أن يحرص عليها المؤمنون. بل هي التي تميز المؤمنين.“ [4]

---

1 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۳۲۰

2 ابراہیم:۱۱

3 آل عمران:۱۵۹

4 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۱/۵۰۳

اس صفت یعنی توکل کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی محبوب رکھتے ہیں ایمان والوں کا فرض ہے کہ یہ صفت ان کے اندر بدرجہ کمال پائی جائے اور وہ اس کے لیے حریص اور خواہش مند بھی ہوں۔

﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾[1]

(اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کہیں بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لے آئے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔)

حدیث کی رو سے توکل کرنے والوں کو اللہ بغیر حساب کے جنت میں داخل کرے گا یہ بہت بڑی بشارت ہے۔ جو توکل علی اللہ کرنے والوں کو سنائی گئی ہے۔ اس آیت مبارکہ کے آخری فقرے میں یتوکلون علی ربھم کے بجائے وعلی ربھم یتوکلون کہا۔ یعنی بعد والے الفاظ کو مقدم کرنے سے حصر کے معنی پیدا ہوئے یعنی وہ صرف اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں اور کسی پر بھروسہ نہیں کرتے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((هٰؤُلَاءِ أُمَّتُكَ، وَمَعَ هٰؤُلَاءِ سَبْعُونَ أَلْفًا يَدْخُلُونَ الجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ" فَقَالَ: هُمُ الَّذِينَ لاَ يَتَطَيَّرُونَ، وَلاَ يَسْتَرْقُونَ، وَلاَ يَكْتَوُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ))[2]

(یہ آپ کی امت ہے اور یہ ان کے آگے جو ستر ہزار ہیں ان کا نہ حساب ہو گا اور نہ ان پر عذاب ہو گا۔ کہ وہ لوگ داغ نہیں لگواتے تھے اور نہ جھاڑ پھونک کرتے ہیں اور نہ شگون لیتے تھے اور صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے تھے)

سید قطب اس کے دنیاوی فائدے کا تذکرہ یوں کرتے ہیں کہ

"وهذا الشعور ضروري لكل أحد، كي يقف رافع الرأس لا يحني رأسه إلا لله. مطمئن القلب لا يرجو ولا يرهب أحدا إلا الله. ثابت الجأش في الضراء قرير النفس في السراء، لا تستطيره نعماء ولا بأساء.. ولكن هذا الشعور أشد ضرورة للقائد، الذي يحتمل تبعة ارتياد الطريق."[3]

(ہر شخص کے لیے یہ شعور اس کی عملی زندگی میں ضروری ہے۔ کیونکہ اس طرح وہ ہر کسی کے سامنے سر اٹھا کے چلے گا۔ اور اس کا سر دوسروں کے سامنے جھکے گا نہیں۔ وہ بہت مطمئن ہو گا، کسی دوسرے سے امید نہ رکھے گا اور نہ ہی اسے کسی کا خوف ہو گا مشکلات میں پر جوش اور ثابت قدم ہو گا۔ نہ خوشحالی اور نہ ہی بدحالی اسے اپنی جگہ سے ہلا سکے گی)

سید قطب شہید کے نزدیک یہ شعور اسلامی انقلاب کے قائد کے لیے بہت ہی ضروری ہے کہ وہ اس راہ کے

1 الشوریٰ:۳۶

2 البخاری، الصحیح، کتاب الطب، باب من لم یرق، ح۵۷۵۲

3 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۵/ ۳۱۶۴

نشیب و فراز میں جم جانے اور اسلامی انقلاب لانے والی جماعت کے ہر فرد میں بھی یہ صفت ضروری قرار دیتے ہیں۔

﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُه -﴾ [1]

(اور جو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے)

غرض یہ کہ توکل بہت بڑی صفت ہے۔ اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کو اللہ پسند کرتا ہے عقیدہ توحید کا پہلا تقاضا بھی یہی ہے کہ ان کا اللہ پر بھروسہ ہو۔ لہٰذا مومن صرف اللہ پر توکل کرتا ہے۔ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں مومن صرف اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔ توکل علی اللہ کا اُخروی فائدہ تو یہ ہے کہ ایک تو وہ اللہ کا محبوب بندہ بن جاتا ہے۔ دوسرا بغیر حساب کے اللہ نے چاہا تو جنت میں داخل کرے گا۔ حدیث کی رو سے بھی توکل کرنے والے بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ جو متوکلین کے لئے بڑی بشارت ہے۔

ادائے امانت

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴾-[2]

(اور جو لوگ اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت کرنے والے ہیں)

﴿الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾[3]

(جو فردوس کے وارث ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

مفسر غلام رسول مومنین کی صفت جو امانتوں کو پورا کرنے والے ہیں۔ اور دوسری صفات کی بنا پر جنت کے وارث بننے کی بشارت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ:۔

> "اور آخرت میں مومنوں کو ایک جنت تو اپنی ملے گی اور ننانوے جنتیں کفار کے ترکہ سے ملیں گی جو ان کے لئے بنائی گئی تھیں وہ اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ میں چلے گئے اور اپنی جنتوں کو ترکہ میں چھوڑ گئے جو مومنوں کو وراثت میں دیدی جائیں گی۔ مومنین جنت میں اپنے ٹھکانوں کے وارث ہوں گے اور اپنے ان بھائیوں کے ٹھکانوں کے وارث ہوں گے جو اگر اللہ کی اطاعت کرتے تو ان ٹھکانوں میں رہتے جو ان کے لئے تیار کئے گئے تھے۔"[4]

یہی لوگ وارث ہیں جو جنت الفردوس کے دائمی وارث ہونگے۔ اس وصف کی وجہ سے کہ وہ اپنی امانتیں اور

---

1 الطلاق:۳

2 المومنون:۸

3 ایضاً:۱۱

4 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۷/ ۸۶۰

اپنے وعدے پورے کرتے ہیں امانت میں خیانت نہیں کرتے بلکہ امانت کی ادائیگی میں سبقت کرتے ہیں۔ حدیث نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہے:

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اضْمَنُوا لِي سِتًّا مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ: اصْدُقُوا إِذَا حَدَّثْتُمْ وَأَوْفُوا إِذَا وَعَدْتُمْ وأدوا إِذا ائتمنتم واحفظوا فروجكم وغضوا أبصاركم وكفوا أَيْدِيكُم))[1]

(آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا تم لوگ اپنے بارے میں مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو میں تمہارے جنت میں جانے کا ضامن بنتا ہوں۔ جب بھی بولو سچ بولو وعدہ کرو تو پورا کرو تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو امانت ادا کرو اپنے ستر کی حفاظت کرو اپنی نگاہ کو محفوظ رکھو اور اپنے ہاتھوں پر قابو رکھو)

امانتوں میں خیانت کرنے والی اقوام اللہ کے غضب کا شکار ہوئی۔ کیونکہ یہ معاشرتی بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔ امانتوں کو پورا کرنے والوں کو بشارت دی گئی ہے تاکہ لوگ اس کی طرف رغبت کریں۔ احادیث مبارکہ میں بھی امانتوں کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور قرآن مجید میں باقی صفات کے ساتھ امانتوں کو پورا کرنے والوں کو جنت کا وارث قرار دیا گیا ہے۔

توبہ کرنے والے

سورۃ التوبہ میں جن مومنین کو بشارت سنائی گئی ہے۔ ان میں سے ایک توبہ کرنے والے بھی ہیں ارشاد باری تعالی ہے۔ التَّائِبُونَ توبہ کرنے والے، پھر آیت کے آخر میں فرمایا کہ ان کو بشارت دے دو۔

﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾[2]

(مؤمنوں کو بہشت کی خوشخبری سنادو۔) سورہ مریم میں ہے:

﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا﴾[3]

(ہاں مگر جنہوں نے توبہ کرلی، اور وہ ایمان لے آئے سچے دل سے اور انہوں نے کام بھی اچھے کیے تو وہ داخل ہوں گے جنت میں اور ان کی ذرہ برابر کوئی حق تلفی نہ ہوگی)

سید قطب فرماتے ہیں کہ

"فالتوبة التي تنشئ الإيمان والعمل الصالح، فتحقق مدلولها الإيجابي الواضح.. تنجي من ذلك المصير فلا يلقى أصحابها «غَيًّا» إنما يدخلون الجنة ولا يظلمون شيئا. يدخلون الجنة للإقامة.

---

1 الخطیب العمری، محمد بن عبد اللہ، مشکاۃ المصابیح، کتاب الاداب، باب حفظ اللسان، (لبنان: دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۶ھ)، ح ۴۸۷۰

2 التوبۃ:۱۱۲

3 مریم:۶۰

الجنة التي وعد الرحمن عباده إياها فآمنوابهابالغيب قبل أن يروها. ووعد الله واقع لا يضيع"[1]

(صحیح معنوں میں توبہ وہ ہوتی ہے جو ایمان اور عمل صالح پیدا کرے اور وہی برے انجام سے انسان کو بچائے۔ حقیقی معنوں میں توبہ کرنے والے ہی برے انجام تک پہنچنے سے بچ جاتے ہیں وہ جنتی ہوتے ہیں اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہوتا۔ اللہ اپنے وعدے کے مطابق انھیں ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل کر دیتا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ اس پر ایمان لائے اور دیکھنے سے قبل ہی اس پر یقین کیا۔ یہی اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کا وعدہ کبھی ضائع نہیں ہوتا)

﴿وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ ﴾[2]

(بلاشبہ میں اسے بخشنے والا ہوں جس نے توبہ کی)

﴿فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓي اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ-﴾[3]

(سو جس شخص نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے سو امید ہے کہ یہ لوگ فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے)

دنیا میں توبہ کرنے والے اور ایمان اور عمل صالحہ بجالانے والے لوگوں کو فلاح پانے کی بشارت دی گئی۔

﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴾[4]

(البتہ وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اپنی اطاعت کو اللہ کے لیے خالص کر لیا تو یہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں اور اللہ ایمان والوں کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔)

تفسیر ماجدی میں توبہ کے بارے میں یوں بیان ہوا ہے:

"توبہ اور اصلاح حال تو ان کی اپنی اختیاری چیز ہے۔ جب اور جس وقت چاہیں، سیدھی راہ اختیار کر کے مومنین کی معیت حاصل کر سکتے ہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا گناہ بھی ایسا نہیں جو موروثی یا پیدائشی ہو یا اب ناقابل اصلاح وتلافی ہو"۔[5]

جو لوگ گناہوں کے بعد سچے دل سے توبہ کر لیں نادم ہو جائیں رب سے اپنے اس گناہ کی معافی چاہیں۔ پھر اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کریں۔ اور ہر کام میں اللہ کی مرضی کو مد نظر رکھیں ریاکاری کو اخلاص سے بدل دیں۔ تو

---

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۴/ ۲۳۱۴

2 طٰہٰ:۸۲

3 القصص:۶۷

4 النساء:۱۴۶

5 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۲۵۸

بیشک اللہ ان لوگوں کی توبہ قبول فرمائے گا اور انہیں سچے مومنوں میں داخل کر دے گا اور اجر عظیم سے نوازے گا۔ اور ایسے لوگوں کو فلاح یافتہ کہا گیا۔

شکر کرنے والے

شکر کرنے کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ اللہ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ اور انھیں ہدایت کاملہ سے نوازتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴾ [1]

(اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے اللہ نے انہیں چن لیا اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت دی۔)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ چونکہ وہ اپنے رب کے بڑے شکر کرنے والے تھے۔ تو شکر کرنے کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنا خلیل بنایا۔ اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی۔ شکر وہ کرتا ہے جس اندر تکبر نہیں ہوتا۔ یہ انسان کے اندر عاجزی کی صفت پیدا کرتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالی شکر کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔ اور اسے خاص ہدایت سے نوازتا ہے۔ جو ایک بندے کے لئے بڑی بشارت ہے۔ کہ اللہ اپنی ہی دی ہوئی نعمتوں پر شاکر کو ہدایت کاملہ نصیب کرے۔

﴿وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴾[2]

(اور شکر کرنے والوں کو ہم ان کی جزا ضرور عطا کریں گے۔)

یہ شکر گزار وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی قدر و قیمت جانتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اسلامی نظام زندگی دے کر ان پر کی۔ ان کا شکر یہ ہے کہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے احکامات کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس کی حمد و ثناء بیان کرتے ہوئے شکر ادا کرتے ہیں . جیسا کی سید قطب اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں:۔

"الذين يعرفون مقدار النعمة التي منحها الله لعباده في إعطائهم هذا المنهج، فيشكروها باتباع المنهج، ويشكروها بالثناء على الله، ومن ثم يسعدون بالمنهج فيكون هذا جزاء طيباً على شكرهم، ثم يسعدون بجزاء الله لهم في الآخرة، وهو أكبر وأبقى" [3]

(یہی وہ بہترین جزا ہے جو شکر کے بدلے میں ان کا رب انھیں عطا کرتا ہے۔ اور آخرت میں بھی شکر کے باعث بہترین بدلہ ملے گا۔ شکر کی بدولت انسان تکبر سے بچ جاتا ہے۔ اور اللہ کا عاجز بندہ بن کر رہتا ہے۔ اسی بنا پر

---

1 النحل:۱۲۱

2 آل عمران:۱۴۵

3 سید قطب، فی ظلال القرآن،۱/۴۸۶

انھیں اللہ کی طرف سے ہدایت کی بشارت دی جاتی ہے)

احسان کرنے والے

احسان کے شرعی معنی میں ایمان اور اخلاص کا اضافہ ہو جاتا ہے۔یعنی کوئی خوبی اور بھلائی، کوئی حسن سلوک اور فیاضیانہ برتاو، ایمان اور اخلاص کے بغیر شرعی اصطلاح میں احسان نہیں ہوتا۔احسان کا درجہ ایمان واسلام کے بعد آتا ہے۔احسان کا تعلق خود اپنے نفس کے حقوق،بندوں کے حقوق، دیگر مخلوقات کے حقوق اور اللہ کے حقوق کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ان تمام حقوق کی ادائیگی میں ہمیں احسان کا حکم دیا گیا ہے

﴿بَلَى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾[1]

(جس نے اپنی ذات کو اللہ کی فرماں برداری کے لیے جھکا دیا اور وہ محسن ہو تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اس کے رب کے پاس، اور ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں، اور نہ یہ لوگ رنجیدہ ہونگے)

”و من أسلم وجهه لله وهو محسن.. فأخلص ذاته كلها لله، ووجه مشاعره كلها إليه، «من أسلم وجهه لله» فسمة الإسلام هي الوحدة بين الشعور والسلوك، بين العقيدة والعمل، بين الإيمان القلبي والإحسان العملي.. بذلك تستحيل العقيدة منهجا للحياة كلها وبذلك تتوحد الشخصية الإنسانية بكل نشاطها واتجاهاتها وبذلك يستحق المؤمن هذا العطاء كله:«فله أجره عند ربه ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون» ..

الأجر المضمون لا يضيع عند ربهم.. والأمن الموفور لا يساوره خوف، والسرور الفائض لا يمسه حزن.. وتلك هي القاعدة العامة التي يستوي عندها الناس جميعاً. فلا محسوبية عند الله سبحانه ولا محاباة“[2]

(جو اپنے آپکو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور نیک روش پر چلے۔ اپنی پوری ذات کو اللہ کے سپرد کر دے۔اپنے پورے شعور کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے. آگے فرماتے ہیں کہ کہ انسان کا شعور اور روش اس کا عقیدہ اور عمل، اس کا قلبی ایمان اور عملی روش کے درمیان ہم آہنگی پیدا ہو جانے کے بعد ہی ایک بندہ مومن اس عطاء الٰہی کا مستحق قرار پاتا ہے۔ اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور اسے کوئی خوف یا رنج نہیں ہو گا۔ اللہ کے سامنے جھکنے اور فرمابرداری کرنے کی محسنین کو بڑی بشارت ملی ہے)

مزید ارشاد ہوتا ہے:

---

1 البقرہ:۱۱۲

2 سید قطب، فی ظلال القرآن،۱/۱۰۴

﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾[1]

(جن لوگوں نے اچھائی کے کام کئے ان کیلئے خوبی ہے اور اس سے زائد بھی ہے 'اور ان کے چہروں پر نہ کدورت چھائے گی اور نہ ذلت یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

اس آیت کریمہ میں مومنین کو اطمینان دلایا جارہا ہے کہ نیک اعمال اور نیک کرداری کا پورا صلہ تو ملے گا ہی۔ لیکن اس کے علاوہ کچھ اور بھی ملے گا، یہ آخرت ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس میں کچھ اور کی لذت کوئی اہل محبت کے دلوں سے پوچھے۔

"یعنی مومنین کو دوام عیش تو حاصل رہے گا ہی۔ لیکن اس کے علاوہ کسی صدمہ اور غم والم سے بھی وہ کبھی دو چار نہ ہوسکیں"[2]

﴿لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ﴾[3]

(ان کے لیے ان کے رب کے پاس وہی ہے جو وہ چاہیں یہ بدلہ ہے اچھے کام کرنے والوں کا)

"يعني: في الجنة، مهما طلبوا وجدوا، {ذلك جزاء المحسنين ليكفر الله عنهم أسوأ الذي عملوا ويجزيهم أجرهم بأحسن الذي كانوا يعملون} كما قال في الآية الأخرى: {أولئك الذين نتقبل عنهم أحسن ما عملوا ونتجاوز عن سيئاتهم في أصحاب الجنة وعد الصدق الذي كانوا يوعدون"[4]

(ابن کثیر محسنین کو دی گئی بشارت کا ذکر فرماتے ہیں کہ جنت میں جو وہ چاہیں سب کچھ ملے گا۔ جب اور جو طلب کریں گے پائیں گے۔ یہی بدلہ ہے ان لوگوں کا، ان کا رب ان کی برائیاں بھی معاف فرما دیتا ہے اور نیکیاں بھی قبول کرلیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا وعدہ ہے ان کے ساتھ کہ ان کی نیکیاں ہم قبول کرلیتے ہیں اور برائیوں سے درگزر فرما لیتے ہیں۔ یہ جنتوں میں رہیں گے۔ انہیں سچا اور صحیح وعدہ دیا جاتا ہے۔ گویا کہ محسنین پر اللہ احسان کرتا ہے کہ انھیں جنت اور اس کی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ اور انھیں من پسند چیزیں ملتی ہیں)

---

1 یونس:۲۶

2 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۴۷۲

3 الزمر:۳۴

4 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۷/۹۹

فصل دوم:

اخلاق و معاشرت سے متعلق آیات میں انذار

جس طرح اخلاق حسنہ معاشرے کی بقا، امن و امان اور استحکام کے لئے ضروری ہیں بالکل اسی طرح اگر اخلاق درست نہ ہونگے تو اس سے معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو گا اور معاشرہ زوال کا شکار ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اخلاق رزیلہ پر اسلام میں انذار فرمایا گیا ہے

بخل

بخل کرم اور جود کی ضد ہے بغیر عوض کسی کو مال دینے سے منقبض اور تنگ ہونے کو بخل کہتے ہیں "کوئی شخص اس وقت مال خرچ نہ کرے جب اس مال کو خرچ کرنے کی ضرورت اور اس کا موقع اور محل ہو۔"[1]

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ [2]

(جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی ان کے لیے اچھی ہے۔ بلکہ یہ ان کے حق میں نہایت بری ہے۔ جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے روز ان کے گلے کا طوق بن جائے گا۔ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے)

سید قطب فرماتے ہیں:۔

"أن ما كنزوه سيطوقونه يوم القيامة نارا.. وهو تهديد مفزع.. والتعبير يزيد هذا البخل شناعة حين يذكر أنهم «يبخلون بما آتاهم الله من فضله» . فهم لا يبخلون بمال أصيل لهم. فقد جاءوا إلى هذه الحياة لا يملكون شيئاً.. ولا جلودهم..! فآتاهم الله من فضله فأغناهم." [3]

(ان کی جمع کردہ پونجی قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہو گا اور یہ طوق آگ سے ہو گا۔ نہایت ہی خوفناک انداز میں تہدید کی گئی ہے۔ اس میں بخل کو بہت زیادہ بد شکل کر کے پیش کیا گیا ہے۔ جب ان لوگوں کو اللہ

1 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۲/۴۸۵

2 آل عمران:۱۸۰

3 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۱/۵۳۷

نے اپنے فضل سے دیتا ہے اور پھر بھی بخل کرتے ہیں۔ وہ اپنے ذاتی مال میں بخل نہیں کر رہے بلکہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں بخل کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو سخت عذاب دیا جائے گا) تفسیر ماجدی میں ہے:۔

"بخل اور زکوٰۃ نہ دینے والے کا، مال سانپ بن کر مجرموں کی گردن میں لپٹے گا۔ اور اللہ ہی سب کا مالک حقیقی ہے سو یہ لوگ بخل درحقیقت اپنے مال میں نہیں بلکہ اللہ کے مال میں کر رہے ہیں جو اور بھی قبیح ہے"۔[1]

سورۃ النساء میں ہے:

﴿ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا﴾ (2)

(ایسے لوگ بھی اللہ کو پسند نہیں ہیں جو کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کی ہدایت کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اسے چھپاتے ہیں' ایسے کافر لوگوں کے لیے ہم نے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ سے کترانے والے بخیل لوگوں کے لیئے حدیث شریف میں ہے کہ کونسی بیماری بخل کی بیماری سے بڑھ کر ہے؟

((عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ؛ فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، أَمَرَهُمْ بِالْقَطِيعَةِ فَقَطَعُوا، وَأَمَرَهُمْ بِالْبُخْلِ فَبَخِلُوا، وَأَمَرَهُمْ بِالْفُجُورِ فَفَجَرُوا))[3]

(لوگو بخیلی سے بچو اسی نے تم سے اگلوں کو تاخت و تاراج کیا اسی کے باعث ان سے قطع رحمی اور فسق و فجور جیسے برے کام نمایاں ہوئے)

فخر و تکبر اور بخل کی اسلام میں مذمت کی گئی ہے' اور لوگوں کو بخل پر آمادہ کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ چونکہ مال اللہ کا فضل ہے اور اللہ کے فضل کو چھپانا بھی ایک مذموم حرکت ہے۔ مولانا دریابادی بخیل کے نہ صرف آخرت کی سزا کا ذکر کرتے ہیں بلکہ دنیا میں بھی اسے ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ لکھتے ہیں کہ

"انسان عموماً بخل اسی لیے کرتا ہے کہ مال بچا کر اس سے اپنے جاہ میں اضافہ کرے۔ اس جاہ پرستی کی سزا قدرۃً یہ ملے گی کہ سخت اور دردناک عذاب ہونے کے علاوہ اسے خلق کی نظر میں ذلیل و رسوا کرنے والا بھی ہو گا"۔[4]

---

1 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۲۰۲

2 النساء: ۳۷

3 البیھقی، أحمد بن الحسین، السنن الکبری، باب کراھیۃ البخل والشحّ، ح ۷۸۱۸، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۳)

4 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۲۲۷

﴿وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی﴾[1]

(اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا رہ) بخیل کو انذار کرتے ہوئے فرمایا﴿وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى﴾ [2](اور جب گڑھے میں گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا) بخل یا کنجوسی معاشرتی بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔ کیونکہ اس سے معاشی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ دنیا میں بھی یہ نقصان کا موجب ہے اور آخرت میں بھی ہلاکت کا سبب بنتی ہے۔ کیونکہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ نہ کرنا۔ اور اس کو جوڑ کر رکھنے سے یہ مال گلے کا طوق بن جاتا ہے۔ حدیث کی رو سے بخل ایک بہت بری بیماری ہے۔ کیونکہ یہ صلہ رحمی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ بخل کرنے والے کے نزدیک مال کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اسی لئے وہ اس کو خرچ نہیں کرتا۔ تاکہ وہ اس کی بدولت عزت اور اقتدار حاصل کرے۔ جبکہ یہی جمع کی ہوئی دولت آخرت میں اس کی ہلاکت بن جاتی ہے۔ اسی لیے اس پر انذار کیا گیا ہے۔

اسراف

﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّه وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴾[3]

(اور رشتہ داروں، محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ)

اسلام مالدار کو اپنے نفس کی آسائش پر سرے سے کچھ خرچ کرنے سے منع نہیں کرتا۔ بلکہ جائز حدود کے اندر اس نے اس کی بھی پوری اجازت دی ہے۔ البتہ وہ اسراف سے قطعا روکتا ہے جس سے مال کچھ روز میں تباہ ہو کر رہ جائے۔ تبذیر مال کے بے موقع یعنی معصیت کے کاموں میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔ اور اس کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک معصیت بالذات مثلا زنا، قمار بازی، شراب وغیرہ، اس میں کچھ بھی خرچ کرنا ہر حال میں حرام ہے۔ دوسرے معصیت بالغیر یعنی عمل تو خود جائز ہو، لیکن اس میں شریک ہونے کا مقصد تفاخر وغیرہ ہو۔ سورۃ الاسراء میں ارشاد ہوتا ہے:۔

﴿ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا﴾[4]

(کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کی نعمتوں کا انکار کرنے والا ناشکرا ہے۔)

---

1 اللیل:۸

2 ایضاً:۱۱

3 الاسراء:۲۶

4 الاسراء:۲۷

عبد الماجد دریابادی مبذر کی مذمت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ
"انسان کی مذمت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے شیطان سے تشبیہ دیدی جائے جو سرچشمہ ساری برائیوں کا ہے۔"[1]

﴿وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّه لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾[2]

(کھاؤ اور پیو مگر بے جانہ اڑاؤ کیونکہ اللہ فضول خرچ لوگوں کو دوست نہیں رکھتا)

﴿وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّه لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾[3]

(فضول خرچی سے بچو فضول خرچ اللہ کا دوست نہیں۔) فضول خرچی پر انذار کرتے ہوئے کہ اپنی اوقات سے بڑھ کر فخر کرنے کے لئے اپنا مال برباد نہیں کرنا چاہیے. ہر چیز میں اسراف منع ہے، اللہ کے حکم سے تجاوز کر جانے کا نام اسراف ہے خواہ وہ کسی جائز اور نیک کام کے بارے میں ہی کیوں نہ ہو۔ اپنا سارا ہی مال لٹا کر فقیر بن کر دوسروں پر اپنا بوجھ ڈال دینا بھی اسراف ہے، اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے۔ اسلام مال میں جس طرح بخل پسند نہیں کرتا اسی طرح بے جا مال اڑانے پر بھی انذار کیا گیا ہے۔ کیونکہ مال اللہ کی دی ہوئی عظیم نعمت ہے اور جو اس نعمت کی قدر نہیں کرتا تو وہ ناشکری کے معنوں میں آتا ہے۔ اسی لیے اس کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ بالکل پسند نہیں کرتا۔

احسان جتانا / ریاکاری

کوئی بھی نیکی کا کام کرنے کے بعد اس پر احسان جتانا اور دکھاوے کے لیے کرنا دونوں پر انذار کیا گیا ہے۔ قرآن کی رو سے ایسے کاموں پر انسان کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوتا ہے

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ﴾[4]

(اے ایمان والو! اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو احسان جتا کر اور دل آزاری)

ابن کثیر احسان جتانے والے کے برے انجام کا یوں تذکرہ کرتے ہیں:۔

"أي: فترك الوابل ذلك الصفوان صلدا، أي: أملس يابسا، أي: لا شيء عليه من ذلك التراب، بل قد ذهب كله، أي: وكذلك أعمال المرائين تذهب وتضمحل عند الله وإن ظهر لهم أعمال

1 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۶۱۱
2 الاعراف:۳۱
3 الانعام:۱۴۱
4 البقرۃ:۲۶۴

فيما يرى الناس كالتراب"[1]

(احسان کرنے والے کے ثواب کی مثال اس طرح ہے جیسے پتھر کے اوپر مٹی پڑی ہو اور ہلکی سی بارش ہو تو مٹی بہہ جائے ایسے ہی ریاکاری سے احسان کرنے والے کا ثواب بھی جاتا رہتا ہے اللہ کے حضور اس کا کوئی خزانہ اور جزانہ ہو گی۔)

سید قطب احسان جتلانے کی مذمت یوں کرتے ہیں کہ

"والمن عنصر كريه لئيم، وشعور خسيس واطٍ. فالنفس البشرية لا تمن بما أعطت إلا رغبة في الاستعلاءالكاذب، أو رغبة في إذلال الآخذ، أو رغبة في لفت أنظار الناس." [2]

سید قطب بھی احسان جتلانے کو ایک مکروہ، ناپسندیدہ اور گھٹیا درجے کی حرکت بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں یہ ایک ایسا شعور ہے جو نہایت ہی پست ہے۔ انسانی نفس صرف اس صورت میں احسان جتلاتا ہے جب وہ جھوٹے احساس برتری میں مبتلا ہو۔ ایسے لوگوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا﴾[3]

(اور وہ لوگ جو اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جس کا ساتھی شیطان بن جائے وہ نہایت برا ساتھی ہے۔)

"اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ محتاجوں اور ضرورت مندوں میں اللہ کی رضا کے لئے اپنا مال تقسیم کرو، منافقین اس حکم کی نافرمانی دو طرح سے کرتے تھے۔ یا تو خود مال خرچ نہیں کرتے تھے اور خرچ کرنے والوں کو بھی منع کرتے تھے یا پھر لوگوں کو دکھانے سنانے اور نام آوری کے لیے خرچ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کے لیے ذلت والے عذاب کی وعید بیان فرمائی ہے"[4]

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاءُوْنَ ﴾[5]

(جو ریاکاری کرتے ہیں)

ابن کثیر ریاکاری کی مذمت بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ

---

1 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۱/۶۹۴

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۱/۳۰۶

3 النساء:۳۸

4 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۲/۴۸۵

5 الماعون:۶

"وكذا الآية التي بعدها، وهي قوله: {والذين ينفقون أمواهم رئاء الناس فذكر الممسكين المذمومين وهم البخلاء، ثم ذكر الباذلين المرائين الذي يقصدون بإعطائهم السمعة وأن يمدحوا بالكرم-"[1]

(کہ دکھاوے کے لئے جو بھی مال راہ اللہ خرچ کیا جائے گا اس کی مذمت بیان کی جا رہی ہے اول تو انسان اللہ کی راہ میں مال دیتا ہی نہیں بلکہ اس میں بخل کرتا ہے اور جمع پونجی جوڑ جوڑ کر رکھتا ہے پھر ان کا بتایا گیا کہ مال تو خرچ کرتا ہے مگر اس میں ریاکاری کرتا ہے سو ان سب کو انذار کیا گیا ہے)۔

پس احسان جتلانا بیک وقت دینے والے اور لینے والے دونوں کے لیے موجب اذیت ہے۔ دینے والے کے دل میں کبر و غرور پیدا ہوتا ہے۔ اس کے دل میں نفاق، ریاکاری اور اللہ سے دوری کے جذبات پیدا ہوں گے اور لینے والے کے لیے اذیت یوں ہے کہ وہ اپنے آپ کو کمتر اور شکستہ حال خیال کرتا ہے اور پھر اس کے دل میں حقارت، احساس کمتری اور انتقام کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کی سختی ممانعت کی گئی ہے کیونکہ اس سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

بدگمانی

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾[2]

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بہت سے گمانوں سے بچو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں)

اس آیت مبارکہ میں بدگمانی سے منع کیا گیا ہے جو معاشرے کے تحفظ کے لیے بھی ضروری ہے۔ جس میں ایک فرد کی آزادی اور اس کی عزت محفوظ ہوتی ہے۔

اسلام میں دوسروں کے بارے میں بہت زیادہ گمان اور برے گمان کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کسی کے بارے میں شک کی بنا پر اپنے فیصلے نہیں کرنے چاہییں۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ زیادہ زور بعض الظن پر ہے۔ یعنی بدگمانی گناہ ہے۔ کیونکہ کسی کو یہ معلوم تو نہیں ہوتا کہ میرا کونسا ظن صحیح اور کونسا غلط ہے لہٰذا کسی پر کوئی بدگمانی نہیں کرنا چاہیے۔ لہٰذا ہمیں ایک دوسرے کے بارے میں اچھا گمان ہی رکھنا چاہیے اور ہر قسم کے شک و شبہے سے دلوں کو صاف رکھنا چاہیے۔ اس سے ہر شخص ایک دوسرے سے مطمئن ہوتا ہے اور ایسے معاشرے میں زندگی اطمینان والی اور خوشی سے گزرتی ہے مولانا دریابادی بدگمانی کے نقصانات اور اس سے بچنے کے اچھے فوائد کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ:۔

---

1 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۲/ ۳۰۳

2 الحجرات: ۱۲

"حق تعالیٰ کے ساتھ نیک گمان رکھنا واجب ہے اور حق تعالیٰ اور عام مسلمانوں کے ساتھ بد گمانی ممنوع وناجائز ہے۔ بد گمانیوں کی عام عادت جو بطور وباء کے ہم لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ آیت اس پر کیسی ضرب لگا رہی ہے۔ بات بات پر بلاوجہ بھائیوں سے بد گمانی، بیوی، بچوں سے بد گمانی، پڑوسیوں سے بد گمانی، نوکروں چاکروں سے بد گمانی، گویا بد گمانی کو ہم لوگوں نے اوڑھنا، بچھونا بنا رکھا ہے۔ یہ بد گمانی کی خلش اگر دل سے دور ہو جائے تو ہم میں ہر ایک کی زندگی کتنی راحت سے بسر ہونے لگے۔"[1]

سورہ فتح میں بد گمانی کرنے والے کو انذار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ [2]

(اور تاکہ اللہ سزا دے منافق مردوں اور منافق عورتوں، مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو، جو اللہ کے متعلق برے گمان رکھتے ہیں، برائی کی گردش ان ہی پر ہے اور ان پر اللہ کا غضب ہوا اور اس نے ان پر لعنت کی اور اس نے ان کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے اور نہایت برا ٹھکانا ہے)

ابن کثیر نفاق اور شرک کرنے والے مرد و عورت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے احکام میں بد ظنی کرتے ہیں اور نبی پاک ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کے ساتھ برے خیال رکھتے ہیں آج نہیں تو کل ان کا نام و نشان مٹا دیا جائے گا اس جنگ میں بچ گئے تو اور کسی لڑائی میں تباہ ہو جائیں گے۔ آگے ان کے برے انجام کے بارے میں فرمایا کہ

"ولهذا قال:عليهم دائرة السوء وغضب الله عليهم ولعنهم أي: أبعدهم من رحمته وأعد لهم جهنم وساءت مصيرا.ثم قال مؤكدا لقدرته على الانتقام من الأعداء أعداء الإسلام من الكفرة والمنافقين:ولله جنود السموات والأرض وكان الله عزيزا حكيما" [3]

(یہ لوگ اللہ کے غضب کا شکار ہوں گے نہ صرف ان سے رحمت کو دور کیا جائے گا بلکہ جہنم ہی ان کا ٹھکانا ہو گی اور اسے برا ٹھکانا کہا گیا ہے۔ اللہ ان سے انتقام لینے پر قادر ہے کیونکہ وہ زمین اور آسمان کا مالک ہے اور زبردست حکمت والا ہے)۔

غرض ہمیں انفرادی طور پر ہی نہیں بلکہ اجتماعی سطح پر بھی اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ بد گمانی سے بچیں۔ کیونکہ اس سے لوگوں کے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے۔ اسلام کے پاکیزہ معاشرے میں کسی کو محض شک کی بنیاد پر

---

1 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۷، ۱۰۲

2 الفتح:۶

3 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۷/۳۲۹

نہیں پکڑا جاتا، نہ شک کی بنا پر مقدمے قائم کئے جاتے ہیں بلکہ شک کی بنیاد پر کسی کو دائرہ تفتیش میں لانا بھی جرم ہے۔

تکبر

﴿وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنْكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾[1]

(اور رہے وہ لوگ جنھوں نے بندگی کو عار سمجھا اور تکبر کیا پس اللہ ان کو عذاب دے گا دردناک عذاب۔ اور وہ اللہ کے بالمقابل نہ کسی کو اپنا دوست پائیں گے نہ مددگار)

تفسیر فی ظلال القرآن میں ہے۔

''والذين يستنكفون من العبودية لله، يذلون لعبوديات في هذه الأرض لا تنتهي.ولكنهم يتخذونهم آلهة لهم من دون الله.. هذا في الدنيا.. أما في الآخرة ''فيعذبهم عذاباأليما، ولا يجدون لهم من دون الله وليا ولا نصيرا'' [2]

(اللہ کی عبادت کو گراں سمجھنے والے دنیا میں دوسری لاتعداد اور نہ ختم ہونے والی بندگیوں میں پھنس جاتے ہیں۔ اس طرح غیر اللہ کی اطاعت کرکے انہوں نے غیر اللہ کو اپنا معبود تسلیم کرلیا ہے۔ وہ دنیا میں بھی ذلیل ہوں گے۔ اور دوسری زندگی کو بھی برباد کریں گے اور اللہ کو چھوڑ کر جن کی بندگی کرتے تھے ان کو بھی وہ وہاں نہ پائیں گے)۔

﴿وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾[3]

(اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور تکبر کرکے ان سے اعراض کیا' وہی ہیں دوزخ والے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے) مولانا دریابادی کفار اور متکبر کا مستقل ٹھکانہ جہنم بتلاتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ گناہ گار مومن آخر عذاب سے نجات پا جائے گا، عذاب دائمی میں رہنے والے صرف مکذبین و منکرین ہونگے۔''[4]

﴿فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ﴾[5]

(سو جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ رہو گے، سو تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے)

تفسیر ابن کثیر میں تکبر کرنے والوں کے بدترین انجام کا تذکرہ یوں کیا گیا۔

---

1 النساء:۱۷۳

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۸۲۱/۲

3 الاعراف:۳۶

4 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۳۷۰

5 النحل:۲۹

”قال الله مكذبا لهم في قيلهم ذلك:بلى إن الله عليم بما كنتم تعملون فادخلوا أبواب جهنم خالدين فيها فلبئس مثوى المتكبرين أي: بئس المقيل والمقام والمكان من دار هوان، لمن كان متكبرا عن آيات الله واتباع رسله.وهم يدخلون جهنم من يوم مماتهم بأرواحهم، ويأتي أجسادهم في قبورها من حرها وسمومها، فإذا كان يوم القيامة سلكت أرواحهم في أجسادهم، وخلدت في نار جهنم“[1]

(یہ ان کے اعمال ہیں جن کے باعث انھیں انذار کیا گیا ہے کہ اب تمھارا مستقل ٹھکانہ یہ جہنم ہی ہے۔ نہایت ہی برا مقام، برا مکان، بری ذلت اور رسوائی والا، اللہ کی آیتوں سے تکبر اور انکار کرنے کا اور اس کے رسولوں کی پیروی سے جی چرانے کا یہی بدلہ ہے۔ ان کی روحیں جہنم رسید ہو جائیں اور قبروں میں جسموں پر جہنم کی گرمی اور اس کی لپک آنے لگی۔ قیامت کے دن روحیں جسموں سے مل کر نار جہنم میں چلیں گئیں اب نہ موت نہ تخفیف۔

یعنی ان لوگوں کا جو رعونت نفس کی بنا پر قبول حق سے انکار کرتے رہتے ہیں. ”مثوی المتکبرین“ ان الفاظ سے گویا یہ ظاہر کر دیا کہ تکبر کی قدرتی اجزاء دوزخ ہی ہے۔ یعنی اپنی اپنی منزل وطبقہ کے مطابق جہنم کے مختلف دروازوں سے اس کے مختلف درجوں میں داخل ہو۔ ”خلدین فیھا“ یہاں تمام اہل جہنم کو سنا دیا کہ درجات عذاب گو نسبۃً کم اور زائد ہوں، لیکن خلود ودوام بہر حال سب کے لیے ہے۔ رہائی، مخلصی کی صورت کسی کے لیے نہیں۔)

﴿قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾[2]

(کہا جائے گا جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، یہاں اب تمہیں ہمیشہ رہنا ہے بس کیا ہی برا ٹھکانا ہے متکبروں کا)

اللہ تعالیٰ نے اہل دوزخ والوں کے لئے فرمایا خسارہ، لعنت وپھٹکار ہو اہل دوزخ پر، یعنی ہر وہ شخص جو انہیں دیکھے گا تو وہ ان کی حالت کو دیکھ کر کہہ اٹھے گا کہ بیشک یہ اسی لائق ہیں۔ اوران سے کہہ دیا جائے گا کہ اب رہو جہنم میں یہیں ہمیشہ جلتے رہنا نہ یہاں سے کسی طرح کسی وقت چھٹکارا ملے نہ تمہیں موت آئے۔ یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے جس میں دن رات جلنا ہی جلنا ہے۔ یہ تمہارے تکبر کا اور حق کو نہ ماننے کا بدلہ ہے۔ جس نے تمہیں ایسی بری جگہ پہنچایا۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ﴾[3]

(بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب بحالت ذلت جہنم میں داخل ہونگے۔)

1 ابن کثیر، ۴/۵۶۷

2 الزمر:۷۲

3 غافر:۶۰

جو لوگ اللہ کی طرف متوجہ ہونے سے کبر کرتے ہیں تو ان کی سزا یہ ہے کہ جہنم میں خوار اور ذلیل کر کے پھینکے جائیں اور کبر کی سزا اللہ کے ہاں یہی ہے جس کی وجہ سے انسان پھولتا ہے۔ ایک چھوٹا سا انسان، اس چھوٹی سی زمین پر اور اس چھوٹی سی زندگی میں۔ اور یہ شخص اللہ کی عظیم تخلیق کو بھول جاتا ہے، اللہ کی عظمت کو بھول جاتا ہے اور آخرت کو بھول جاتا ہے جبکہ یہ آنے والی ہے، اور وہاں پھر اسے ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں گرنا ہو گا۔

﴿اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴾[1]

(اب داخل ہو جاؤ تم سب جہنم کے دروازوں میں جہاں تم کو ہمیشہ رہنا ہے سو بڑا ہی برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا)

تفسیر ماجدی میں ہے۔ جن کے قبول حق کی راہ میں ان کا تکبر ہی مانع رہتا ہے "ابواب جھنم "جہنم کے دروازے متعدد ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ ہر ہر طبقہ کے منکرین کے لیے الگ الگ دروازہ ہو۔)[2]

﴿يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾[3]

(اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے جو اس کے روبرو پڑھی جاتی ہے۔ پھر وہ تکبر کرتے ہوئے اصرار کرتا ہے گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں سو ایسے شخص کو آپ دردناک عذاب کی بشارت دے دیجیے،)

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

''ولهم عذاب عظيم -ثم قال تعالى: هذا هدى يعني القرآن ،والذين كفروا بآيات ربهم لهم عذاب من رجز أليم''[4]

(تکبر کرنے والوں کو شدید قسم کے اور بڑے عذاب سے واسطہ پڑے گا اور اللہ کی کتاب کے بارے میں ارشا فرمایا کہ یہ تو سراسر ہدایت کی کتاب ہے اور انکار کرنے والے کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔)

غلام رسول سعیدی متکبر کے انجام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"بعض لوگوں کے سامنے جب قرآن مجید کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ بظاہر ان آیات کو سن رہے ہوتے ہیں لیکن وہ غفلت کی وجہ سے یا قرآن مجید کو غیر اہم سمجھنے کی وجہ سے حقیقت میں قرآن مجید کو نہیں سنتے، ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے، کیونکہ وہ تکبر کی وجہ سے حق کو قبول نہیں کرتے اور ان آیات کے

1 ایضاً:۷۶

2 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۹۵۴

3 الجاثیہ:۴۵

4 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۷/۲۶۵

تقاضوں پر عمل نہیں کرتے۔ جو اس کا انکار کرے گا وہ دوزخ کے رسوا کرنیوالے عذاب میں گر جائے گا"[1]

غرض تکبر کی اسلام میں سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ کیونکہ اس تکبر کی بنا پر ہی شیطان کو جہنم سے نکالا گیا تھا۔ تکبر کرنے والے کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہ دنیا اور آخرت دونوں میں ذلیل و خوار ہونگے۔ ان کا مستقل ٹھکانہ جہنم ہو گا۔ ہر طرح کے تکبر سے منع کیا گیا ہے خواہ وہ مال و دولت، اولاد یا دنیاوی کسی چیز پر ہو یا عبادات وغیرہ میں یا اللہ کی آیات کا تکبر کی بنا پر انکار کرے۔ تو ایسے متکبرین کو دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ کیونکہ رائی کے دانے کے برابر تکبر رکھنے والا جنت میں داخل ہونا دور کی بات اس کی خوشبو بھی نہ سونگھ پائے گا۔

جھوٹ

جھوٹ ایک سخت برائی ہے۔ اس سے مراد حقیقت کے خلاف کوئی بات کرنا ہے۔ یعنی فرضی بات کہنا جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ایسے شخص پر لعنت کی گئی ہے۔ اور اسے ظالم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا﴾[2]

(اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے۔)

پھر آیت کے آخر میں جھوٹ بولنے والے کو انذار کرتے ہوئے فرمایا

﴿وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخرِجُوا أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ﴾[3]

(اور فرشتے ہاتھ بڑھائے ہوئے مطالبہ کر رہے ہوں گے کہ اپنی جانیں حوالہ کرو! آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا بوجہ اس کے کہ تم اللہ پر ناحق تہمت جوڑتے تھے)

سید قطب اس آیت مبارکہ کے ضمن میں مکذبین کو جس طرح انذار کیا گیا ہے فرماتے ہیں:۔

''والمشهد الذي يرسمه السياق في جزاء هؤلاء الظالمين (أي المشركين) مشهد مفزع مرعب مكروب مرهوب.الظالمون في غمرات الموت وسكراته- ولفظ غمرات يلقي ظله المكروب- والملائكة يبسطون إليهم أيديهم بالعذاب ، وهم يطلبون أرواحهم للخروج! وهم يتابعونهم بالتأنيب''

---

1 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۷۴۹

2 الانعام: ۹۳

3 ایضاً

اس کے بعد اس کے برے بدلے کا تذکرہ یوں کرتے ہیں کہ

"وجزاء الاستكبار العذاب المهين، وجزاء الكذب على الله هذا التأنيب الفاضح.. وكله مما يضفي على المشهد ظلالاً مكروبة، تأخذ بالخناق من الهول والكآبة والضيق! ثم في النهاية، ذلك التوبيخ والتأنيب من الله تعالى، الذي كذبوا عليه، وها هم أولاء بين يديه، يواجههم في موقف الكربة والضيق" [1]

ان مشرک ظالموں کا جو انجام بیان ہوا ہے وہ نہایت ہی خوفناک 'کربناک اور ہراساں کر دینے والا ہے۔ ان کی حالت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے اس سے نظر آتا ہے کہ یہ ظالم سکرات الموت کی حالت میں ہیں اور اسی حالت کے لیے لفظ "غمرات "کا استعمال ہوا ہے کہ ان کی حالت نہایت دردناک ہو گی۔ فرشتے ان کی جان لینے کے لیے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے اور فرشتوں کی یہ گرفت بھی سزا کے طور پر ہو گی۔ یہ فرشتے ان کی روح نکال لیں گے اور پھر عذاب الٰہی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یہ توہین آمیز سزا انہیں اس لیے دی جا رہی ہے کہ انہوں نے اللہ پر جھوٹ اور افتراء باندھا ۔ ان امور کے تذکرے سے اس منظر پر ایک خوفناک فضا طاری ہو جاتی ہے اور اس کو دیکھ کر انسان خوف کے مارے دہشت زدہ ہو جاتا ہے اور آخر میں یہ توبیخ اور جھڑک اس وقت ہوتی ہے جب وہ اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔

﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴾ [2]

(اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے وہ چیز تجویز کرتے ہیں جو خود اپنی لیے ناپسند کرتے ہیں اور ان کی زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں کہ ان کے لیے اچھا انجام ہے، یقینا ان کے لیے آتش جہنم ہے اور انھیں دوزخ میں پہلے بھیجا جائے گا۔)

حدیث کی رو سے جھوٹ بولنے والا مومن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ ایک قبیح فعل ہے۔ اور منافق کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اور منافق کا ٹھکانہ جہنم کا سب سے نچلا حصہ ہے۔ اور یہ معاشرتی فساد کا سبب بھی بنتا ہے۔ رزائل اخلاق میں سب سے بری عادت جھوٹ کو کہا گیا ہے۔ کیونکہ یہ اور بہت سی برائیوں کا پیش خیمہ ہے۔ اور آخرت میں ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔

حسد

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِه بَعْضَكُمْ عَلي بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۲/ ۱۱۴۹

2 النحل: ۶۲

مِمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِه اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾[1]

(نہ تمنا کرو اس چیز کی جس میں اللہ نے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے۔ مردوں کو حصہ ملے گا اس میں سے جو انھوں نے کمایا اور عورتوں کو حصہ ملے گا اس میں سے جو انھوں نے کمایا اور اللہ سے اس کے فضل میں سے حصہ مانگو، بیشک اللہ ہر چیز سے باخبر ہے)

حسد سے مراد اللہ تعالیٰ نے دوسرے لوگوں کو جو فضیلت دی ہے اس کی تمنا کرنا یا اس کے حوالے سے دل میں بغض وغیرہ رکھنا۔ اس سے اہل اسلام کو منع کیا گیا ہے اور آیت مبارکہ اس بارے میں عام ہے کہ یہ فضیلت کیسی بھی ہو کسی مال واسباب میں فضیلت کے بارے میں، عہدہ ومرتبہ میں فضیلت کے بارے میں یا صلاحیت وقابلیت میں فضیلت غرض اس زندگی میں نصیب کے اعتبار سے جو بھی فرق وامتیاز موجود ہو' اس بارے میں دوسروں کے مقابلے میں بغض اور تمنائیں نہیں کرنی چاہئیں۔ ہر چیز کا سوال اللہ سے کیا جائے اور ہر امر کی طلب براہ راست اللہ سے ہونی چاہیے۔ دوسروں کی فضیلتوں پر خواہ مخواہ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ کر دل کی حسرتوں کی آماجگاہ بنالینا اور اس کے بعد اس سے حسد وکینہ اور بغض وانتقام کے برے جذبات پیدا کر کے دوسروں پر حملہ آور ہوں یا ان کے اندر محرومیت' ہلاکت اور تباہی کے جذبات پیدا ہوں۔ ان جذبات کے بعد پھر ہر کسی کے خلاف بدظنی پیدا ہو' اس سے معاشرے میں فساد اور بدامنی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے اس پر انذار کیا گیا ہے۔ سید قطب شہید اس کا اظہار یوں کرتے ہیں:۔

"حيث تكون القاصمة، التي تذهب بطمأنينة النفس، وتورث القلق والنكد وتستهلك الطاقة في وجدانات خبيثة، وفي اتجاهات كذلك خبيثة. بينما التوجه مباشرة إلى فضل الله، هو ابتداء التوجه إلى مصدر الإنعام والعطاء، الذي لا ينقص ما عنده بما أعطى، ولا يضيق بالسائلين المتزاحمين على الأبواب! وهو بعد ذلك موئل الطمأنينة والرجاء ومبعث الإيجابية في تلمس الأسباب، بدل بذل الجهد في التحرق والغيظ أو التهاوي والانحلال!" [2]

(حسد کے باعث صورت حال اس قدر تباہ کن ہو گی کہ معاشرے میں امن وسکون کا نام ونشان باقی نہیں رہے گا' ہر شخص ذہنی دباؤ اور قلق کا شکار ہو گا' انسانی قوتیں اور طاقتیں غلط رجحانات اور بدی کی راہوں میں صرف ہو کر ضائع ہوں گی جبکہ اس کے مقابلے میں یہ رجحان کہ سب کچھ عطا کرنے والا اللہ ہے' وہی فضل وکرم کا منبع ہے۔ اور یہ عقیدہ کہ عطاء اور داد ودہش سے اس کے خزانوں میں کوئی کمی پیدا نہیں ہوتی)۔

﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾[3]

---

1 النساء:۳۲

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۲/۶۴۲

3 الفلق:۵

(اور حاسد کے شر سے جبکہ وہ حسد کرے)

مولانا دریابادی حسد کو دنیوی مخالفتوں کا سبب قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"دنیوی مخالفتوں اور عداوتوں کی تہ میں عموماً اور اکثر حسد ہی کام کرتا ہے، حسد کی کارفرمائیوں سے پناہ چاہنا دنیوی تکالیف کے اسباب میں سے ایک بہت بڑے سبب سے پناہ چاہ لینا ہے"([1])

حسد کے مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ اس سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ جب بندہ اللہ کے بندوں کے اوپر اللہ کا کرم دیکھ کر کوئی برا تاثر لے یا یہ خواہش کرے کہ اس بندے پر سے اللہ کی نعمت دور ہو جائے۔ اس تاثر کے بعد اس بندے سے نعمتوں کو دور کرنے کے لیے کوشش کرے گا۔ یا ممکن ہے کہ وہ اس بندے کے خلاف کوئی شر عملاً بھی اٹھائے۔ بہر حال حاسد کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنا چاہیے اور اللہ کی حفاظت میں اپنے آپ کو داخل کرنا اور اللہ کی پناہ میں آنے کی دعا کرنی چاہیے۔ یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ وہ اپنے رسولوں اور بندوں کو ہدایت فرماتا ہے۔ جو ہر قسم کے شر سے پناہ گاہ فراہم کرنے والا ہے۔

خیانت اور دھوکہ دہی

خیانت سے مراد دوسروں کے حقوق کو ایمان داری سے ادا نہ کرنا اور بد دیانتی ہے۔ یہ امانت کی ضد ہے خیانت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا ہے۔ بظاہر تو وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ خیانت کرتا ہے لیکن در حقیقت وہ اپنے ساتھ خیانت کر رہا ہوتا ہے۔ وہ اپنے نفوس کو ایسے جرم میں ملوث کرتا ہے جس کی سزا بہت ہی سخت تھی۔ اللہ انہیں سخت سزا دے گا۔

﴿ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنْفُسَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا﴾([2])

(جو لوگ اپنے نفس سے خیانت کرتے ہیں آپ ان کی حمایت نہ کریں۔ اللہ کو ایسا شخص پسند نہیں ہے جو خیانت کار اور معصیت پیشہ ہو)

ظاہر ہے کہ یہ اپنے نفس کے خلاف بھی خیانت ہے۔ اور وہ اپنے ضمیر کو جھوٹ کہہ کر اور جرم کر کے خیانت میں ملوث کر رہا ہوتا ہے۔ اور اللہ کی ناپسندیدگی تمام سزاؤں میں سے بڑی سزا ہے۔ ان لوگوں کو خیانت کار اور معصیت پیشہ کہنے کے بعد ان کا پردہ یوں چاک ہوتا ہے: یہ لوگ انسانوں سے اپنی حرکات چھپا سکتے ہیں مگر خدا سے نہیں چھپا سکتے۔ خیانت کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

1 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۱۱۹۱

2 النساء:۱۰۷

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[1]

(اے ایمان والو! خیانت نہ کرو اللہ سے اور رسول سے اور خیانت نہ کرو آپس کی امانتوں میں، اس حال میں کہ تم جانتے ہو)

"أو اقتطاع مال بغير حق أيضا إذا حدث الرجل بحديث ثم التفت فهو أمانة---فإفشاء السر خيانة محرمة-"[2]

(یہ تنبیہ حقیقی مسلمانوں کو کی گئی ہے اس لیے کہ مال و دولت ایک ایسی چیز ہے کہ یہ انسان کو اکثر خیانت کی طرف ملتفت کر دیتی ہے اور خاص راز کی بات بھی انسان ایسی جگہ کہہ دیتا ہے جہاں نہیں کہنی چاہیے اور راز کی بات امانت میں داخل ہے)

﴿وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ﴾[3]

(اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو پھینک دیجئے ان کی طرف کا عہد اس طرح کہ آپ اور وہ برابر ہو جاؤ، یقیناً اللہ تعالیٰ خائنوں کو پسند نہیں کرتا۔)

ابن کثیر کافروں کے ساتھ بھی خیانت کو ناپسند کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

" وإما تخافن من قوم قد عاهدتهم خيانة أي: نقضا لما بينك وبينهم من المواثيق والعهود، فانبذ إليهم أي: عهدهم على سواء أي: أعلمهم بأنك قد نقضت عهدهم حتى يبقى علمك وعلمهم بأنك حرب لهم، وهم حرب لك، وأنه لا عهد بينك وبينهم على السواء، أي: تستوي أنت وهم في ذلك، قال الراجز. فاضرب وجوه الغدر الأعداء حتى يجيبوك إلى السواء وعن الوليد بن مسلم أنه قال في قوله: فانبذ إليهم على سواء أي: على مهل، إن الله لا يحب الخائنين أي: حتى ولو في حق الكفارين، لا يحبها أيضا. "[4]

ابن کثیر اللہ کا ارشاد بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور کافروں تک سے عہد توڑنے سے منع کیا ہے۔ جیسے فرمایا کہ اے نبی اگر تم کسی سے عہد کرو اور تمھیں اس بات کا ڈر ہو کہ وہ وعدہ خلافی یا بد عہدی کریں گے تو تم برابری کی سطح پر انھیں اطلاع کر کے عہد کو توڑ دو تا کہ وہ عہد و پیمان کے خیال میں نہ رہیں۔ اس لئے کہ اللہ کو خیانت پسند نہیں ہے اور کفار سے بھی خیانت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

---

1 الانفال:۲۷

2 رشید رضا، تفسیر المنار، (الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۱۹۹۰ء)، ۹/۵۳۵

3 الانفال:۵۸

4 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۴/۷۹

﴿إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ﴾ [1]

(بلاشبہ اللہ ایمان والوں سے رفع فرمادے گا بلاشبہ اللہ کسی بھی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں فرماتا)

اور اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والے کو رسوا کر کے رہے گا۔ اور انکے اُخروی انجام کے بارے میں فرمایا:

﴿ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِينَ﴾[2]

(اور دونوں نے ان کی خیانت کی تو وہ اللہ کے مقابلے میں ان دونوں کے کچھ بھی کام نہ آئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ اور داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔)

﴿وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾[3]

(جو کوئی خیانت کرے تو وہ اپنی خیانت سمیت قیامت کے روز حاضر ہو گا۔)

مولانا دریابادی خیانت کو کبیرہ گناہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔"کہ اتنی بڑی تعداد میں مفسرین نے لکھاہے کہ غلول یاخیانت معصیت کبیرہ ہے۔"[4]

ذی روح کا قتل

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾ [5]

(اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ یقین مانو کہ اللہ تمہارے ساتھ انتہائی مہربان ہے۔ جو شخص ظلم وزیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا اس کو ہم ضرور آگ میں جھونکیں گے اور یہ اللہ پر آسان ہے۔)

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾ [6]

(اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزاء جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے۔ اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے)

قتل خطا کے بعد اس آیت مبارکہ میں جان بوجھ کرنے والے قتل کے بارے میں بتایا جارہا ہے کہ یہ شرک

1 الحج:۳۸

2 التحریم:۱۰

3 آل عمران:۱۶۱

4 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۱۹۷

5 النساء:۲۹۔۳۰

6 ایضاً:۹۳

کے زمرے میں آتا ہے اس پر سخت سزا سنائی گئی ہے ایک حدیث کا مفہوم اس بارے میں یہ ہے کہ اگر تمام روئے زمین و آسمان کے لوگ مسلمان کے قتل کرنے میں مل جائیں تو وہ سارے جہنمی ہیں اور اگر کوئی قتل میں تھوڑا شریک ہو تو وہ بھی اللہ کی رحمت سے محروم ہو گا۔

تفسیر فی ظلال القرآن میں ہے:

''فأما القتل العمد، فهو الكبيرة التي لا ترتكب مع إيمان والتي لا تكفر عنها دية ولا عتق رقبة وإنما يؤكل جزاؤها إلى عذاب الله۔''[1]

ابن قطب قتل عمد کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ قتل اس قدر کبیر گناہ ہے کہ ایمان کے ساتھ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ دیت سے اس کا کفارہ ہوتا ہے اور نہ ہی غلام آزاد کرنے سے گناہ معاف ہو سکتا ہے۔ اس شخص کی سزا یہ ہے کہ وہ اللہ کے عذاب کے حوالے ہو گا۔

غلام رسول سعیدی قاتل کی سزا پر انذار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"جو شخص (مسلمان) کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے پھر توبہ کئے بغیر مر جائے تو اس کے لئے طویل مدت تک دوزخ میں رہنے کی وعید ہے۔ ایسے شخص پر اللہ کا غضب نازل ہو گا، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو گا اور اس کے لئے عذاب عظیم تیار ہے"[2]

﴿فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾[3]

(پھر بھی آمادہ کر لیا اس کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر، سو اس نے اسکو قتل کر ڈالا جس کے نتیجے میں وہ ہو گیا خسارہ اٹھانے والوں میں سے۔)

"یہ حال ہر بدی و معصیت کا ہے، ابتداء ہر فطرت سلیم اس سے رکتی ہے، ہچکچاتی ہے، لیکن نفس رفتہ رفتہ اس کی جانب مائل اور اس پر گرویدہ ہوتا جاتا ہے، اور اس کی طرف سے جھجک مٹتی جاتی ہے، یہاں تک کہ انسان اسے بے دھڑک کر گزرتا ہے۔ خسران اور نقصان اس سے بڑھ کر کیا ہو گا کہ دنیا میں جس نے سب سے پہلا قتل کیا، قتل انسانی اور برادر کشی کا مرتکب ہوا۔ اور آخرت میں عذاب شدید کا مستحق ہوا"[4]

الغرض کسی جان کا جان بوجھ کر قتل کرنے والے کی سزا جہنم ہے۔ اور سب سے پہلے قتل کرنے والے کو ہر قتل کے گناہ کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ چنانچہ ایک حدیث کا مفہوم اس کے بارے میں ہے کہ دوبرا کہنے والے جو کچھ کہیں

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۲/۷۳۶

2 سعیدی، تبیان القرآن، ۲/۷۶۳

3 المائدہ: ۳۰

4 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۲۸۶

سب کا بوجھ شروع کرنے والے پر ہے۔اور جب تک مظلوم بدلے کی حد سے آگے نہ نکل جائے ایسے فسادی کو قیامت کے دن دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

بہتان / تہمت لگانا

﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِه بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ [1]

(پھر جس نے کوئی خطا یا گناہ کر کے اس کا الزام کسی بے گناہ پر تھوپ دیا اس نے تو بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بار سمیٹ لیا۔)

سید قطب شہید بہتان کے معنی اور قباحت یوں بیان کرتے ہیں۔

''البهتان في رميه البريء. والإثم في ارتكابه الذنب الذي رمى به البريء.. وقد احتملهما معه. وكأنما هما حمل يحمل. على طريقة التجسيم التي تبرز المعنى وتؤكده۔''[2]

(ایک پاک دامن شخص پر الزام تھوپ دینا بہتان ہے اور دوسرا وہ گناہ ہے جس کا اس نے ارتکاب کرنے کے بعد اسے بری الذمہ شخص کے سر تھوپ دیا۔ گویا اس شخص نے ان دونوں کے گناہوں کو اپنے سر پر اٹھالیا ہے)

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ [3]

(اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر گناہ کیے ایذا پہنچاتے ہیں وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار اٹھاتے ہیں۔)

کسی مسلمان کو بغیر کسی وجہ کے شرعی دکھ پہنچانا حرام ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ [4]

(اور جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بدکاری کا چرچا ہو ان کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔) سید قطب فرماتے ہیں کہ

''من أجل هذا وصف الذين يرمون المحصنات بأنهم يحبون أن تشيع الفاحشة في الذين آمنوا، وتوعدهم بالعذاب الأليم في الدنيا والآخرة.'' [5]

---

1 النساء:۱۱۲

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۲/۷۵۶

3 الاحزاب:۵۸

4 النور:۱۹

5 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۴/۲۵۰۳

(قرآن کریم ہمیں یہ تعلیم دینا چاہتا ہے کہ جھوٹے الزامات کی وجہ سے معاشرے میں فحاشی پھیلتی ہے۔ سو ایسے لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب الیم تجویز کیا گیا ہے)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾[1]

(بیشک جو لوگ پاکدامن، بھولی بھالی مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے)

کسی پر تہمت اور بہتان کی اسلام نے سختی سے ممانعت کی ہے کیونکہ اس سے معاشرے میں فساد اور بدامنی کی صورتحال پیدا ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے الزام تراشی کرنے والے کی سزا دنیا اور آخرت میں بتائی گئی ہے۔

بیہودہ باتیں / لغویات / مذاق اڑانا

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴾ [2]

(اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو لہویات خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو بے سمجھے اللہ کے راستے سے گمراہ کریں اور اس سے ہنسی مذاق کریں یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔)

"آخرت کا ہر عذاب شدید والیم تو ہے ہی، یہ عذاب اس کے ساتھ ذلت آفرین بھی ہو گا۔ جس نے زندگی بھر دین حق کی تحقیر اور بے وقعتی کی، وہ نالائق ہے ہی اسی قابل کہ کل اس کی بھی ہر طرح ذلت ورسوائی ہو۔ اس عذاب کا اصل ظہور تو آخرت ہی میں ہو گا"۔[3]

لیکن دنیا میں بھی ایک طرح اس کا ظہور دیکھنے میں آتا ہے جیسے، مراسی، کسبیاں، نچنئے، بھانڈ، نقال، گویئے غرض اس طرح کے تمام طبقے وغیرہ۔ "لھو الحدیث" سے تعلق رکھنے والے دنیا میں بھی کس طرح حقیر ورسوا رہتے یہاں تک کہ کوئی معاشرہ مسخ ہو کر خود ہی ان کی رنگ میں رنگ جائے، اور خود ہی فسق پیشہ بن جائے۔

سود

سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا .﴾ [4]

---

1 النور:۲۳

2 لقمان:۶

3 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۸۴۵

4 البقرۃ:۲۷۵

(جو لوگ سود کھاتے ہیں، (قیامت کے دن) اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو۔ یہ سزا اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے ہیں، تجارت بھی تو آخر سود جیسی ہے)

جو لوگ سود کے حرام ہونے کے بعد بھی سود خوری کی طرف یا سود کو بیع جیسا قرار دینے کی کوشش کریں گے وہ گنہگار اور دوزخی ہیں۔ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ سود بیع کی مانند حلال ہے، اس لئے ان کا مستقل ٹھکانہ دوزخ ہے جس میں رہیں گے۔ مفسر تبیان القرآن فرماتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سود خوروں کی یہ علامت بنادے گا 'اور قیامت کے مجمع عظیم میں جو شخص پاگلوں کی طرح مخبوط الحواس کھڑا ہو گا اسے دیکھ کر قیامت کے دن سب پہچان لیں گے کہ یہ شخص دنیامیں سود خور تھا۔"[1]

﴿وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾[2]

(اور بوجہ ان کے سود لینے کے حالانکہ انھیں اس سے روکا گیا تھا اور بوجہ اس کے کہ وہ لوگوں کا مال ناجائز طریقوں سے کھاتے تھے اور ہم نے ان جیسے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے)

طعن و تشنیع / عیب جوئی

﴿اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾[3]

(وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں ان مسلمانوں پر جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور ان پر جو اپنی محنت کے سوا کچھ نہیں پاتے پھر ان پر پھبتیاں چست کرتے ہیں اللہ نے ان کا مذاق اڑایا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔)

''ومن ثم يجبههم الرد الحاسم الجازم(سخر الله منهم ولهم عذاب أليم) ويا لهولها سخرية. ويا لهولها عاقبة. فمن شرذمة صغيرة هزيلة من البشر الضعاف الفانين وسخرية الخالق الجبار تنصب عليهم وعذابه يترقبهم؟! ألا إنه للهول المفزع الرهيب''۔[4]

(اللہ تعالیٰ بھی ان کو خوب بدلہ دیتا ہے اللہ ان مذاق اڑانے والوں کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کو دردناک سزا ہے۔ یہ کس قدر ہولناک انجام اور کس قدر ہولناک مذاق ہو گا اللہ تعالیٰ کی جانب سے۔ ایک طرف ایک جماعت،

1 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۱/۹۹۱

2 النساء:۱۶۱

3 التوبہ:۷۹

4 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۳/۱۶۸۱

ضعیف اور ناتواں، ذلیل اور فانی اور اس کے مقابلے میں اللہ جو کل کائنات کا مالک اور قدرت والا اس کا عذاب کس قدر خوفناک عذاب ہے جس کے لیے یہ ضعیف وناتواں انسان اپنے آپ کو پیش کرتا ہے۔)

﴿ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾[1]

(آپس میں ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ، اور نام نہ ڈالو ایک دوسرے کے چڑانے کو، ایمان کے بعد توفسق کا نام بھی برا ہے، اور جو لوگ توبہ نہ کریں تو وہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہیں)

تفسیر ابن کثیر میں ہے:۔

" ينهى تعالى عن السخرية بالناس، وهو احتقارهم والاستهزاء بهم، فإنه قد يكون المحتقر أعظم قدرا عند الله وأحب إليه من الساخر منه المحتقر له؛ ولهذا قال: يا أيها الذين آمنوا لا يسخر قوم من قوم عسى أن يكونوا خيرا منهم ولا نساء من نساء عسى أن يكن خيرا منهن ، فنص على نهي الرجال وعطف بنهي النساء--لا تلمزوا الناس. والهماز اللماز من الرجال مذموم ملعون، فالهمز بالفعل واللمز بالقول، كما قال: {هماز مشاء بنميم-"[2]

(اللہ تعالیٰ لوگوں کو ذلیل کرنے اور ان کا مذاق اڑانے یعنی تمسخر سے روک رہا ہے کیونکہ اس کی وجہ قرآن کریم نے یہ بیان فرمائی کہ جس کو تم ذلیل کررہے ہو یا جس کا تم مذاق اڑارہے ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ تم سے زیادہ محبوب ہو۔ مردوں کو منع کرنے کے بعد پھر عورتوں کو بھی اس سے منع کرتے ہوئے اور اس ملعون خصلت کو حرام قرار دیا۔ ہمز کا تعلق فعل سے ہوتا ہے اور لمز کا قول سے۔ غرض ان تمام کاموں کو شریعت نے حرام قرار دیا۔ اور اس سے بچنا چاہیے)

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ﴾[3]

(ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لیے جو (روبرو) طعنے دیتا ہے اور پیٹھ پیچھے عیب جوئی کرتا ہے۔)

تفسیر تبیان القرآن میں اس کے معنی یوں بیان کئے گئے ہیں

"چغلی کھانے والے اور دوستوں کے درمیان فساد ڈالنے والے اور بے عیب لوگوں میں عیب تلاش کرنے والے".[4]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے زبان سے لوگوں کی عیب گیری کرنے والا اپنے کاموں سے دوسروں کی حقارت کرنے

---

1 الحجرات:۱۱

2 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۷/۳۷۶

3 الھمزہ:۱

4 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۱۲/۹۷۶

والا، خرابی والا شخص ہے۔ ابن عباس کا قول ہے کہ اس سے مراد طعنہ دینے والا غیبت کرنے والا ہے ربیع بن انس کہتے ہیں سامنے برا کہنا تو ہمز ہے اور پیٹھ پیچھے عیب بیان کرنا لمز ہے۔ قتادہ کہتے ہیں زبان سے اور آنکھ کے اشاروں سے بندگان اللہ کو ستانا اور چڑانا مراد ہے کہ کبھی تو ان کا گوشت کھائے یعنی غیبت کرے اور کبھی ان پر طعنہ زنی کرے مجاہد فرماتے ہیں ہمز ہاتھ اور آنکھ سے ہوتا ہے اور لمز زبان سے بعض کہتے ہیں اس سے مراد اخنس بن شریف کافر ہے۔ ان دوزخیوں کی گردنوں میں زنجیریں ہوں گی یہ لمبے لمبے ستونوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے اور اوپر سے دروازے بند کر دیئے جائیں گے ان آگ کے ستونوں میں انہیں بدترین عذاب کیے جائیں گے۔

غیبت

غیبت یہ ہے کہ کسی کے پس پردہ اس کا برا ذکر کیا جائے کہ اگر وہ سنے تو برا مانے گو تم نے صحیح ہی کیوں نہ کہا ہو اور اگر جھوٹ ہو تو پھر بہتان ہے۔([1])

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾ ([2])

(اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے لیے تیار ہو؟ دیکھو تم کو بھی اس سے گھن آئے گی۔)

ایسی گھناؤنی چیز سے تشبیہ دینے کا مقصد قرآن نے ہر مسلمان کا دل غیبت کی طرف سے متنفر و بیزار کر دیا ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ مولانا دریابادی یہ بیان کرتے ہیں کہ "جس طرح گوشت کے نوچے جانے سے جسم کو جسمانی اذیت ہوتی ہے، آبروریزی سے بھی قلب متاثر ہوتا ہے اور چونکہ وہ شخص سامنے موجود نہیں ہوتا، اس لیے عدم حس میں مشابہ مردہ کے ہے"([3])

﴿هَمَّازٍ مَّشَّاءٍۢ بِنَمِيْمٍ﴾ ([4])

(ذلیل ہے جو دوسروں کو عیب لگاتا ہے چغل خور ہے،) آگے آیت نمبر سولہ میں اس کو انذار کرتے ہوئے فرمایا

﴿سَنَسِمُه عَلَي الْخُرْطُوْمِ﴾([5])

1 غزالی، امام، کیمیائے سعادت، مترجم: نائب نقوی، (کراچی: شیخ غلام اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز)، ۳۸۱

2 الحجرات: ۱۲

3 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۱۰۲۸

4 القلم: ۱۱

5 ایضاً: ۱۶

(ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگائیں گے)

"ومن مات همازا لمازا ملقبا للناس، كان علامته يوم القيامة أن يسميه الله على الخرطوم، من كلا الشفتين" [1]

(جو شخص عیب گوئی اور چغل خوری کی حالت میں مرے جو لوگوں کو بدنام کرنے والا ہو قیامت کے دن اس کی ناک پر دونوں ہونٹوں کی طرف سے نشان لگا دیا جائے جو اس مجرم کی علامت بن جائے گا)۔ تفسیر تبیان القرآن میں خرطوم کی وضاحت یوں کی گئی:-

"سونڈ سے مراد اس کی ناک ہے، اور اس کو سونڈ اس لیے فرمایا ہے کہ جب کسی انسان کے اعضاء کو حیوانوں کے اعضاء سے تشبیہ دی جائے یا اس پر حیوان کے اعضاء کا اطلاق کیا جائے تو اس سے اس انسان کی توہین اور تذلیل مقصود ہوتی ہے مثلاً کسی انسان کے پیر کو کھر کہا جائے یا سم کہا جائے، نیز اس آیت میں ناک کی تذلیل کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اعضاء میں سب سے اشرف عضو اس کا چہرہ ہوتا ہے اور چہرے میں ناک کی زیادہ اہمیت ہے، وہی چہرے میں بلند ہوتی ہے اور اسی سے چہرے کی خوبصورتی ہے اور ناک کے لفظ سے کسی انسان کی عزت یا بے عزتی کا کنایہ کیا جاتا ہے۔" [2]

ملاوٹ / ناپ تول میں کمی

﴿وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ -الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ- وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ﴾ [3]

(ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔ اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو اس میں کمی کرتے ہیں۔)

اگلی دو آیات میں مطففین سے مراد یہ بتایا گیا ہے کہ مطفف، ڈنڈی مارنے والا کون ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھاٹا دیتے ہیں۔ مطفف سے مراد ڈنڈی مارے والا یعنی جب وہ مشتری ہوں تو بہت ہوشیاری سے پورا پورا لیتے ہیں اور اگر بیچنے والے ہوں تو کم دیتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ایسے مجرمین کو سخت دھمکی دیتا ہے کہ تباہی تمہارے سر پر ہے۔ اس لئے کہ اس نظام سے معاشرے میں معاشی تفاوت اور بدامنی کی فضا جنم لیتی ہے۔ اسی ناپ تول میں کمی پر حضرت شعیبؑ کی قوم کو ہلاک کیا گیا تھا۔ اور یہاں بھی مسلمانوں کو اللہ کے عذاب سے انذار کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ابن کثیر فرماتے ہیں:-

" وأهلك الله قوم شعيب ودمرهم على ما كانوا يبخسون الناس في المكيال والميزان.ثم قال تعالى

---

1 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۱۹۵

2 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۱۸۶

3 المطففین: ۱۔۳

متوعدا لهم:ألا يظن أولئك أنهم مبعوثون ليوم عظيم؟ أي: أما يخاف أولئك من البعث والقيام بين يدي من يعلم السرائر والضمائر، في يوم عظيم الهول، كثير الفزع، جليل الخطب، من خسر فيه أدخل نارا حامية؟وقوله:يوم يقوم الناس لرب العالمين أي: يقومون حفاة عراة غرلا في موقف صعب حرج ضيق ضنك على المجرم، ويغشاهم من أمر الله-ما تعجز القوى والحواس عنه. "[1]

(آیت یعنی تول کو قائم رکھو اور میزان کو گھٹاؤ نہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام) کی قوم کو اسی بری عادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے غارت و برباد کر دیا۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ انذار کر رہے ہیں۔ کہ دوسروں کا حق مارنے والے کیا قیامت کے دن سے نہیں ڈرتے جس دن یہ اللہ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ جس پر نہ کوئی بات پوشیدہ ہے نہ ظاہر، وہ دن بڑا ہولناک اور خطرناک ہو گا۔ گھبراہٹ اور پریشانی والا دن ہو گا، اس دن یہ لوگ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالے جائیں گے وہ جگہ بھی نہایت تنگ اور تاریک ہو گی اور وہ مصائب نازل ہو رہے ہوں گے کہ دل پریشان ہو جائیں گے حواس اور ہوش جاتا رہے گا)

مکاریاں

﴿سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌبِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴾ [2]

(عنقریب ہی پہنچ کر رہے گی مجرموں کو اللہ کے یہاں ایک بڑی ذلت، اور بڑا سخت عذاب ان کی ان مکاریوں کی پاداش میں جن سے وہ کام لیتے رہے۔)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان مجرمین کو یہ دھمکی دیتے ہیں کہ ان کا انجام توہین آمیز ہو گا اور انہیں شدید عذاب سے دوچار ہونا ہو گا یہ مجرم اپنی مکاریوں کی بنا پر اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب سے دوچار ہوں گے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے متبعین کے ہاں اپنے آپ کو سربلند کیا ہوا تھا اور وہ کبر و غرور کی وجہ سے قبول حق سے انکار کرتے تھے اور ان برائیوں کے ساتھ رسالت کے مقام کی تمنا بھی کرتے تھے۔ اور چونکہ انہوں نے اسلام کے مقابلے میں سازش کا جال پھیلایا' رسولوں سے دشمنی کی اور مومنین کو اذیت میں مبتلا کر دیا اس لیے یہ سخت عذاب کے مستحق ہیں۔

﴿اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ [3]

(کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر کا ڈر نہیں رکھتے۔ سن لو کہ اللہ کی تدبیر سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو خسارہ

---

1 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۸/ ۳۴۷

2 الانعام: ۱۲۴

3 الاعراف: ۹۹

پانے والے ہوں۔)

مولانا دریابادی اللہ کے مکر کو اللہ کے عذاب سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اللہ کے عذاب سے نہ ڈرنے والوں کو وہ کافر قرار دیتے ہیں۔

"مکر اللہ" سے مراد عذاب الٰہی ہے جس کی گرفت مجرموں پر عموماً بالکل اچانک ہوتی ہے۔ "الخسرون"۔ سے مراد محاورہ قرآنی میں عموماً کافر ہی ہوتے ہیں۔ یہ معنی لے کر آیت سے یہ استنباط کیا گیا ہے کہ عذاب الٰہی سے قطعاً بے خوف ہو جانا کفر ہے۔"[1]

﴿اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾[2]

(کیا جو لوگ بری بری چالیں چلتے ہیں اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا ایسی طرف سے ان پر عذاب آجائے جہاں سے ان کو خبر ہی نہ ہو۔)

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ

" يخبر تعالى عن حلمه وإمهاله وإنظاره العصاة الذين يعملون السيئات ويدعون إليها، ويمكرون بالناس في دعائهم إياهم وحملهم عليها، مع قدرته على أن يخسف الله بهم الأرض أو يأتيهم العذاب من حيث لا يشعرون أي: من حيث لا يعلمون مجيئه إليهم، كما قال تعالى: أأمنتم من في السماء أن يخسف بكم الأرض فإذا هي تمور أم أمنتم من في السماء أن يرسل عليكم حاصبافستعلمون كيف نذير، وقوله أو يأخذهم في تقلبهم أي: في تقلبهم في المعايش واشتغالهم بها، من أسفار ونحوها من الأشغال الملهية."۔[3]

(اللہ تعالیٰ اپنے حلم، علم اور اپنی مہربانی کے باوجود غصے کے بیان فرماتا ہے کہ گناہ گار بد کردار بندوں کو زمین میں دھنسا سکتا ہے۔ ان پر انجانے میں عذاب لا سکتا ہے لیکن اپنی مہربانی سے در گزر کئے ہوئے ہے سورۃ تبارک الذی میں اس کا اظہار فرمایا کہ اللہ جو آسمان میں ہے کیا تمھیں اس کے غضب سے ڈر نہیں لگتا؟ کہ زمین کو دلدل بنا کر تمہیں اس میں دھنسا نہ دے اور کیا وہ تم پر آسمان سے پتھر نہ برسا دے۔ اس وقت تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا انذار کیسا تھا۔ اور اگر اللہ چاہے تو ایسے مکار، بد کردار لوگوں کو ان کے چلتے پھرتے، کھاتے پیتے اور کماتے ہی پکڑ لے۔ رات دن جس وقت چاہے، پکڑ لے تب ان کو اللہ کا ڈرانا معلوم ہو جائے گا۔)

---

1 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۳۸۵

4 النحل:۴۵

3 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۴/۵۷۵

﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ (1)

(پس دیکھو کیسا ہوا ان کی چال کا انجام، ہم نے ان کو اور ان کی پوری قوم کو تباہ کر کے رکھ دیا۔)

پھر ان کا انجام یوں بیان کیا گیا کہ ان کو ایک ہی لمحے میں برباد کر کے رکھ دیا گیا۔ ان کے محلات ان پر الٹ دیئے گئے۔ گھر خالی ہو گئے۔ وہ تو اہل ایمان کے خلاف سازشیں کر رہے تھے اور ان کو یقین تھا کہ وہ اپنی سازشوں کو کامیاب کر سکیں گے۔ لیکن ادھر انھوں نے سازشیں شروع کی اور ادھر وہ صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔ اس اچانک اور فیصلہ کن گرفت سے انذار کرنا مقصود ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں قوت آجاتی ہے۔ وہ مغرور اور غرے میں نہ آجائیں۔ اللہ اسی طرح اچانک گرفت میں لے سکتا ہے اور وہ اپنی مکاریوں اور تدابیر کے ساتھ ہلاک ہو سکتے ہیں۔

﴿ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَكْرُ أُولَئِكَ هُوَ يَبُورُ﴾ (2)

(اور وہ لوگ جو بری چالیں چل رہے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کی چال ہلاک ہو کر رہے گی)غلام رسول سعیدی مکر کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:۔

"اس آیت میں مکر کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہم نے سازش کیا ہے، کیونکہ مکر کا معنی ہے کسی کے خلاف خفیہ تدبیر کرنا، یا کسی کے خلاف دھوکا اور فریب کرنا یا کوئی خفیہ تدبیر کر کے کسی شخص کو اس کے مقصد سے ہٹا دینا، اس آیت میں ان کے مکر اور ان کی سازش پر سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔"(3)

وہ لوگ جو دوسروں کے خلاف بیہودہ چال بازیاں کرتے ہیں۔ ان کے لیے شدید عذاب ہے اور ان کا مکر خود ہی غارت ہونے والا ہے۔ یمکرون تدبیر کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں مکر بمعنی سازش اور چال اس لیے استعمال ہوا ہے کہ اس کا اکثر استعمال برے معنوں میں ہی ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے درد دینے والا عذاب ہے اور یہ عذاب تو ان کے لیے مقدر ہے جو لوگ یہ چال بازیاں کرتے ہیں۔ سید قطب شہید چالبازوں کے بُرے انجام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔

"ولكن القول الطيب هو الذي يصعد إلى الله، والعمل الصالح هو الذي يرفعه إليه. وهما تكون العزة في معناها الواسع الشامل.فأما المكر السيئ قولا وعملا فليس سبيلا إلى العزة ولو حقق القوة الطاغية الباغية في بعض الأحيان. إلا أن نهايته إلى البوار وإلى العذاب الشديد. وعد الله، لا يخلف الله وعده. وإن أمهل الماكرين بالسوء حتى يحين الأجل المحتوم في تدبير الله المرسوم."(4)

1 النمل:۵۱

2 الفاطر:۱۰

3 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۹/۶۶۵

4 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۵/۲۹۳۱

(ہر بری تدبیر جس میں عمل صالح نہ ہو کبھی بھی اس کا مدبر معزز، پر وقار اور صاحب قوت نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ ایک مختصر وقت کے لیے اپنا رعب جما بھی لے لیکن آخر کار وہ ہلاکت کے گھڑے میں گر جاتا ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اور اللہ کا وعدہ کبھی بدلتا نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ مکار کو مہلت ضرور دیتا ہے لیکن جب مہلت ختم ہونے کا وقت آتا ہے تو یہ تمام مکاریاں اور کارستانیاں غارت چلی جاتی ہیں)

ٹوہ لگانا

﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾ (1)

(اور ایک دوسرے کے حالات کی ٹوہ میں نہ رہا کر)

بسا اوقات تجسس بدگمانی ہی کے نتیجے میں ہوتا ہے اور بعض اوقات دوسرے لوگوں کے راز معلوم کرنے اور کمزوریاں معلوم کرنے کے لئے بھی۔ اخلاقی نقطہ نظر سے یہ گھٹیا حرکت ہے۔ اور اسلام لوگوں کے دلوں کو اس قسم کے برے خیالات سے پاک کرنا چاہتا ہے۔ کہ کوئی کسی کے خفیہ حالات معلوم کرے اور اس کی کمزوریوں کے ٹوہ میں لگا رہے۔ لوگوں کی پوشیدہ کمزوریوں کو اچھالنے سے منع کیا گیا ہے۔ تفسیر ماجدی میں ہے۔

> "یعنی اوروں کے عیبوں اور کمزوریوں کی تلاشی و جستجو میں نہ پڑو، تاوقتیکہ کوئی مصلحت یا ضرورت ہی اسکی نہ آپڑے۔ چھپ کر باتیں سننا یا اپنے کو سوتا ہوا بنا کر باتیں سن لینا یہ سب تجسس میں داخل ہے، البتہ اگر کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو اور اپنی یا کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے اس کے مضرت رساں ارادوں اور تدبیروں کا تجسس کرے گا تو جائز ہے۔ کسی مسلمان کے چھپے ہوئے عیب کی پردہ دری کرنا ممنوع و ناجائز ہے بلکہ اس کی پردہ پوشی کرتے رہنا واجب ہے" (2)

تجسس کا تعلق اجتماعی پاکیزگی اور قانونی اور انتظامی معاملات سے بھی ہے۔ اسلام میں لوگوں کی بعض آزادیاں، بعض عزتیں اور بعض شرافتیں ایسی ہیں کہ ان پر کسی صورت میں دست درازی جائز نہیں ہے۔ معاشرے میں لوگوں کی جان، ان کے راز، ان کی خفیہ کمزوریاں محفوظ ہوتی ہیں۔ کسی وجہ سے بھی کوئی کسی کی جان، گھر، رازوں اور اس کی کمزوریوں پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ اسلام لوگوں کے ظاہری حالات کے مطابق برتاؤ کرتا ہے اور یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کے گھر کے میں گھس کر اندرونی حالات معلوم کرے۔ اسلام ظاہری جرائم اور خلاف ورزیوں ہی پر پکڑتا ہے۔ کسی کو ظن یا توقع پر نہیں پکڑا جاتا۔ اس لیے انسانی تحفظ اور معاشرے کی بقا اور امن کے لیے تجسس یعنی دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی سے منع کیا گیا ہے۔

---

1 الحجرات:۱۲

2 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۱۰۲۷

وعدہ خلافی

﴿ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴾ [1]

(جو توڑ دیتے ہیں اللہ کے (ساتھ کیے ہوئے) عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد۔ اور کاٹتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے۔ یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔)

وعدہ خلافی کرنے سے اسلام نے منع فرمایا ہے۔ اس سے ایک تو اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ دوسرا قرآن کی رو سے وعدہ خلافی کرنے والے کو خسارہ اٹھانے والا کہا گیا۔ مولانا دریابادی اس خسارے کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

"اس نقصان میں خسارہ عاجل بھی شامل ہے اور خسارہ آجل بھی، عاجل اس لحاظ سے کہ عدم ایمان سے دلوں سے سکون و اطمینان رخصت ہو جاتا۔ اور قوم وافراد قوم طرح طرح کی بد اخلاقیوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور آجل اس اعتبار سے کہ آخرت میں ہر نعمت سے محرومی رہے گی۔"[2]

تفسیر تبیان القرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ۔

"اور زمین میں ان کا فساد یہ تھا کہ یہ لوگوں کو ایمان لانے سے روکتے تھے 'اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑاتے تھے اور جن چیزوں کے وصل سے امن عالم قائم ہے ان میں فصل کرتے تھے۔"[3]

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ [4]

(بیشک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت لیتے ہیں، وہ لوگ ہیں کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اللہ قیامت کے دن نہ ان سے بات کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔)

سید قطب شہید تحریر کرتے ہیں۔ انسان اللہ کے ساتھ وعدہ یا عہد توڑتا ہے۔ تو اس کے بدلے اس کو ساری دنیا مل جائے تب بھی وہ خسارے میں ہے۔ کیونکہ آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہو گا۔

"فهي قاعدة واحدة من راعاها وفاء بعهد الله وشعوراً بتقواه أحبه الله وأكرمه. ومن اشترى بعهد الله وبأيمانه ثمناً قليلاً- من عرض هذه الحياة الدنيا أو بالدنيا كلها وهي متاع قليل- فلا نصيب له في الآخرة. ولا رعاية له عند الله ولا قبول، ولا زكاة له ولا طهارة. وإنما هو العذاب

1 البقرہ:۲۷

2 دریابادی، تفسیر ماجدی،۱۷

3 علامہ سعیدی، تبیان القرآن،۱/۳۲۷

4 آل عمران:۷۷

الأليم.‘‘[1]

(اور جس نے اللہ کے ساتھ عہد کو دنیا کے تھوڑے فائدے کی وجہ سے توڑنا چاہا اسے یہ پوری دنیا ہی کیوں نہ مل جائے اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو گا اس لیے کہ یہ پوری دنیا بھی آخرت کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ اللہ کے ہاں ایسا شخص قابل قبول نہ ہو گا اور ایسے شخص کے ساتھ کوئی نرمی نہ برتی جائے گی۔ اور وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہو گا)۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿ وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴾ [2]

(اور وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو اسے پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور اس چیز کو کاٹ دیتے ہیں جس کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ اسے ملایا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے لعنت ہے اور انھی کے لیے اس گھر کی خرابی ہے۔)

غرض وعدہ خلافی کرنے اور عہد کر کے توڑنے والے بد نصیبوں کو انذار کرتے ہوئے انھیں لعنتی قرار دیا گیا ہے۔ ابن کثیر اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔

’’هذا حال الأشقياء وصفاتهم، وذكر مآلهم في الدار الآخرة ومصيرهم إلى خلاف ما صار إليه المؤمنون، كما أنهم اتصفوا بخلاف صفاتهم في الدنيا، فأولئك كانوا يوفون بعهد الله ويصلون ما أمر الله به أن يوصل، وهؤلاء {ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه ويقطعون ما أمر الله به أن يوصل ويفسدون في الأرض- وهي سوء العاقبة والمآل، ومأواهم جهنم وبئس القرار.‘‘ [3]

یہاں ان بد نصیبوں کا تذکرہ ہو رہا ہے جو نہ اللہ کے وعدوں کا پاس و لحاظ کرتے تھے نہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ یہی لوگ لعنتی ہیں اور برے انجام سے دوچار ہونگے۔

فساد پھیلانا

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَاوَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ [4]

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے دوڑتے پھرتے ہیں کہ فساد پھیلائیں

---

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۱/۴۱۸

2 الرعد: ۲۵

3 ابن کثیر، القرآن العظیم، ۴/۴۵۳

4 المائدہ: ۳۳

ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں، یا سولی پر چڑھائے جائیں، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیئے جائیں۔ یہ ذلت ورسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے، اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔)

قرآن مجید میں فساد پھیلانے والوں کو انذار کیا گیا ہے۔ کہ ان کی سزا دنیا میں بھی سخت اور ذلت بھری ہے۔ اور آخرت میں بھی دردناک عذاب سے دوچار ہونگے۔ دونوں جہانوں میں سزا کے مستحق ہیں۔ قطب شہید بیان کرتے ہیں کہ

"فالجزاء الذي يلقونه إذن في الدنيا لا يسقط عنهم العذاب في الآخرة، ولا يطهرهم من دنس الجريمة كبعض الحدود الأخرى. وهذا كذلك تغليظ للعقوبة، وتبشيع للجريمة.. ذلك أن الجماعة المسلمة في دار الإسلام يجب أن تعيش آمنة. وذلك أن السلطة المسلمة القائمة على شريعة الله يجب أن تكون مطاعة. فهذا هو الوسط الخير الرفيع الذي يجب توفير الضمانات كلها لازدهاره.. وهذا هو النظام العادل الكامل الذي يجب أن يصان من المساس به- "[1]

(اس دنیا میں بھی انہیں سزا ملے گی' اور یہ سزا ان کو آخرت کے عذاب سے نہیں بچا سکے گی. جس طرح بعض دوسرے معاملات میں انسان دنیا میں سزا پانے کے بعد آخرت کے لیے پاک ہو جاتا ہے۔ لیکن اس فساد کی قباحت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اسلامی سوسائٹی اس بات کی مستحق ہے کہ وہاں پر امن زندگی بسر ہو۔)

﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾[2]

(یہ زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں مگر اللہ فساد برپا کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا)

سورۃ المائدہ میں فساد برپا کرنے والے کے ساتھ اللہ نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ

"{وألقينا بينهم العداوة والبغضاء إلى يوم القيامة} يعني: أنه لا تجتمع قلوبهم، بل العداوة واقعة بين فرقهم بعضهم في بعض دائما لأنهم لايجتمعون على حق، وقد خالفوك وكذبوك.كلما عقدوا أسبابا يكيدونك بها، وكلماأبرموا أمورا يحاربونك بها بطلها الله ويرد كيدهم عليهم، ويحيق مكرهم السيئ بهم- أي: من سجيتهم أنهم دائما يسعون في الإفساد في الأرض، والله لا يحب من هذه صفته." [3]

ابن کثیر فساد کی قباحت یوں بیان کرتے ہیں۔ (کہ فسادیوں کا آپس کا بغض کبھی نہیں ختم ہوتا۔ یہ ایک دوسرے کا آپس میں ہی خون پینے والے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کا حق پر جم جانا ممکن نہیں ہوتا، یہ اپنے ہی دین میں

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، ۲/ ۸۸۰

2 المائدہ: ۶۴

3 ابن کثیر، القرآن العظیم ۳/ ۱۴۷

تفرقہ بازی کرتے ہیں، مفسدین کی بری چالوں اور مکاریوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ چاروں طرف ایک آگ بھڑکانا چاہتے ہیں لیکن ہر مرتبہ ناکامی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کا مکر انہی پر لوٹ جاتا ہے یہ فساد برپا کرنے والے لوگ ہیں اور اللہ کے دشمن ہیں، اور اللہ کسی بھی فسادی کو پسند نہیں کرتا۔)

ظلم

﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا﴾[1]

(اور اس زندہ و قائم کے سامنے چہرے جھک جائیں گے اور جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا وہ نامراد رہا۔)

"ذکر روز حشر کا چل رہا ہے کہ اس روز بڑے بڑے متکبرین اور سرکش منکرین کا غرور و انکار ختم ہو چکے ہوں گے، اور کسی کو ہمت سر اٹھانے کی نہ ہو گی۔"[2]

تفسیر تبیان القرآن میں ہے۔

"وہ شخص ثواب سے محروم رہے گا، جو ظلم کا بوجھ لاد کر لائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے گناہ کبیرہ کو بلکہ شرک کے سوا ہر گناہ کو معاف فرمانے کی بشارت بھی دی ہے، اس لئے اس آیت کا معنی اس طرح ہے، اگر کوئی شخص قیامت کے دن گناہ کا بوجھ لاد کر لایا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف نہیں کیا اور وہ شفاعت سے بھی محروم رہا تو وہ ثواب سے محروم رہے گا۔"[3]

((وَفِي الْحَدِيثِ: "إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ؛ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[4]

(صحیح حدیث میں ہے لوگو ظلم سے بچو۔ ظلم قیامت کے دن اندھیرے بن کر آئے گا۔)

جس نے دنیا میں ظلم کئے ہوں گے وہ وہاں برباد ہو کر رہے گا۔ کیونکہ ہر حق دار کو اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کا حق دلوائے گا یہاں تک فرمایا گیا کہ ایک بے سینگ کی بکری کو سینگ والی بکری سے بدلہ دلوایا جائے گا

﴿إِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَي الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾[5]

(الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کو تکلیف دینے والا عذاب ہو گا)

"فالذي ينتصر بعد ظلمه، ويجزي السيئة بالسيئة، ولا يعتدي، ليس عليه من جناح. وهو يزاول

---

1 طہ:۱۱۱

2 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۶۷۶

3 علامہ سعیدی، تبیان القرآن، ۷/ ۴۸۲

4 الدارمی، عبدالصمد، السنن، کتاب السیر: باب في النھي عن الظلم، ح۲۵۵۸ (السعودیۃ: دار المغني للنشر والتوزیع، المملکۃ العربیۃ۔) ۳/۱۶۳۶

5 الشوریٰ:۴۲

حقه المشروع. فما لأحد عليه من سلطان. ولا يجوز أن يقف في طريقه أحد. إنما الذين يجب الوقوف في طريقهم هم الذين يظلمون الناس، ويبغون في الأرض بغير الحق. فإن الأرض لا تصلح وفيها ظالم لا يقف له الناس ليكفوه ويمنعوه من ظلمه وفيها باغ يجور ولا يجد من يقاومه ويقتص منه. والله يتوعد الظالم الباغي بالعذاب الأليم.'' [1]

سید قطب ظالمین کو جو انذار کیا گیا ہے اس کا تذکرہ یوں کرتے ہیں (کہ ظلم کے بعد بدلہ لینے والا ملامت کا مستحق نہیں بلکہ وہ جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق ظلم و فساد پھیلاتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ لہٰذا جو شخص ظلم کے بعد بدلہ لیتا ہے اور بدلہ اس کے مساوی لیتا ہے، تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ وہ تو اپنا قانون حق استعمال کرتا ہے راہ تو ان لوگوں کی روکنی چاہیے جو ناحق لوگوں پر ظلم اور زیادتیاں کرتے ہیں۔ کیونکہ کسی ایسے ملک کی اصلاح نہیں ہو سکتی جب ظالم لوگوں پر ظلم کر رہا ہو اور اس کو روکنے والا اور ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہ ہو۔ اور کوئی قوت ایسی نہ ہو جو اس کا ہاتھ روکے یا اس سے قصاص دلوائے۔ اسی لئے ان کو انذار کیا گیا ہے کہ یہ برے انجام سے دوچار ہونگے)

﴿لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴾[2]

(ایسے لوگوں کے لیے نیچے بچھونا بھی جہنم کی آگ کا ہوگا اور اوپر سے اوڑھنا بھی اسی کا۔ اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔)

مولانا دریابادی ظالمین کے برے انجام کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"اپنے اوپر ظلم کرنے والے وہی ہیں۔ ان کے لئے عذاب ہی کا اوڑھنا اور عذاب ہی کا بچھونا، غرض ہر طرف عذاب ہی عذاب ہوگا۔"[3]

ان کے لیے تو جہنم کا بچھونا ہوگا اور جہنم ہی کا اوڑھنا ہے۔

حاصل بحث

اسلام ایک انسان کو زندگی کے تمام پہلوؤں میں راہنمائی کرتا ہے۔ معاشرے کی تشکیل کے لئے اسلام نے اصول و قوائد بتا دیئے ہیں۔ اخلاق حسنہ پر اسلام نے زور دیا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر اچھے معاشرے کی تشکیل کی جا سکتی ہے۔ اور اچھے اخلاق پر خوشخبری سناتا ہے تاکہ لوگ اس طرف راغب ہوں۔ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو جنت میں مستقل ٹھکانا اور فضل عظیم کی بشارت دی گئی، صبر اور شکر کرنے والوں کو جنت میں بالا خانے اور مزید نعمتوں کی

1 سید قطب، فی ظلال القرآن ۵/ ۳۱۶۷

2 الاعراف: ۴۱

3 دریابادی، تفسیر ماجدی، ۱/ ۳۷

بشارت دی گئی۔ اسی طرح صادقین کو اللہ کی رضا کی بشارت دی گئی، متوکلین کو بے حساب اجر اور امانتوں کی پاسداری کرنے والوں کو جنت کا وارث قرار دیا گیا۔ محسنین کے لئے فرمایا کہ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور وہ ہر قسم کے خوف و غم سے آزاد ہوں گے۔ گناہ کے سرزد ہو جانے کے بعد اس پر توبہ کرنے والے کو فلاح پانے کی بشارت سنائی گئی۔

اسی طرح اخلاق رزیلہ پر متنبہ کیا گیا ہے کیونکہ یہ معاشرتی بگاڑ کا باعث ہے۔ بخل کرنے والے کی بخیلی اس کے گلے کا طوق بن جائے گی۔ اسلام نہ بخل کی اجازت دیتا ہے اور نہ اسراف کی بلکہ میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح نیکی کے کاموں میں ریاکاری سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ معاشرے کی بقاء کے لئے اسلام تمام معاشرتی برائیوں جیسے جھوٹ، غیبت، حسد، چغل خوری، دوسروں کی ٹوہ میں رہنا تاکہ ان کے عیب تلاش کئے جائیں، بہتان، تہمت، اور ہر طرح کے ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے۔

خلاصہ بحث:

تبشیر کے معنی خوشخبری سنانے کا مسلسل عمل کے ہیں۔ انذار سے مراد انجام بد سے خبردار کرنا، نتائج سے ڈرانا، واقف کرنا اور تنبیہ کرنا کے ہیں۔ انسانی نفسیات کا خاصہ ہے کہ وہ انجام کار کی خوشخبری اور بشارت کی بنا پر نیک کاموں کی طرف زیادہ رغبت ہوتی ہے اور برے انجام کے خوف کی بنا پر نافرمانی اور بدی سے گریز کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ حسن عمل کی دعوت کو موثر بنانے کے لیے ترغیب اور ترہیب کے دونوں طریقے کارگر ثابت ہوتے ہیں۔ قرآن میں کہیں ترغیب، بذریعہ بشارت اختیار کی گئی ہے اور کہیں ترہیب بذریعہ انذار کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے تاکہ خوف اور امید مل کر، انسانی کردار میں ایمان و عمل کا اعتدال قائم کر دیں۔ اسی حکمت کے تحت انبیائے کرام کو مبشر اور نذیر دونوں جہات اور صفات سے متصف کیا گیا۔

تبشیر وانذار دعوت دین کے اسالیب میں سے ایک اہم اسلوب ہے۔ اسی بنا پر دین کی طرف بلانے کو قرآن کی زبان میں بہترین عمل کہا گیا ہے اور اسی غرض سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے دعوتی اسلوب کو بھی قرآن میں بیان کیا تاکہ لوگوں کو بشارتیں سنا کر دین کی طرف مائل کریں اور انجام بد سے بچنے کے لیے تنبیہ کرتے رہیں۔ یہ اس لیے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ انبیاء کرام کے بعد یہ فریضہ امت مسلمہ کے سپرد کیا گیا کہ وہ دعوت دین میں اس اسلوب کو اپنائیں اور ایسے لوگوں کو فلاح یافتہ اور کامیاب قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ دین کا مقصد لوگوں کی اصلاح اور فلاح کرنا ہے۔ اسی بنا پر تبشیر وانذار کے اسلوب، قرآن مجید کی طرح سابقہ الہامی کتب میں بھی کیا گیا ہے۔ بائیبل میں مفصل بیان کیا گیا ہے کہ اللہ جب کسی

قوم کو آزمائش میں ڈالتا ہے تو اس سے پہلے آگاہ کرنے والے انبیاء مبعوث کرتا ہے جو پیروی کرنے لئے مبشر ہیں، اور نہ ماننے والوں کے لئے منذر جو انھیں عذاب سے خبر دار کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں متعدد بار انبیاء کرام کا بحیثیت مبشر اور منذر ذکر کیا گیا۔ انبیاء علیہ السلام کے مبعوث کرنے کا مقصد گویا نیک لوگوں کو اللہ کی طرف سے اچھے انعام اور برے لوگوں کو خبر دار کرنا تاکہ وہ ڈر کر اصلاح کر لیں۔ اہل ایمان کے لیے یہ بڑی خوش خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بشارتیں سنانے والے اور اللہ کی رحمت کی خوشخبری دینے والے انبیاء کرام مبعوث کیے جبکہ انبیاء کی بعثت سے پہلے تمام لوگ کفر، شرک میں مبتلا تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف انبیاء کرام بھیج کر ان پر رحم فرمایا۔

اسی طرح قرآن مجید میں سابقہ اقوام کا ذکر کرتے ہوئے قوموں کی راہنمائی کے لئے واضح دلائل اور نشانیاں دے کر انبیاء کرام کو بھیجا۔ ان میں سب سے پہلے حضرت حضرت نوح علیہ السلام کا نام آیا ہے کیونکہ وہ پہلے نبی ہیں اور انھوں نے ہی سب سے پہلے اپنی قوم کو اللہ کے عذاب پر انذار فرمایا۔ ان کے بعد دوسرے انبیاء علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور سب سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کا ذکر فرمایا اور ان انبیاء کرام کے دعوتی اسلوب کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

قرآن مجید دو طرح کے لوگوں کو مخاطب کرتا ہے، ایک مبشرین اور دوسرے منذرین، مبشرین وہ گروہ ہے جنھیں ان کے اچھے اعمال کی بنا پر دنیا اور آخرت میں اچھے بدلے اور انعام کی بشارتیں دی گئی ہیں جبکہ دوسرا گروہ وہ ہے جو نافرمانی اور اعمال بد کے مرتکب ہوتا ہے جس کی بنا پر انھیں دنیا میں بھی رسوائی اور آخرت میں دردناک عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔

اسلوب تبشیر وانذار کے ضمن میں ان حکمتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو قرآن میں پوشیدہ ہیں۔ ان میں اللہ کی قدرت کاملہ کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ کچھ حکمتیں ایسی ہیں کہ ان بشارتوں کے بیان کرنے کا مقصد مسلمانوں کے اندر اچھے کاموں کی طرف رغبت پیدا کرنا اس کے علاوہ ہر نفس یہ پسند کرتا ہے۔ کہ اس کے نیک اعمال کا اسکو بدلہ دیا جائے اور وہ اس کو جانے، قرآن مجید حکمت سے بھری خبروں اور نصیحتوں اور عبرتوں کا خزانہ و مجموعہ ہے۔ جو ہدایت ورشد کے ضمن میں درجہ کمال اور اپنی انتہاء کو پہنچی ہوئی ہیں۔ یعنی ان سرگزشتوں میں نہایت اعلیٰ درجے کی دل ودماغ کی گہرائیوں تک پہنچنے والی حکمتیں موجود ہے۔

سچے دل سے ایمان لانے والوں کو قرآن مجید میں بے شمار بشارتوں سے نوازا گیا کیونکہ جو سچے دل سے ایمان لاتا ہے اور اس پر استقامت اختیار کرتا ہے تو ایسے شخص پر اللہ کا خصوصی انعام و فضل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ

تعلق استوار کر لینے کے بعد انسان کبھی گمراہی کا شکار نہیں ہوتا۔اس کے پیش نظر چونکہ آخرت کی زندگی ہوتی ہے اس لئے دنیا کے مصائب کو آسانی سے برداشت کر لیتا ہے بلکہ مومنین کے لئے یہ بڑے اعزاز کی بات ہے کہ انھیں اللہ کی طرف سے عزت دی جاتی ہے کہ بروز قیامت اللہ ان مومنین کو اور رسولوں کو اپنے پہلو کھڑا کرے گا۔اور بغیر ایمان کے اچھے کئیے ہوئے اعمال بھی غارت ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں بہت سارے مقامات پر ایمان اور عمل صالحہ بجالانے والوں کو جنت میں لازوال نعمتیں دی جائیں گی۔

ایسے مومنین کو جنت الفردوس کا وارث قرار دیا گیا ہے جسے سب جنتوں میں سے عمدہ جنت کہا گیا ہے۔مومنین کے لئے بڑی بشارت کہ جو اللہ پر ایمان کے ساتھ ساتھ اس کے رسولوں پر بھی ایمان لائے گا تو ایسے مومنین کو صدیقین اور شہداء کے برابر درجہ ملے گا۔اور اس کا ایمان جب آخرت پر پختہ ہو گا تو اسے دین اور دنیا میں کامیابی سے ہمکنار کیا جائے گا۔

اس کے برعکس انکار کرنے والوں کو انذار کیا گیا ہے کہ ان کی دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت بھی برباد ہو جائے گی۔کیونکہ ایمان نہ لانے کی بنا پر انھیں حد درجہ کی گمراہی میں کہا گیا۔اللہ کے انکار کے ساتھ اس کے نبیوں ،کتابوں،اور روز قیامت کو جھٹلانے والوں کو جہنم کی آگ اور سخت عذاب دیا جائے گا جس کا ادراک انھیں قیامت کے برپا ہونے پر ہو گا اور اس وقت ان کے پاس افسوس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو گا۔

قرآن مجید میں انسان کی پیدائش کا اصل مقصد اللہ کی عبادت کرنا بتایا گیا ہے۔اسی غرض سے ان عبادات کی ادائیگی پر اسلام میں بشارتیں دی گئی جبکہ ان کی کوتاہی پر انذار کیا گیا ہے۔ نماز قائم کرنے والے لوگوں کو جنت الفردوس کا وارث قرار دیا گیا کیونکہ مومنین کی صفات میں سے ایک صفت نماز قائم کرنا ہے۔ قرآن مجید میں عظیم اجر والوں کی جو نشانیاں بتائی گئی ہیں ان میں سے ایک روزہ دار بھی ہیں،جن کے لئے اللہ نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔زکوٰۃ کی ادائیگی کرنے والے کو فلاح یافتہ کہا گیا۔اللہ کا حکم ہے کہ جو اس کی رضا اور خوشنودی چاہتا ہے وہ زکوۃ ادا کرے کیونکہ یہ اسلام کا پل ،بخل کو ختم کرنے والی اور دونوں جہانوں میں فلاح کی موجب ہے۔حج ایک اہم عبادت ہے جس کی ادائیگی پر ایک تو انسان گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے دوسرا مقبول حج دنیا اور آخرت دونوں میں سربلندی کا ذریعہ ہے۔جہاد کی اسلام میں بڑی فضلیت بیان کی گئی ہے مجاہد کو دنیا فروخت کر کے آخرت خریدنے والا کہا گیا ہے مزید یہ کہ جہاد کرنے والے کو دونوں صورتوں میں کامیاب قرار دیا گیا ایک یہ کہ اگر شہید ہو جاتا ہے تو آخرت میں اعلیٰ مقام اور اگر غازی بن کر لوٹتا ہے تو اجر عظیم اور مال غنیمت پاتا ہے۔

ان عبادات پر جہاں اسلام بشارتیں دیتا ہے اسی طرح ان کی کوتاہی پر انذار فرمایا گیا ہے۔ جیسے قرآن میں

نماز ادانہ کرنے والے کو بڑی خرابی اور ہلاکت میں کہا گیا۔ جان بوجھ کر روزہ چھوڑنے والے کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ ساری عمر روزے رکھے تب بھی اس ایک روزے کا بدل نہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ ادانہ کرنے والے کے جمع کیے ہوئے مال کو آگ بنا کر اس سے اسے داغا جائے گا اور استطاعت ہونے پر حج نہ کرنے والے لوگوں کی موت کو یہودی اور نصرانی کی موت کہا گیا۔ جہاد فرض ہو جانے کے بعد اس سے منہ موڑنے والا کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔

اسلام ایک انسان کو زندگی کے تمام پہلوؤں میں راہنمائی کرتا ہے۔ معاشرے کی تشکیل کے لئے اسلام نے اصول و قواعد بتادیئے ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر اچھے معاشرے کی تشکیل کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح رزائل اخلاق کی بھی نشان دہی کی ہے جو معاشرتی تباہی کا موجب ہیں۔ اخلاق حسنہ پر اسلام نے زور دیا ہے اور اچھے اخلاق پر خوشخبری سناتا ہے تاکہ لوگ اس طرف راغب ہوں۔ جیسے متقین کو جنت میں مستقل ٹھکانا اور فضل عظیم کی بشارت سنائی۔ صابر اور شاکر کو جنت میں بالاخانوں اور مزید نعمتوں کی بشارت دی۔ اسی طرح صادقین کو یہ خوشخبری دی کہ وہ اللہ کی رضا میں ہیں۔ متوکلین کو بے حساب اجر اور امانتوں کی پاسداری کرنے والوں کو جنت کا وارث قرار دیا گیا۔ محسنین جن کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور وہ ہر قسم کے خوف و غم سے آزاد ہوں گے۔ رجوع الی اللہ اور توبہ کرنے والے کو فلاح پانے کی بشارت سنائی گئی۔

اخلاق حسنہ پر بشارت سنانے کے بعد اخلاق رزیلہ پر متنبہ کیا گیا ہے جو کہ معاشرتی بگاڑ کا سبب ہے۔ بخل کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ اس کی بخیلی اس کے گلے کا طوق بن جائے گی۔ اسلام دونوں صورتوں یعنی بخیلی اور اسراف کی ممانعت کر کے میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ دکھاوے اور ریاکاری کی ممانعت کی گئی ہے اس لئے کہ یہ انسان کے کئے ہوئے اچھے اعمال کو بھی ضائع کر دیتی ہے۔ معاشرے کی بقاء اور استحکام کے لئے اسلام تمام معاشرتی برائیوں جیسے جھوٹ، غیبت، حسد، چغل خوری، تجسس، بہتان، تہمت، حق تلفی، تکبر اور ظلم سے منع کرتا ہے۔ اس لئے کہ ایسا کرنے والوں کو آگ میں جھونک دیا جائے گا اور یہ اللہ کی لعنت اور غضب کا شکار ہونگے۔

نتائج البحث

الحمد لله الذی بعذته وجلاله ونعمته تتم الصالحات فله الشکر اولا وآخرا،وبعد

1. تحقیق سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ اچھے اعمال اور نیکیوں کی طرف رغبت کرنے اور برائیوں سے عبرت حاصل کر کے اصلاح کی طرف مائل کرنے کے لئے اسالیب قرآن میں سے تبشیر و انذار کا اسلوب بہترین ہے۔
2. انسانی نفسیات میں یہ رویہ فطرتاً موجود ہے کہ وہ خوشخبری کے ذریعے اور حصول مسرت و سعادت کی خاطر اعمال صالحہ کی طرف ترغیب پاتا ہے اور برے انجام کے خوف کی بنا پر نافرمانی اور بدی سے گریز کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ دعوت دین کو موثر بنانے کے لیے تبشیر اور انذار کے یہ دونوں طریقے کارگر ثابت ہوتے ہیں۔
3. دعوت دین اور اسالیب دعوت انبیاء کے تفصیلی مطالعہ سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ قرآن میں مخاطبینِ تبشیر و انذار بنیادی طور پر دو گروہ: مبشَرین اور منذَرین ہیں۔ مبشَرین جن کو ان کے اچھے اعمال کی بنا پر بشارتوں سے نوازا گیا اور دوسرا گروہ منذَرین جو شرک، تکبر اور برے اعمال کی بنا پر عذاب کا مستحق ٹھہرا۔
4. قرآن مجید میں اسلوب تبشیر و انذار کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں انسانی ذہنوں میں قدرت خداوندی کے اظہار کو اجاگر کرنے، اچھے کاموں کی طرف رغبت اور برے انجام سے بچانے کے لئے یہ حکمتیں کارگر ثابت ہوتی ہیں۔
5. تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ ایمانیات پر ہی اسلام کی بنیاد قائم ہے اور اگر ان میں کسی قسم کا شک یا غیر یقینی کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اسلام کی عمارت میں ضعف آنے لگتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں ایمانیات پر دلکش بشارتوں سے نوازا اور ایمانیات کے منکرین کو انذار کیا گیا۔
6. تفسیری مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کی بندگی کا شعور ابھارنے کے لیے قرآن بار بار عبادات قائم کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ان عبادات کو بجالانے پر دنیاوی فوائد اور اخروی بشارتیں دیتا ہیں جبکہ ان سے کوتاہی پر عذاب اور انذار کرتا ہے۔
7. تحقیق سے ثابت ہوا کہ معاشرہ کے استحکام کے لئے اخلاق حسنہ کا ہونا بے حد ضروری ہے اسی لئے اسلام اخلاق حسنہ پر بشارتوں سے نوازتا ہے اور اخلاق رزیلہ چونکہ معاشرتی فساد کا سبب بنتے ہیں اس لئے ان پر انذار کرتا ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی سیدنا وحبیبنا وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ۔

تجاویز وسفارشات

تحقیقی مقالہ لکھنے کے بعد یہ بات واضح ہوئی ہے کہ علم کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ کسی بھی تحقیق کو حتمی قرار نہیں دیا جا سکتا اس موضوع سے متعلق مزید علمی کام اور تحقیق کی ضرورت ہے جو کہ درج ذیل سفارشات کی صورت میں پیش کی جا رہی ہیں:

- تبشیر و انذار پر زیادہ تر مواد فارسی اور عربی زبان میں ہے جبکہ اردو زبان میں اس کا مواد ناکافی ہے جس کی وجہ سے عام عوام مستفید نہیں ہو سکتی، اس لیے اگر اس مواد کو اردو میں منتقل کر دیا جائے تو اردو زبان میں تحقیق کے نئے دروازے کھولے جا سکتے ہیں۔

- اردو زبان میں "تبشیر و انذار" احادیث کی روشنی میں مواد موجود ہے لیکن قرآنی اسلوب تبشیر و انذار کے حوالے سے کوئی اردو مواد منظر عام پر نہیں آیا اسے یکجا کر کے کتابی شکل میں منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے۔

- دوران تحقیق دعوت دین کے اسالیب میں سے تبشیر و انذار کے اسلوب کو ہی بیان کیا گیا ہے جبکہ دوسرے اسالیب پر بھی کام ضروری ہے تا کہ دعوت قرآن کو بین الاقوامی سطح پر پہنچانے کے لیے بنیادی اصولوں اور اسالیب کو پیش نظر رکھ کر دعوت دی جا سکے۔

- تعلیمی اداروں کو دعوت و تبلیغ کے مضمون میں اسلوب تبشیر و انذار کو تعلیمی نصاب میں شامل کرنا چاہیے اور اپنے جرائد و مجلے میں ایسی تعلیمات پر مبنی مضامین اور تبشیر و انذار سے متعلقہ واقعات قرآن و سنت سے شائع کریں تو ان اداروں کے توسط سے معاشرے میں ڈگری کے ساتھ ساتھ افراد کی بہترین اصلاح کی جا سکتی ہے۔

- اس مقالہ میں تبشیر و انذار کے مکمل موضوعات کا احاطہ کرنا ممکن نہیں تھا اس لیے ان موضوعات پر الگ الگ تحقیقی مقالات لکھ کر تحقیق کے مزید دروازے کھولے جا سکتے ہیں جیسے تبشیر و انذار کی اسباب، مخاطبین مبشرون، مخاطبین منذرون، تبشیر و انذار کی انواع، قرآن و حدیث میں دی گئی بشارتوں کی حکمتیں وغیرہ۔

فہارس

فہرست قرآنی آیات

فہرست احادیث

فہرست اماکن

فہرست آیات

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1.	الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ	البقرة	3	118
2.	وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ-	″	4-5	189
3.	أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ	″	5	118
4.	فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ	″	22	18
5.	الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ	″	27	281
6.	وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ	″	41	133
7.	وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ	″	50	169
8.	مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ	″	62	188
9.	وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ	″	82	178
10.	مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ	″	98	201
11.	مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَه لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَه اَجْرُه عِنْدَ رَبِّه	″	112	122
12.	بَلَى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ	″	112	188
13.	بَلَى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ	″	112	258
14.	إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ	″	131	110
15.	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ	″	153	129
16.	وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ	″	155	125

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
17.	وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ	البقرہ	155	244
18.	وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ	〃	165	194
19.	مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ	〃	177	172
20.	أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ	〃	186	45
21.	رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ	〃	201	118
22.	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً	〃	208	110
23.	كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ	〃	213	61
24.	وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ	〃	217	194
25.	فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا	〃	256	172
26.	لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ	〃	262	186
27.	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى	〃	264	258
28.	الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا	〃	275	273
29.	فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ	〃	283	172
30.	مِنْ قَبْلُ هُدًى لِلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ۔	آل عمران	4	201
31.	لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۔وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ	〃	15	242
32.	إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ	〃	19	119
33.	وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ	〃	30	162

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
34.	إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ	آل عمران	45	141
35.	إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ	؍	45	29
36.	قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ	؍	47	141
37.	كَذَلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ	؍	47	141
38.	إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ	؍	51,50	98
39.	لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ- يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ . ...الخ	؍	70-71	29
40.	إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ	؍	77	281
41.	وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ	؍	104	21
42.	كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	؍	110	51
43.	وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ	؍	133	123
44.	وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ	؍	145	255
45.	فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ	؍	148	119
46.	فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ	؍	158	249
47.	وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ	؍	161	271
48.	وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ-فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُون	؍	169	150

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
49.	وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ	آل عمران	180	255
50.	فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ	〃	185	179
51.	وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا	النساء	32	266
52.	الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا	〃	37	256
53.	وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا	〃	38	259
54.	إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا	〃	48	134
55.	وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا	〃	29–30	270
56.	وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا	〃	74	221
57.	وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا بِعَظِيمًا	〃	93	36
58.	وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا	〃	93	271
59.	وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنْفُسَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا	〃	107	268
60.	وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا	〃	112	270
61.	وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا	〃	136	190
62.	وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَاءُوْنَ النَّاسَ	〃	142	36
63.	إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا	〃	145	136

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
.64	إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا	النساء	146	251
.65	إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا أُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا	״	150-151	198
.66	وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا	״	161	273
.67	وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا	״	162	212
.68	رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ	״	165	25
.69	رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ	״	165	50
.70	رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا	״	165	151
.71	رُّسُلا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ	״	165	54
.72	وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنْكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا	״	173	261
.73	فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا	״	175	171
.74	وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ	المائدہ	5	193
.75	وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ	״	9	181
.76	فَقَدْ جَاءَكُم بَشِيرٌ وَّنَذِيرٌ	״	19	19
.77	فَقَدْ جَاءَكُم بَشِيرٌ وَّنَذِيرٌ	״	19	54
.78	فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ	״	30	270

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
79.	اِنَّمَا جَزٰؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْا اَوْ يُصَلَّبُوْا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَاوَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ	المائدہ	33	282
80.	إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ	؍	44	19
81.	وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِين	؍	46	19
82.	وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِين	؍	64	283
83.	يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ	؍	67	49
84.	مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ	؍	69	186
85.	إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَار	؍	72	135
86.	فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِين	؍	85	119
87.	مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ	؍	117	98
88.	قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ	؍	119	246
89.	وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ	الانعام	19	131
90.	إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُون	؍	20	135
91.	قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ حَتَّى إِذَا جَاءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا يَا حَسْرَتَنَا عَلَى مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَى ظُهُورِهِمْ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ	؍	31	203
92.	وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ اِلَّا مُبَشِّرِينَ وَ مُنذِرِينَ	؍	48	10
93.	وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ فَمَنْ آمَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ	؍	48	61

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
94.	وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ	الانعام	74	79
95.	وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا	〃	92	49
96.	وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا	〃	93	265
97.	وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ	〃	120	162
98.	سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌبِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ	〃	124	277
99.	وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّه لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ	〃	141	258
100.	سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّى ذَاقُوا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ	〃	148	206
101.	كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ	〃	213	17
102.	وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّه لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ	الاعراف	31	258
103.	وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ	〃	36	262
104.	لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ	〃	41	285
105.	الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ادْخُلُوا	〃	49	117
106.	إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ	〃	56	119
107.	لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ	〃	59	64
108.	اِنِّىْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ	〃	59	66
109.	قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ -- قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ-- أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ--....الخ	〃	59~63	66
110.	أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَلَى رَجُلٍ مِنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ	〃	69	71

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
111.	وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ	الاعراف	73	75
112.	ولوطا إذ قال لقومه أتأتون الفاحشة ما سبقكم بها من أحد من العالمين	؍	80	84
113.	وَالِي مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُه قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْـــيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ	؍	85	88
114.	اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ	؍	99	277
115.	قَالَ مُوْسٰي لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ	؍	128	88
116.	وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ	؍	157	112
117.	سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِين	؍	161	120
118.	وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ	؍	170	212
119.	وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ	الانفال	19	115
120.	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ	؍	27	268
121.	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ	؍	29	236
122.	اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ	؍	46	244
123.	وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِين	؍	58	268
124.	اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ	التوبہ	7	237
125.	وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ	؍	20	222
126.	اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰىِٕكَ هُمُ الْفَاىِٕزُوْنَ	؍	20	223
127.	أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ	؍	32	124

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
128.	وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ	التوبہ	34	228
129.	وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ	۔	36	237
130.	إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِين	۔	41	124
131.	أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ	۔	63	197
132.	وَعَدَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ	۔	68	136
133.	اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ	۔	79	276
134.	فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ	۔	81	231
135.	وَلٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَه جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	۔	88	223
136.	إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ	۔	111	146
137.	التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ	۔	112	114
138.	وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ	۔	112	250
139.	فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا ...الخ	۔	122	21
140.	وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ	یونس	27	161
141.	أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ	۔	62	146

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
142.	لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ	یونس	62	253
143.	الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ- لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ ... الخ	״	63-64	116
144.	لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ	״	64	120,149
145.	إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ	هود	11	244
146.	إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَى رَبِّهِمْ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ	״	23	128
147.	وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ- أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ	״	25	63
148.	وَلٰكِنِّيْ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْـــهَلُوْنَ	״	29	66
149.	وَإِلَى عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ	״	50	69
150.	وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ	״	52	71
151.	وَأُتْبِعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ أَلَا بُعْدًا لِعَادٍ قَوْمِ هُودٍ	״	60	73
152.	وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى	״	69	143
153.	قَالَتْ يَا وَيْلَتَى أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ	״	72	143
154.	وَإِلَى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُحِيطٍ	״	84	89
155.	قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَى مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ	״	88	87
156.	وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ	״	90	77

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
.157	قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِه اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْـــلِه قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ	یوسف	37	90
.158	وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ذَلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ	〃	38	90
.159	يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ- مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ ... الخ	〃	39-40	91
.160	وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ	〃	57	238
.161	وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ	الرعد	5	203
.162	وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ	〃	25	282
.163	وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ	ابراھیم	11	249
.164	وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ نُجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ	〃	44	137
.165	وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ	〃	44	163
.166	أَنْ أَنْذِرُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ	النحل	3	54
.167	فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ	〃	29	17
.168	فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ	〃	29	262
.169	وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ -جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ كَذَلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ	〃	30-31	238
.170	الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ ...الخ	〃	32	16

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
171.	اَفَامِنَ الَّذِیْنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰہُ بِہِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَہُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ	النحل	45	278
172.	وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰہِ مَا یَکْرَہُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُہُمُ الْکَذِبَ اَنَّ لَہُمُ الْحُسْنٰی لَا جَرَمَ اَنَّ لَہُمُ النَّارَ وَاَنَّہُمْ مُّفْرَطُوْنَ	〃	62	266
173.	وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ	〃	89	111
174.	وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	〃	96	244
175.	قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ	〃	102	111
176.	شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ	〃	121	251
177.	ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ	〃	123	82
178.	ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ	〃	125	45
179.	إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا	〃	128	121
180.	وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا	الاسراء	9	114
181.	وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّه وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا	〃	26	257
182.	إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا	〃	27	257
183.	وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا	〃	32	38
184.	وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا	〃	59	156
185.	وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ	〃	82	188
186.	وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا- ذَلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا	〃	97-98	199
187.	وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا	〃	105	11
188.	وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا	الکہف	2	113
189.	وَيُنْذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا	〃	4	135

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
190.	وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنْذِرُوا هُزُوًا	الکھف	56	57
191.	أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا-ذَلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا	″	105-106	200
192.	إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا	″	107	177
193.	يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَى لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا	مریم	7	142
194.	قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا	″	9	142
195.	فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا	″	19	224
196.	إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا- يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ ... الخ	″	42-45	79
197.	وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّه كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا-وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَه بِالصَّلٰوةِ ... الخ	″	54-55	82
198.	إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا-	″	60	58
199.	تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا	″	63	239
200.	فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ	″	97	122
201.	فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ	″	114	80
202.	فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ	″	114	81
203.	اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَا اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى	طٰہٰ	48	94
204.	وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَى -جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُخَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّى	″	75-76	176
205.	وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ	″	82	251
206.	وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا	″	111	284
207.	فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى	″	123	145

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
208.	وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَذِلَّ وَنَخْزَى	طٰہٰ	134	155
209.	وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَذِلَّ وَنَخْزَى	؍	134	158
210.	وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُون	الانبیاء	26	135
211.	إذ قال لأبيه وقومه ما هذه التماثيل التي أنتم لها عاكفون	؍	52	81
212.	قال لقد كنتم أنتم وآباؤكم في ضلال مبين	؍	54	81
213.	أف لكم ولما تعبدون من دون الله أفلا تعقلون	؍	67	81
214.	فَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ	الحج	34	127
215.	لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنْكُمْ كَذَلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ	؍	37	118
216.	اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ	؍	38	269
217.	قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِين	؍	49	106
218.	اَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِي	؍	70	205
219.	لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ	؍	78	50
220.	وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ	المومنون	8	249
221.	وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ-أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ- الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُون	؍	9-11	210
222.	الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ	؍	11	249
223.	فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُه	؍	23	65
224.	اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُه اَفَلَا تَتَّقُوْنَ	؍	32	70
225.	وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	؍	33	137
226.	اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ	؍	115	17
227.	إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ	النور	19	272

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
228.	اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ	النور	23	272
229.	لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا	الفرقان	1	46
230.	اُولٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا	〃	75	242
231.	قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِين	الشعراء	29	94
232.	إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ - إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ-فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ	〃	106~108	64
233.	أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ- فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ- وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ- ...الخ	〃	146-154	70
234.	كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ- إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ ... الخ	〃	160-164	77
235.	كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ -إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ- ... الخ	〃	176-183	88
236.	وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُون	〃	208	157
237.	فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِين	〃	213	194
238.	وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِين	〃	214	49
239.	وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ	〃	214	131
240.	هُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ	النمل	2	**116**
241.	لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَفَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيم	〃	40	133
242.	قَالَ يَا قَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ	〃	46	77
243.	فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ	〃	51	279
244.	وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِه اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُم تُبْصِرُوْنَ	〃	54	86
245.	لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أَتَاهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُون	القصص	46	160
246.	وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَى حَتَّى يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَى إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ	〃	59	156
247.	فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰي اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ	〃	67	251

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
.248	وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَئِكَ يَئِسُوا مِنْ رَحْمَتِي وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ	العنكبوت	23	163
.249	وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَئِكَ يَئِسُوا مِنْ رَحْمَتِي وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ	〃	23	200
.250	وقال إنما اتخذتم من دون الله أوثانا مودة بينكم في الحياة الدنيا ثم يوم القيامة يكفر بعضكم ببعض ويلعن بعضكم بعضا ومأواكم النار وما لكم من ناصرين	〃	25	82
.251	وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ -أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ ... الخ	〃	28-30	86
.252	وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ	〃	29	178
.253	وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ	〃	36	87
.254	اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ	〃	45	213
.255	وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّـــيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰي لِلذّٰكِرِيْنَ	〃	45	213
.256	وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ	〃	52	193
.257	ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ	الروم	25	45
.258	فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّه وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	〃	38	215
.259	وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ- أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ	لقمان	4	216
.260	وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ	〃	6	272
.261	إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ	〃	13	136
.262	بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أَتَاهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ	حٰم السجده	3	161
.263	فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ	〃	13	133

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
.264	وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ	حم السجدہ	33	48
.265	هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ	〃	41	188
.266	وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ، أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا	الاحزاب	35	214
.267	انّ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًاوَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيرًا	〃	45	54
.268	يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا	〃	45	150
.269	وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا	〃	47	150
.270	وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا	〃	58	271
.271	وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ	سباء	34	137
.272	مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُون	〃	37	178
.273	وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا	〃	44	132
.274	إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيد	〃	46	156
.275	اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ	〃	46	11
.276	وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ	فاطر	7	182
.277	وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَكْرُ أُولَئِكَ هُوَ يَبُور	〃	10	279
.278	إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ	〃	24	56
.279	وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ	〃	29-30	217
.280	وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ	〃	37	153
.281	أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَالِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِير	〃	37	154
.282	لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أُنْذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ	یٰسین	6	163
.283	وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ	〃	10	134

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
284.	لِيُنذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ	یٰسین	70	154
285.	أَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِينَ - إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولَى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ -إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ	الصافات	58-60	180
286.	وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ	صٓ	4	58
287.	قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنْذِرٌ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ	〃	65	191
288.	لِيُنذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ	المؤمن	15	202
289.	وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ	〃	18	136
290.	وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَى فَبَشِّرْ عِبَادِ	الزمر	17	18
291.	يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ	〃	10	126
292.	اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ	〃	10	243
293.	لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ	〃	34	255
294.	اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ	〃	62	205
295.	قِيْلَ ادْخُلُوْا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ	〃	72	263
296.	وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰىٓ اِذَا جَاءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ	〃	73	238
297.	اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ	غافر	60	263
298.	اُدْخُلُوْا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ	〃	76	264
299.	وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ	الشوریٰ	30	85
300.	وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ	〃	36	247
301.	اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَي الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ	〃	42	284
302.	وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ	الزخرف	23	138
303.	وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ	〃	72	177

نمبر شمار	آیت		آیت نمبر	صفحہ نمبر
304.	يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ	الجاثیہ	45	264
305.	وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنْذِرُوا مُعْرِضُونَ	الاحقاف	3	133
306.	وَهَذَا كِتَابٌ مُصَدِّقٌ لِسَانًا عَرَبِيًّا لِيُنْذِرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَبُشْرَى لِلْمُحْسِنِينَ	״	12	121
307.	وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ	״	21	69
308.	وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ	محمد	2	180
309.	رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأَوْلَى لَهُمْ	״	20	239
310.	ذَلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ	״	28	166
311.	إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ	״	32	203
312.	لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا	الفتح	5	180
313.	وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا	״	6	261
314.	الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا	״	29	182
315.	وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ	الحجرات	11	274
316.	وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا	״	12	40
317.	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ	״	12	262

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
.318	وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ	الحجرات	12	275
.319	وَّلَا تَجَسَّسُوْا	؍	12	280
.320	قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا	؍	14	110
.321	فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيد	قٓ	45	51
.322	وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ	؍	31	126
.323	بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ	؍	2	55
.324	إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ	الذاریات	15	124
.325	كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُو وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ ... الخ	؍	.17–19	121
.326	وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ	؍	56	209
.327	وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ	الطور	21	175
.328	كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ	القمر	18	77
.329	كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُر	؍	23	77
.330	كَذَّبَت قَومُ لُوطِ بِالنُّذُرِ	؍	33	167
.331	وَلَقَد أَنذَرَهُم بَطشَتَنَا فَتَمَارَواْ بِالنُّذُر	؍	36	85
.332	وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُر	؍	41	165،167
.333	يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ	؍	48	166
.334	وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ	؍	50	166
.335	اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ	الحدید	18	218
.336	وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ	؍	19	171
.337	وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ	؍	19	185

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
338.	سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ	الحدید	21	176
339.	أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ	المجادلہ	22	171
340.	وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ	المنافقون	8	173
341.	يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذَلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ	التغابن	9	180
342.	وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُه	الطلاق	3	248
343.	ذَلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا	〃	5	236
344.	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا	التحریم	6	49
345.	يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ	〃	8	174
346.	فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِين	〃	10	269
347.	الَّذِی خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا	الملک	6	17
348.	تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ	〃	8	152
349.	قَالُوا بَلَى قَدْ جَاءَنَا نَذِير	〃	9	153
350.	أَمْ أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِير	〃	17	133
351.	هَمَّازٍ مَّشَّاءٍبِنَمِيْمٍ	القلم	11	276
352.	سَنَسِمُه عَلَي الْخُرْطُوْمِ	〃	16	276
353.	فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُواْ بِالطَّاغِيَةِ	الحاقۃ	5	164
354.	وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ	〃	6	164
355.	وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكَاتُ بِالْخَاطِئَةِ	〃	9	165

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
356.	وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ -أُولٰئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ	المعارج	34-35	211
357.	فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ	"	40	163
358.	إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ-- قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي ... الخ	نوح	1-2	64
359.	أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ --يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ ... الخ	"	3-4	65
360.	فقلت استغفروا ربكم إنه كان غفارا-- يرسل السماء عليكم ... الخ	"	28-13	65
361.	وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا	"	23	65
362.	وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرا	المزمل	20	219
363.	فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ	"	20	220
364.	قُمْ فَاَنْذِر	المدثر	2	19،56،131
365.	قالوا لم نك من المصلين	"	43	226
366.	فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى	القيامه	31	225
367.	اَيَحْسَبُ الْاِنسٰنُ اَن يُّتْرَکَ سُدًى	"	36	17
368.	وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا	الدهر	12	126،244
369.	عُذْرًا اَوْ نُذْرًا	المرسلات	6	155
370.	وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ- وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ - فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ	"	48-50	191
371.	وَيلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ	"	49	202
372.	وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا	النباء	37	154
373.	إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ...الخ	"	40	20،134

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
374.	وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ -الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ- وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ	المطففین	1–3	276
375.	فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَى	الاعلی	9	51
376.	أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ -إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ- الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَاد	الفجر	6-8	68
377.	إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ	البینہ	6	191
378.	وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ	الھمزہ	1	40
379.	وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى	اللیل	8	256
380.	وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى	ءِ	11	257
381.	فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ -الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ	قریش	3-4	169
382.	فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ	الماعون	4–5	226
383.	الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاءُوْنَ	ءِ	6	259
384.	وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ	الفلق	5	267

فہرست احادیث

1	اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ قِيلَ ------وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ	الجامع الصحيح للمسلم	232
2	إِذَا رَأَى مَخِيلَةً فِي السَّمَاءِ، ....أَمْطَرَتِ السَّمَاءُ سُرِّيَ عَنْهُ	الجامع الصحيح للبخاری	159
3	اذا وضعت الجنازة	〃	159
4	أرواحهم في جوف طير خضر، ....ثم تأوي إلى تلك القناديل	الجامع الصحيح للمسلم	149
5	الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ ..... إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا	〃	110
6	اضْمَنُوا لِي سِتًّا مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَضْمَنُ ... أبصاركم وكفوا أَيْدِيكُم	مشكوٰة المصابيح	249
7	أَمَّا الَّذِي يُثْلَغُ رَأْسُهُ بِالحَجَرِ، ------ وَيَنَامُ عَنِ الصَّلَاةِ المَكْتُوبَةِ	الجامع الصحيح للبخاری	226
8	إِنَّ اللَّهَ قَالَ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا .... المَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَه	〃	147
9	إن الله لم يفرض ------ ما بقي من أموالكم	سنن بن ماجه	228
10	إن أهل الجنة ليتراءون ....رجال آمنوا بالله وصدقوا المرسلين	الجامع الصحيح للبخاری	182
11	أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ .....تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ	الجامع الصحيح للمسلم	117
12	أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، ....بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ	〃	112،171
13	أَنْ يُبَشِّرَهَا بِبَيْتٍ مِنْ قَصَبٍ فِي الْجَنَّة	〃	104
14	إِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ؛ فَإِنَّهُ أَهْلَكَ ....فَبَخِلُوا، وَأَمَرَهُمْ بِالْفُجُورِ فَفَجَرُوا	سنن الکبریٰ	156
15	إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ؛ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ	سنن دارمی	284
16	تُرَى الْجِهَادَ أَفْضَلَ الْعَمَلِ ------ أَفْضَلَ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُورٌ	الجامع الصحيح للبخاری	221
17	التَّقْوَى هَاهُنَا	الجامع الصحيح للمسلم	123
18	تكفل الله لمن جاهد في سبيله، ....ما نال من أجر أو غنيمة	〃	145
19	تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ تِلْكَ ------ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا	موطا امام مالک	226

20	ثَلاَثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ ....أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا	الجامع الصحیح للبخاری	184
21	ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّي ------أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَقِيلَ لَهُ ادْخُلْ بِسَلَامٍ	سنن نسائی	218
22	خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ ------عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ أَلاَّ تَتَنَازَعُوا فِيهِ	سنن ابی داود	207
23	دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ	الجامع الصحیح للبخاری	45
24	الصبر عند الصدمة الأولى	الجامع الصحیح للمسلم	244
25	فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَسَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ ------------ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ	الجامع الصحیح للبخاری	177
26	فَأَكْرَمُ النَّاسِ يُوسُفُ ....ابْنِ نَبِيِّ اللَّهِ ابْنِ خَلِيلِ اللَّهِ	〃	89
27	فَإِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ أَخِيهِ ....اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ	سنن ترمذی	40
28	فانى نذير لكم بين يدى عذاب شديد	الجامع الصحیح للبخاری	11
29	قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَيُّ الذَّنْبِ ....لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ	سنن ابی داود	196
30	كُلُّ عَمَلِ ابْنِ ---- اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ	الجامع الصحیح للبخاری	215
31	كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا ------ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ	〃	220
32	لَرَوْحَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَوْ غَدْوَةٌ، .... مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا	〃	144
33	لِكُلِّ أُمَّةٍ مَجُوسٌ -------- يَقُولُونَ لَا قَدَرَ	سنن ترمذی	206
34	مَا مِنْ رَجُلٍ لَا يُؤَدِّي زَكَاةَ ------ الْقِيَامَةِ فِي عُنُقِهِ شُجَاعًا	〃	229
35	مَا مِنْ صَاحِبِ كَنْزٍ لَا يُؤَدِّي زَكَاتَهُ ------ حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَ عِبَادِهِ	الجامع الصحیح للمسلم	229
36	مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ ------ سَالِمًا مَعَ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ	الجامع الصحیح للبخاری	222
37	الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ	〃	110
38	مَنْ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ......... أَنَا مَالُكَ أَنَا كَنْزُكَ	〃	230
39	من أتى هذا البيت، ------ رجع كما ولدته أمه	الجامع الصحیح للمسلم	220
40	مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ ------ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ الدَّهْرَ كُلَّهُ	مسند احمد	228
41	مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ ....فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ-	الجامع الصحیح للمسلم	52

42	مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ، ---------- مَسِيرَةَ سَبْعِينَ خَرِيفًا	مسند احمد	214
43	مَنْ مَلَکَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ ------أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ	سنن ترمذی	231
44	وَأَنْ يُحِبَّ فِي اللَّهِ، وَأَنْ يَبْغُضَ فِي اللَّه	سنن نسائی	198
45	وَلَا تَتْرُكْ صَلَاةً مَكْتُوبَةً ------ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ	سنن بن ماجه	225
46	وَلَيْسَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ الْعُذْرُ ....الْكِتَابَ وَأَرْسَلَ الرُّسُلَ	الجامع الصحيح للمسلم	26
47	هَؤُلَاءِ أُمَّتُكَ، وَمَعَ هَؤُلَاءِ سَبْعُونَ ....رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ	الجامع الصحيح للبخاری	248
48	يسرا ولا تعسرا و...... بشر ا ولا تنفر	ً	20
49	يا ابن الخطاب، اذهب ....يدخل الجنة إلا المؤمنون	الجامع الصحيح للمسلم	173
50	يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي ....لَكِ ضَرًّا وَلاَ نَفْعًا	سنن ترمذی	104

فہرست اماکن

نمبر شمار	اماکن	صفحہ نمبر
1	احقاف	68
3	بابل	77
4	حران	77
5	دمشق	19
6	سدوم	83
7	شام	83
8	صفاء	100
9	طائف	101
10	کوہ طور	96
11	مدین	90
12	مکہ	102
13	یمن	20

مصادرومراجع

عربی مصادر

1. القرآن الکریم
2. آلوسی،شہاب الدین،**روح المعانی**،(البیروت:دار الکتب العلمیه،۱۴۱۵)
3. الأصبهاني ،أبو نعيم أحمد بن عبد الله ،**فضائل الخلفاء الأربعة**(المدينة المنورة :دار البخاري للنشر والتوزيع،۱۴۱۷ھ ،الطبعة: الاولی)
4. الاصفہانی، حسين بن محمد راغب ،**المفردات القرآن فی غريب القرآن** (بيروت :دار القلم، الدار الشامية دمشق ، ۱۴۱۲ھ ،الطبعة: الأولى)
5. بخاری،محمد بن اسماعیل ، **الجامع المسند الصحيح المختصر**(دارطوق النجاة ،۱۴۲۲ھ)
6. البیهقي ، أحمد بن الحسين ،**دلائل النبوة،**(دار الريان للتراث،ط:۱۹۸۸،۱)
7. الترمذی،**السنن** ، (بیروت :دار الغرب الاسلامی،۱۹۹۸ء)
8. ابن تیمیه،تقی الدین،**مجموع الفتاوی** (المدینة النبویة:مجمع الملك فهد لطبا عةالمصحف الشریف،۱۴۱۶ھ)
9. الحلبی،احمد بن ابراہیم،**السیرةالحلبیة**،(البیروت:دار الکتاب العلمیه،۱۴۲۷ھ)
10. حنبل،احمد بن محمد،**مسند احمد**(موسسةالرسالة۲۰۰۱ء)
11. الدارمی،عبدالصمد،**سنن دارمی** ، (السعودية : دار المغنى للنشر والتوزيغ، المملكة العربيه، س ن)
12. رشید رضا،**تفسیر المنار**،(الهیئة المصریة العامة للکتاب،۱۹۹۰ء)
13. السجستانی،**السنن** (بیروت:المکتبة العصریه ،س ن)
14. السعدی، عبدالرحمان بن ناصر، **تيسير الكريم الرحمٰن فی تفسيركلام المنان**،(مؤسسة الرسالة،۲۰۰۲ء)
15. السیوطی ، جلال الدین، **الدر المنثور**، (دارالفکر بیروت س ن)
16. الیضاً ،جلال الدین ،**تفسیر جلالین** (القاهره :دار الحدیث س ن)
17. شہاب الدین، أحمد بن محمد ،**المواهب اللدنية** ،(مصر: المكتبة التوفيقية، القاهرة،ط:۳، س ن)
18. صفی الرحمٰن المبارك پوری، **الرحيق المختوم** ،(دمشق: دار العصماء،ط:اول،۱۴۲۷ھ)
19. الطبری،محمد بن جریر، **جامع البیان**،(موسسة الرسالة،۲۰۰۰)
20. ایضاً،محمد بن جریر،**تاریخ الرسل والملوک**،(بیروت: دار التراث،ط:۲، ۱۳۸۷ ھ)
21. ابن عاشور، محمد طاہر بن طاہر،**التحرير والتنوير**(تیونس: الدار التونسية ،۱۹۸۴ء)
22. ابن عباس، عبدالله ،**تنوير المقياس من تفسير ابنِ عباس** ، (لبنان :دار الکتب العلمیه،س ن)

23. عینی،بدر الدین،علامہ،**عمدۃ القاری**،(مصر:ادارہ الطباعۃ المنیریہ،۱۳۴۸ھ)
24. قرطبی، شمس الدین،**الجامع الاحکام القرآن** ، (القاہرہ :داراالکتب المصریۃ القاہرہ۱۹۶۴ء)
25. القزوینی ،ابن ما جہ ، **ا لسنن** ،(دار الاحیاء الکتب العربیہ،س ن)
26. کاندھلوی،محمد یوسف، **حیاۃ الصحابۃ**(بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع ،لبنان،۱۹۹۹ء)
27. ابن کثیر،اسماعیل بن عمر،**تفسیرالقرآن العظیم**(دار الطیبہ للنشر والتوزیع،۱۹۹۹ء)
28. ایضاً،**السیرۃ النبویہﷺ**،(بیروت:دار المعرفہ للطباعۃ النشرالتوزیع،۱۳۹۵ھ)
29. مالک ،**موطا امام مالک**، (لبنان: دار إحیاء التراث العربي، بیروت ،۱۴۰۶ھ)
30. المنذري، عبد العظیم ،**الترغیب والترھیب من الحدیث الشریف**،(بیروت: دار الکتب العلمیۃ،ط:۱ ، ۱۴۱۷)
31. النسائی، احمد بن شعیب،**سنن النسائی**،(مکتب المطبوعات الإسلامیۃحلب،س ن)
32. ابن ہشام،عبدالملک بن ہشام ، **السیرۃ النبویۃ** (مصر: شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ البابی الحلبی ۱۹۵۵ء)
33. الہندی،ابن حسام الدین،**کنزالعمال** ، (موسسۃ الرسالۃ،ط:الخامسہ،۱۹۸۱ء)

لغات:

1. احمد مختار، عبدالحمید ، **معجم اللغۃ العربیۃ** (المعاصرہ عالم الکتب ، ۱۴۲۹ھ ، الطبعۃ: الأولی)
2. الازدی،ابوبکرمحمد بن حسین ، **جمھرۃ اللغۃ** (بیروت :دارالعلم لملایین ، ۱۹۸۷ء، الطبعۃ: الأولی)
3. الازہری، محمد بن احمد، **تہذیب اللغۃ** (بیروت :دارإحیاء التراث العربی، ۲۰۰۱، الطبعۃ:الاولی)
4. الافریقی،جمال الدین ابن منظور،**لسان العرب** (بیروت :دار صادر ،۱۴۱۴ھ ،الطبعۃ: الثالثۃ)
5. الجرجانی ،علی بن محمد ، **التعریفات** (لبنان :دارالکتب العلمیۃ بیروت ، ۱۴۰۳ھ الطبعۃ:الاولی)
6. الحنفی الرازی، زین الدین ابو عبداللہ ، **مختارۃ الصحاح** (بیروت :المکتبۃ العصریہ ، ۱۴۲۰ھ ،الطبعۃ :الخامسۃ)
7. الزیات،ابراہیم مصطفیٰ ، **المعجم الوسیط** (القاھرۃ:دارالدعوۃ ،س ن)
8. عینی،بدر الدین،علامہ،**عمدۃ القاری**،(مصر:ادارہ الطباعۃ المنیریہ،۱۳۴۸ھ)
9. الفارابی،اسماعیل بن حماد، **الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیہ** (بیروت :داراالعلم للملایین ، ۱۴۰۷،الطبعۃ:الرابعۃ)،

10. الفراهیدی ،ابو عبدالرحمٰن الخلیل البصری،**کتاب العین**(دار المکتبه الهلال،س ن)
11. الفیروز آبادی ، مجدالدین ابو طاہر،**القاموس المحیط** (بیروت :مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر ، ۲۰۰۵ءالطبعة :الثامنة)
12. القزوینی الرازی، احمد بن فارس بن زکریا، **معجم مقاییس اللغة** (دارالفکر، ۱۳۹۹ھ)

اردو مصادر

1. الازھری، پیر کرم شاہ، **ضیاء القرآن**،(لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور،۱۳۹۹ھ)
2. اصلاحی، امین احسن، **تدبر القرآن**،(لاہور: مکتبہ جدید پریس لاہور، ۲۰۰۰ء)
3. ایضاً، **دعوت دین اور اس کا طریقہ کار**(لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۱۴)
4. امان اللہ عاصم، **کتاب مہکتی جنت**،(لاہور: دارالبلاغ پبلشرز اینڈ مسٹری، ۲۰۱۴ء)
5. دریابادی، **تفسیر ماجدی**(کراچی:: مجلس نشریات قرآن ناظم آباد)۱۹۹۸ء
6. دہلوی، سید احمد حسن، **احسن التفاسیر اردو**(لاہور: المکتبہ السلفیہ شیش محل روڈ ۱۹۹۴ء)
7. رفعت اعجاز، **مفہوم القرآن**،(لاہور: بیت القرآن، ط:۱، ۲۰۰۶
8. سعیدی، غلام رسول، **تفسیر تبیان القرآن**(لاہور: رومی پبلی کیشنز اردو بازار، ۲۰۱۳ء)
9. الشیخ، عبد الغفور، **شرح ارکان الایمان**،(مکران: مدرسہ دار السنہ تگران آباد، س ن)
10. شفیق الرحمٰن، ڈاکٹر، **ایمان باللہ کی حقیقت**،(الریاض، دارالبلاغ للنشر، ۱۴۲۶ھ)
11. طیب، محمد، **اسلام میں دعوت و تبلیغ کے اصول**، (اسلام آباد: دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد، س ن)
12. عزیز احمد، **لغات القرآن**،(راولپنڈی: ادارہ لغات القرآن، س ن)
13. غزالی، امام، **کیمیائے سعادت**، مترجم: نائب نقوی (شیخ غلام اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز کراچی)
14. کیلانی، عبد الرحمٰن، **تیسیر القرآن**،(لاہور: مکتبہ السلام سٹریٹ نمبر ۱۰، وسن پورہ طبع ہفتم ۱۴۲۶ھ)
15. گیلانی، سید اسعد، **رسول اکرم کی حکمت انقلاب**،(لاہور: ادارہ ترجمان القرآن پرائیوٹ لمیٹڈ، ۱۹۹۵ء)
16. محمد بن صالح، **ایمان کے بنیادی اصول**(ریاض، مکتب دعوت وتوعیۃ الجالیات ربوہ، ۲۰۰۴ء)
17. محمود احمد غضنفر، **حیات انبیاء**،(لاہور: نعمانی کتب خانہ، ایس ٹی این پرنٹر، اپریل ۲۰۰۸ء)، ۱۳۰
18. مظہری، محمد ثناء اللہ، **تفسیر مظہری**،(مکتبہ رشیدیہ پاکستان ۱۴۱۲ھ)
19. مودودی، ابو الاعلیٰ، **اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر**،(لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، جولائی ۲۰۰۲ء)
20. ایضاً، **تفہیم القرآن**(لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، جون ۲۰۰۶ء)

21. یوسف، صلاح الدین، **رسالت محمدی پر ایمان**، (مدار نجات، الاعتصام، لاہو

English Books, Websites

1. Barnes,Albert, Barnes Notes on the Bible, (Baker,grand Rapids,Michign,1996)
2. Charles john Ellicot, Ellicott's Commentary for English Readers,(Delmarva publications,2015)
3. Henry Matthew,Matthew Henry's Concise Commentary,(Grand Rapids Christian Classics Ethereal Library)
4. John Gill, Exposition of the Bible,(gills-exposition -of-the bible ,August2012)
5. Matthew Pool,Matthew Pool's Commentary on the Holy Bible,(Hendrickson publishers Marketing.)
6. The Bible, (English Standard Version) a publishing ministr of Good News Publisher -2007

Websites

www.biblestudytools.com
www.bible hub.com/Commentaries
www.studylight.org

www.easy quran wa hadees.com
www.kitabosunnat.com